عربی ادب کی کتابوں کے اردو تراجم: ایک جائزہ

مقالہ برائے

پی ایچ ڈی (مطالعات ترجمہ)

2022

تحقیق کار

محمد عدنان

(A161119)

زیر نگرانی

ڈاکٹر فہیم الدین احمد

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ مطالعات ترجمہ

شعبہ مطالعات ترجمہ

اسکول برائے السنہ، لسانیات وہندوستانیات

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

500032

DECLARATION

I do here by declare that this Thesis entitled “Arabi Adab ki kitabon ke Urdu Tarajim : Ek Jayeza” *(Urdu Translations of Arabic Literature Books: A Review)”* is original research work carried out by me. No part of this Thesis was published, or submitted to any University / Institution for the award of any degree.

Student Signature

MOHD ADNAN
Research Scholar
Ph.D in Translation Studies
Enrolment No: A161119
Dept. of Translation Studies
Maulana Azad National Urdu University

Place: Hyderabad

Date: 27/12/2022

मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

(A Central University established by an Act of Parliament in 1998)

(Accredited "A" Grade by NAAC)

SCHOOL OF LANGUAGES, LINGUISTIC & INDOLOGY

Dr. Faheemuddin Ahmed

C E R T I F I C A T E

This is to certify that this Thesis entitled "Arabi Adab ki kitabon ke Urdu Tarajim: Ek Jayeza" (Urdu Translations of Arabic Literature Books: A Review)" for the award of the degree of Doctor of Philosophy (Ph.D) in the Department of Translation Studies, School of Language, Linguistic & Indology, Maulana Azad National Urdu University Hyderabad, is the result of the original research work carried out by **Mohd Adnan** under my supervision and to the best of my knowledge and belief, the work embodied in this thesis does not form part of any Thesis/ Dissertation/ Project already submitted to any other University/Institution for the award of any Degree/ Diploma.

Supervisor
Dept. of Translation

Head
Dept. of Translation

Dean
School of SLL&I

Place: Hyderabad

Date: 27/12/2022

فہرست عناوین

I	اظہار تشکر	i-iii
II	تعارف مقالہ	04-18
III	**باب اول : عربی ادب - ایک تعارف**	19-78
	● ادب کی تعریف	20-21
	▪ ادب کے لغوی معنی	21-22
	▪ ادب کے اصطلاحی معنی	22-24
	● ادب کی ضرورت واہمیت	25-26
	● عربی ادب کا آغاز	26-27
	● عربی ادب کی تاریخ بہ اعتبار زمانہ	28-30
	● قدیم عربی ادب	30-35
	● جدید عربی ادب	35-37
	● مشہور و معروف عربی ادباء: حیات وخدمات	37-78
IV	**باب دوم : اردو میں عربی ادب کے ترجمے کی روایت**	79-107
	● اردو میں ترجمے کی روایت	80-85
	● اردو میں ادبی ترجمے کی روایت	86-91
	● اردو میں عربی ادب کے ترجمے کی روایت	92-98
	● ادبی ترجمہ: اصول و نظریات	98-107
V	**باب سوم : اردو زبان وادب میں نثری عربی ادب کے تراجم کا جائزہ**	108-205
	● عربی ادب کی نثری کتب کے اردو تراجم کی فہرست	111-114
	● عربی ادب کی نثری کتب کے اردو تراجم کا جائزہ	115-205
VI	**باب چہارم : اردو زبان وادب میں شعری عربی ادب کے تراجم کا جائزہ**	206-239
	● عربی ادب کی شعری کتب کے اردو تراجم کی فہرست	208-209

	• عربی ادب کی شعری کتب کے اردو تراجم کا جائزہ	209-239
VII	**باب پنجم : اردو زبان وادب پر عربی تراجم کے اثرات**	240-265
	• لسانی اثرات	245-249
	▪ معنوی تبدیلی کے بغیر اردو میں مستعمل عربی الفاظ	246
	▪ معنوی تبدیلی کے ساتھ اردو میں مستعمل عربی الفاظ	247-248
	▪ عربی سابقوں اور لاحقوں کے ساتھ مستعمل الفاظ	248
	▪ اردو میں مستعمل عربی مرکبات	248-249
	• تہذیبی اثرات	249-265
	▪ ضرب الامثال اور محاورے	251-254
	▪ تلمیحات	255-260
	▪ استعارے وتشبیہات	260-265
VIII	**اختتامیہ**	266-285
	▪ نتائج	279-281
	▪ سفارشات	282-283
IX	**کتابیات**	286-294

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اظہار تشکر

ذات باری تعالیٰ کا لاکھ لاکھ کرم واحسان ہے کہ اس نے ”عربی ادب کی کتابوں کے اردو تراجم: ایک جائزہ“ جیسے اہم عنوان پر تحقیقی مقالہ لکھنے کی توفیق بخشی۔ تحقیقی مقالہ کی تیاری میں سب سے اہم مرحلہ تحقیقی عنوان کے انتخاب کا ہوتا ہے، جو بحمد للہ اساتذہ کرام اور ماہرین کی نگرانی میں طے پایا۔

موضوع کے انتخاب کے بعد متعلقہ مواد کی حصولیابی ایک بڑا مسئلہ ہوتا ہے، چنانچہ اللہ کے فضل سے یہ دشوار گذار مرحلہ بھی سر ہوا اور تحقیقی مقالہ لکھنے کی ابتداء ہوئی۔ جوں جوں لکھنے کا سلسلہ چلتا رہا، نئے نئے گوشے اور امور سامنے آتے گئے جن کا اس تحقیقی مقالہ میں احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ آج بحمد للہ یہ مقالہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔ الحمد للہ علی ذالک۔

میرے لیے بڑی ہی سعادت مندی اور خوش بختی کی بات یہ رہی کہ مجھے بہت ہی شفیق، ہر دلعزیز استاد ڈاکٹر فہیم الدین احمد صاحب (اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ ترجمہ) کی رہنمائی حاصل ہوئی۔ میں ان کا صمیم قلب سے ممنون ومشکور ہوں کہ انہوں نے میری حوصلہ افزائی کے ساتھ تحقیق کے ہر مرحلے پر اور قدم بہ قدم مجھے اپنی گراں قدر ہدایات سے نوازا۔ اگر دوران تحقیق ان کی رہنمائی اور قیمتی مشورے شامل نہ ہوتے تو یہ تحقیقی مقالہ سامنے نہ آتا۔ استاد محترم نے تحقیقی امور کے تئیں مفید مشورے دیے اور اس مقالہ کی تکمیل کے لیے مجھے بھرپور آزادی فراہم کی۔ دعا ہے کہ اللہ استاد محترم کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کا سایہ ہم جیسے طالب علموں پر تادیر قائم ودائم رکھے۔ آمین

اس موقعہ پر صدر شعبہ ترجمہ ڈاکٹر سید محمود کاظمی صاحب (اسوسی ایٹ پروفیسر) کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں، کم ہے کیوں کہ استاد محترم نے ہر گام پر حوصلہ افزائی کی اور اس تحقیقی مقالہ کی تکمیل اور اسے جمع کرنے کی جانب وہ ہمیشہ توجہ دہانی کرواتے رہے، ساتھ ہی استاد محترم پروفیسر محمد خالد مبشر الظفر (ڈائرکٹر ڈائرکٹوریٹ آف

ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز وسابق صدر شعبہ ترجمہ) کا بھی شکر گذار ہوں کہ وہ مقالہ کی تکمیل کے لیے حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ ڈاکٹر کہکشاں لطیف صاحبہ (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ ترجمہ) کا بھی بیحد شکر گذار ہوں کہ انہوں نے بھی مفید مشوروں کے ساتھ میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

اس موقع پر اپنے بڑے ہی مشفق اساتذہ پروفیسر محمد ظفرالدین، مرحوم (سابق صدر شعبہ ترجمہ وڈائرکٹر آف ڈی ٹی پی) اور ڈاکٹر محمد جنید ذاکر صاحب مرحوم، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ ترجمہ کی یاد آتی ہے جن کی محبتیں، شفقتیں اور علمی رہنمائی ہم سب طلبا واسکالرس کو ہمیشہ حاصل رہیں، اور اس مقالے کی تکمیل میں بھی ان اساتذہ کی حوصلہ افزائی شامل ہے۔ اگرچہ اب وہ ہمارے درمیان نہیں رہے لیکن ان کی یادیں ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں گی، دعا ہے کہ اللہ رب العزت ان دونوں کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

اس موقعہ پر میرے بڑے خیر خواہ اور قریبی عزیز ڈاکٹر طلحہ فرحان صاحب (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی مانو) کا بہت مشکور ہوں جنہوں نے موضوع سے متعلق اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا، حوصلہ افزائی فرمائی۔ یونیورسٹی کے ان تمام اساتذہ کرام کے علاوہ ان تمام اساتذہ کرام کا بہت ہی زیادہ مشکور ہوں جنہوں نے مجھے پڑھنا، بولنا اور لکھنا سکھایا۔ اور موقعہ بہ موقعہ اپنی نیک دعاؤں سے نوازا۔

اپنے تمام احباب اور ساتھیوں کا مشکور ہوں جنہوں نے ہر گام وہر گھڑی حوصلہ افزائی کی اور مختلف مواقع پر اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازا۔ بیحد قریبی احباب میں ڈاکٹر جرار احمد (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ تعلیم وتربیت مانو حیدرآباد) کا بہت زیادہ شکر گذار ہوں جو مقالہ کی تکمیل اور جمع کرنے میں ہر گام ساتھ رہے۔ اپنے عزیز ترین دوست جناب ڈاکٹر محمد طارق کا نہایت ہی مشکور ہوں کہ انہوں نے مقالے کی تیاری میں ہر گھڑی اپنے علمی وتحقیقی مشوروں سے نوازا۔ اپنے قریبی استاد جناب ڈاکٹر محمد رفیق قاسمی اور ڈاکٹر افروز ظہیر (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ تعلیم وتربیت، مانو، دربھنگہ)، ڈاکٹر دلشاد احمد، ڈاکٹر نعمان، ڈاکٹر عمر (پی ایچ ڈی، فارسی، الہ آباد یونیورسٹی)، اشرف ضیاء وغیر ہم کا شکر گذار ہوں کہ ان نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی اور ہر مشکل گھڑی میں ساتھ رہے۔

اپنی اعلیٰ تعلیم کی تکمیل میں اپنے والدین کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں، کم ہے۔مجھے اچھی طرح سے معلوم ہے کہ میرے والدین نے میری تعلیم کے لیے کتنی قربانیاں دیں اور کس قدر مشقتیں اٹھائیں۔ان کے ان احسانات اور قربانیوں کے لیے شکریہ کا لفظ بے معنی محسوس ہوتا ہے۔آج میں جو کچھ بھی ہوں ان کی دعاؤں اور نیک خواہشات کا ثمرہ ہے۔اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کہ ذات باری تعالیٰ ان کا دستِ شفقت میرے سر پر تادیر قائم ودائم رکھے اور انہیں صحت و تندرسی عطا کرے۔

میں اپنے بھائیوں اور بہنوں کا بھی ممنون ومشکور ہوں کہ ان کی بے پناہ محبتوں کے باعث میں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی،اس موقعہ پر اپنی مرحومہ دادی جان کو نہیں بھلا سکتا کہ جب تک رہیں ہمیشہ پڑھنے کی طرف راغب کرتی رہیں،ان کا دستِ شفقت گھر میں مجھ پر سب سے زیادہ دراز رہا۔بلا کی نڈر اور اولوالعزم خاتون تھیں،ہمیشہ ہم لوگوں کے اندر جوش وجذبہ کو پروان چڑھاتی تھیں، حق تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے۔اہل خانہ میں بڑے ابو، چچا وغیرہ بالخصوص اپنے بڑے ابو جناب قاری محمد سالم (استاد وصدر شعبہ حفظ، مدرستہ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ) کا ہمیشہ شکر گذار رہوں گا جن کی ابتدائی نگرانی وسرپرستی کے باعث میں اس لائق ہوا۔شکریے کے اس مرحلے میں اپنی شریک حیات درخشاں انجم کا بھی دل کی عمیق گہرائیوں سے مشکور وممنوں ہوں جن کی رفاقت ومعاونت ہمیشہ شامل حال رہی اور مقالہ کی تکمیل کے لیے ہر گام حوصلہ افزائی کرتی رہیں۔اللہ انہیں صدا خوش رکھے۔

والسلام

محمد عدنان

تعارف مقالہ

ازل سے ہی انسان زندگی کے ہر شعبے میں تزئین وتحسین کا طالب رہا ہے۔ادب کو بالعموم طرزِ زندگی اور طرزِ رہائش سے تعبیر کیا جاتا ہے؛ لیکن جب زبان کے حوالے سے ادب پر گفتگو کی جاتی ہے تو اس سے زبان و بیان کی شائستگی اور شگفتگی مراد ہوتی ہے۔سادہ لفظوں میں کہا جائے تو منتخب الفاظ کے ذریعے خوبصورت و موثر انداز میں مافی الضمیر کی ادائیگی کا نام ''ادب'' ہے۔ادب بنی نوع انسان کے اخلاقی چہرہ کے حسن اور انسانی زبان کی زینت کا نام ہے۔ کسی بھی زبان کا ادب اس کی تہذیب وثقافت کا بہترین آئینہ دار ہوتا ہے اور ادب ہی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں کسی قوم کی ثقافت، تہذیب وتمدن ،اس کے اخلاق ، حالات کی کیفیت، اس کا معیار اور معاشرتی بلندی یا پستی دیکھی جاسکتی ہے۔

جناب خالد حامدی صاحب ادب کے حوالے سے احمد حسن زیات کی تحریر کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی کتاب ''عربی زبان وادب: ایک تاریخی مطالعہ ''میں کچھ یوں رقم طراز ہیں:

> ''ظہور اسلام سے قبل عربی زبان میں یہ لفظ ضیافت،اور مہمان نوازی کے معنی میں استعمال ہوتا تھا بعد ازاں ایک اور مفہوم اس میں شامل ہوا جسے ہم مجموعی اعتبار سے ''شائستگی''کا نام دے سکتے ہیں۔عربوں کے نزدیک مہمان نوازی لازمۂ شرافت سمجھی جاتی ہے؛ چنانچہ شائستگی،سلیقہ اور حسن سلوک یہ سب ادب کے معنی میں داخل ہوگئے۔ادب کے لفظ میں شائستگی بھی آگئی،اس میں خوش بیانی بھی شامل ہے،اسلام سے قبل خوش بیانی کو''اعلیٰ ادب''کہا جاتا تھا، چنانچہ گھلاوٹ، گداز، شیریں بیانی، نرمی اور شائستگی یہ سب ادب کا جزو بن گئیں''۔[1]

علامہ ابن منظور افریقی نے لسان العرب میں کچھ یوں لکھا ہے:

---

[1] عربی زبان وادب: ایک تاریخی مطالعہ، خالد حامدی، صفحہ نمبر 14

''الآدِب، الداعي الى الطعام''یعنی کھانے پر بلانے والاآدِب کہلاتا ہے''۔[2]

عربی لغت المنجد کے مطابق ادب کی تعریف یہ ہے:

هو علم يحترز به من الخلل في كلام العرب لفظاً وكتابةً

(علم ادب وہ علم ہے جس کے ذریعہ انسان کلام عرب میں لفظی اور تحریری غلطی سے بچ سکے)۔[3]

استاذ احمد حسن زیات نے تاریخ ادب عربی میں ادب کے متعلق علمائے عرب کے خیالات کا یوں ذکر کیا ہے:

''یہ ان تمام علوم و معارف اور جملہ معلومات پر حاوی ہے جو انسان تعلیم وتدریس کے ذریعہ حاصل کرتا ہے اور اس میں صرف ونحو،علوم وبلاغت، شعر ونثر،امثال وحکم،تاریخ وفلسفہ،سیاسیات واجتماعیات سب ہی شامل ہیں''۔[4]

مولانا محمد بدر عالم قاسمی نے دیوان حماسہ کی اردو شرح مفتاح الفراسۃ کے مقدمہ میں اس پر بحث کرتے ہوئے کچھ یوں لکھا ہے:

علم ادب وہ علم ہے جس کی نگہ داشت، حدود اور رعایت کرنے سے آدمی اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے میں لفظی، معنوی اور تحریری غلطیوں سے بچ سکے۔[5]

مختصراً کہا جائے تو انسان کے تخیلات،افکار وخیالات، جذبات واحساسات کا شائستگی، درستگی، جدت طرازی اور حسنِ ادا کا لفظی اظہار کیا جائے تو''ادب''وجود میں آتا ہے۔ادب میں الفاظ کا در وبست اور افکار کی ترتیب و تنظیم اس طرح ہم آمیز ہو جاتی ہے کہ پڑھنے والے اور سننے والے احساس مسرت سے شاد کام ہو جاتے ہیں۔

ادب کی ضرورت واہمیت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ ایسے شگفتہ وشائستہ انداز میں بولے اور بات کرے کہ اس کی بات دوسروں تک صحیح اور مؤثر طریقے سے پہنچ سکے اور سامعین و قارئین تک تقریر و تحریر کی بخوبی رسائی ہو سکے۔اقوام عالم کی حیات میں ادب کی اہمیت وضرورت

---

[2] لسان العرب، ج1، ص93

[3] المنجد، ص5

[4] تاریخ ادبِ عربی، استاذ احمد حسن زیات، مترجم: عبدالرحمٰن طاہر سورتی، ص19

[5] مفتاح الفراسۃ ص15

ہمیشہ سے مسلم رہی ہے کیوں کہ زبان اور اس میں موجود علمی سرمایہ کی پاسبانی عقل انسانی کی کاوشوں سے حاصل ہوتی ہے، اسی پر کسی بھی قوم کی وحدت، سربلندی اور افتخار کا انحصار ہوتا ہے۔ اگر کوئی قوم اپنے موروثی ادبی و علمی سرمائے سے محروم کر دی جائے تو اس کی وحدت باقی نہیں رہتی اور وہ قوم فکری غلامی کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس لیے کسی بھی قوم کے علمی و ادبی سرمائے کی حفاظت خود اس قوم کے باشعور افراد کے ہاتھوں ہی ہوتی ہے، ان کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے اس موروثی سرمائے کو اپنی زبان میں مستقل طور پر محفوظ رکھیں۔

عربی ادب کی ضرورت واہمیت کا اندازہ امام شافعیؒ کے اس قول سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے، وہ کہتے ہیں:

> ''میں نے صرف فقہ سے مدد حاصل کرنے کے لیے بیس سال تک عربی لغت وادب کا علم حاصل کیا''۔[6]

جس تیز رفتاری سے زمانہ اپنی تابناکیوں کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے اسی تیزی سے علوم وفنون کے نئے نئے وسائل وذرائع دستیاب ہوتے جا رہے ہیں۔ انٹرنیٹ کی ایجاد نے ایک طرف دنیا کو عالمی گاؤں میں تبدیل کر دیا ہے تو دوسری طرف اس کے نتیجے میں تہذیبی و ثقافتی اور لسانی تعامل میں تیزی پیدا ہوئی ہے۔ زبانوں اور تہذیبوں کی سرحدیں مٹتی جا رہی ہیں۔ ایسے ماحول میں ذولسانی یا کثیر لسانی افراد کی طلب میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ تعلیمی، معاشی، اقتصادی اور تفریحی ضروریات کے نقطۂ نظر سے تراجم کی اہمیت روز افزوں بڑھتی جا رہی ہے۔ ایسے افراد کی مارکیٹ ویلیو میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے جو ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمے کی ذمہ داری کو ادا کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔

زیر نظر مقالہ ''عربی ادب کی کتابوں کے اردو تراجم: ایک جائزہ'' کے عنوان پر ایک تحقیقی کام کا نتیجہ ہے۔ جب ہم اس موضوع پر غور کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ عربی ادب میں تصنیف کردہ ایسی کتابوں کی تعداد بہت کثیر ہے جن کو اردو زبان کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ گرچہ ایک متعین مدتی سندی مقالے میں ان سب کا استقصاء دشوار گزار امر ہے؛ لیکن اس کے باوجود اس بات کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ عربی ادب کی اردو

---

[6] ایضا

میں ترجمہ کردہ زیادہ سے زیادہ کتابوں کو جمع کیا جاسکے تاکہ اردو ادب کے قارئین کو بتوسط ترجمہ ہی سہی عربی ادب کے استفادے کا موقع ملے، ان کے ذوق کی تسکین کا سامان میسر آئے، انھیں ایک ایسا پلیٹ فارم مل جائے جہاں سے انھیں عربی ادب کے اردو تراجم کی راویت اور اس کی تاریخ کا علم ہو سکے۔

زیر نظر مقالہ درج ذیل ابواب پر مشتمل ہے:

تعارف مقالہ:

باب اول: عربی ادب: ایک تعارف

باب دوم: اردو میں عربی ادب کے ترجمے کی روایت

باب سوم: اردو زبان وادب میں نثری عربی ادب کے تراجم کا جائزہ

باب چہارم: اردو زبان وادب میں شعری عربی ادب کے تراجم کا جائزہ

باب پنجم: اردو زبان وادب پر عربی ادب کے تراجم کے اثرات

اختتامیہ:

باب اول کے تحت اولاً ''ادب'' پر گفتگو کرتے ہوئے اس کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس میں: لفظ ادب کی لغوی واصطلاحی تعریف، ادب کی ضرورت واہمیت اور عربی ادب کے آغاز وارتقاء کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی کے تحت عربی ادب کی تاریخ کو بہ اعتبارِ زمانی (عہد جاہلی، عہد ما قبل اسلام، عہد اسلامی، عہد اموی، عہد عباسی، عہد عثمانی اور عہد تنزل وانحطاط) پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جدید منظر نامہ (جو نپولین کے مصر پر 1798 کے حملے کے بعد شروع ہوتا ہے) کا بھی اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے

۔

قدیم عربی ادب کے بہ اعتبار زمانہ ادوار کی تقسیم میں پہلا دور پانچویں صدی عیسوی کے وسط سے شروع ہو کر 610ء میں ختم ہوتا ہے۔ اس دور کی مشہور ترین تخلیقات سات طویل نظمیں ہیں۔ جاہلی دور کے مقبول شعرا میں امراؤالقیس، طرفہ، زہیر ابن ابی سلمی، لبید، عمرو بن کلثوم، حارث بن حلّزہ، عنترہ بن شدّاد اور دیگر

کے نام شامل تھے۔اس دور کا سرا ظہور اسلام سے صرف ڈیڑھ سو برس قبل تک ملتا ہے اس سے پہلے کے کوئی آثار نہیں ملتے۔

عربی ادب کے ضمن میں قدیم ادب اور جدید ادب پر گفتگو کی گئی ہے۔قدیم عربی ادب کی حد بندی ظہورِ اسلام اور ما قبل ہجرت نبوی سے نپولین کے مصر پر حملے اور محمد علی پاشا کے عہد حکومت سے پہلے تک کی گئی ہے، جس میں اس دور کے سات معروف و مشہور شعراء کے معلقات جنہیں سبعہ معلقات کہا جاتا ہے، کا ذکر کیا گیا ہے۔قدیم عربی ادب کا سب سے بڑا شاعر کون ہے؟ اس سلسلے میں ماہرین ادب اور ناقدین ادب کی آرا مختلف ہیں۔خالد حامدی نے اپنی کتاب ''عربی زبان وادب: ایک تاریخی مطالعہ''میں لکھا ہے:

> اشعر الشعراء خمسة: زهير اذا رغِب والنابغة اذا رهِبَ و الاعشى اذا طرِبَ و عنترة اذا غضِبَ وامرؤا القيس اذا ركِبَ او عشِقَ۔
>
> (بہترین شعراء پانچ ہیں: زہیرؔ جب وہ کسی سے خوش ہو، نابغہؔ جب وہ کسی سے خائف ہو، اعشیؔ جب داد و دہش وغیرہ کی بدولت خوشی ومسرت سے ہمکنار ہو، عنترہؔ جب کہ وہ غضبناک ہو اور امرؤالقیسؔ جب کہ وہ شہسوار ہو یا سر مستی عشق میں سرشار ہو)۔[7]

مذکورہ بالا اقتباس میں کسی کو کسی پر فوقیت نہیں دی گئی ہے بلکہ ہر شاعر کے مخصوص میدان کی نشاندہی کی گئی ہے جس میں وہ قارئین کو اپنی زبان دانی اور عربیت پر مہمیز کرتے ہیں۔ ہم بخوبی یہ جانتے ہیں کہ ہر انسان کی پسند اور ناپسند کا معیار مختلف ہوتا ہے۔اس لیے ادب کے قارئین اپنے ذوق کے مطابق شعراء وادباء کے کلام اور ادب پارے کا انتخاب کرتے ہیں اور اپنے ذوق کے بناء پر پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو قدیم شعرا میں امرؤالقیس کو بہت زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ محمد کاظم نے اپنی کتاب''عربی ادب میں مطالعے''میں یوں نقل کیا ہے:

> ''امرؤالقیس کا تعلق دور جاہلیت سے ہے، وہ نہ صرف اس دور کا سب سے بڑا اور صاحب اسلوب شاعر

---

[7] عربی زبان وادب: ایک تاریخی مطالعہ، خالد حامدی، ص159-160

ہے بلکہ عربی زبان کی پوری شعری روایت میں اسے ابوالشعراء کا مرتبہ حاصل ہے"۔[8]

جدید عربی ادب کی ابتداء ایک طرح سے فکری، معاشرتی، ثقافتی تحریک کے طور پر ہوئی۔ شدیاق، طٰہ حسین، عباس محمود العقاد، المازنی اور نجیف محفوظ وغیرہ جیسے معروف و مشہور ادباء نے اس کی ڈور باگ سنبھالی اور اسے خوب سے خوب تر کی طرف پروان چڑھایا۔ ان کے علاوہ شام کے ابوریشہ، مغرب کے شاعر علال الفاسی، المعداوی، الشابی اور دوسروں نے اپنی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ مذکورہ شعراء کی ادبی تحریکات سے ثقافتی ڈھانچا تیار ہوا، نیز اس تحریک سے ترجمہ، طباعت، صحافت وغیرہ جیسی تحریکات کو بھی جلا ملی۔ جدید عربی ادب کا وجود یا اس کی تخلیق قدیم تہذیبی ورثے کے احیاء اور مغربی ادب کے عربی زبان میں تراجم سے ہوا، جس کا آغاز 19ویں سے یوں ہوا کہ عربی زبان کے ماہرین نے عربی ادب کے قدیم نمونوں سے دنیا کو روشناس کرانے کی کوشش کی اور ان کی یہی کوشش جدید عربی ادب کی بنیاد بنی۔

دیکھا جائے تو جدید عربی ادب کا وجود ایک معجزے سے کم نہیں ہے ؛ کیوں کہ عصر عباسی کے بعد صدیوں تک عربی زبان بے جان سی ہوگئی تھی اور صنائع وبدائع کی کثرت نے اس سے زندگی کا رنگ وروغن پھیکا کر دیا تھا۔ لیکن دور جدید نے اس کے اوراق کو پلٹا اور اسے نئی توانائی بخشی۔ فرانسیسی اور انگریزی ادب سے اس کے جسم میں تازہ خون داخل ہوا جس سے جدید عربی ادب و شاعری کو نئی کشش و رعنائی حاصل ہوئی۔

سید احتشام احمد ندوی نے جدید عربی ادب کی تاریخ کے مقدمہ میں لکھا ہے:

"جدید اصناف ادب نہ صرف عربی زبان میں داخل ہوئیں بلکہ ان کا ارتقاء اتنی تیزی کے ساتھ اوجِ کمال پر پہنچا کہ عربی ادب پھر ایک بار اہمیت و عظمت کا حامل بن گیا اور جدید ڈرامہ نگاروں اور قصہ نویسوں کے بہت سے ڈرامے اور قصے اکثر یوروپ کی زبانوں میں ترجمہ کیے گئے"۔[9]

جدید عربی ادب کا یہ دور بھی اب تک دو سو سال کا ہو چکا ہے۔ اس عرصے میں ادبی منظر نامے پر

---

[8] عربی ادب میں مطالعے، مقدمہ

[9] جدید عربی ادب کی تاریخ، سید احتشام احمد ندوی

ابھرنے والے شعراءاور ادباء کی اتنی کثیر تعداد کہ ان کا احاطہ تقریباناممکن ہے۔تاہم چند ایک نام ایسے ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیاجاسکتا۔ان شاعروں میں احمد شوقی،حافظ ابراہیم، خلیل مطران اور ادباء میں،طٰہ حسین،احمد امین،احمد حسن زیات،عباس محمود العقاد،محمد حسین ہیکل،توفیق الحکیم، نجیب محفوظ اور طیب صالح کے نام نمایاں ہیں۔حالیہ شعری منظر نامے پر محمود درویش،القاسم اور نزار قبانی کے نام بہت مقبول ہیں۔

اس باب کے تحت معروف ومشہور شعراءوادباء کے متعلق بھی ایجازاً اہم معلومات پیش کی گئی ہیں تاکہ اردو کا قاری بھی ان سے باخبر ہوسکے۔ادباء و شعراء کے تذکرے میں کسی خاص مناسبت کو پیش نظر نہیں رکھا گیا ہے،اس انتخاب میں عین ممکن ہے کہ کچھ خاص اور اہم شاعر یا ادیب کا نام چھوٹ گیا ہو، لہذا اگر ممکن ہو تو اس کی طرف توجہ دلائیں یا آئندہ تحقیق کے لیے ایک راہ سمجھیں۔

ادباء وشعراء کے تعارف میں مختصر حالات زندگی بیان کی گئی ہے اور علمی وادبی خدمات مع مثال بیان کی گئی ہیں۔ اس طرز بیان کی جھلک ملاحظہ ہو:

امرؤالقیس کے بارے میں کہاجاتاہے کہ وہ غیر معمولی شاعرانہ قوت کا حامل تھا،اس کو رئیس الشعراء جیسے لقب سے بھی نوازا گیا۔اس نے قصیدے، غزل گوئی وغیرہ بہت عمدہ اشعار کہے ہیں جن کو پڑھنے کے بعد اشعار میں متنوع مضامین، حسن بیان، دقت معانی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔مثال کے طور پر اپنی محبوبہ عنیزہ پر کہے اشعار ملاحظہ ہوں:

مهفهفة بيضاء غير مفاضة　　ترائبها مقصولة كالسجنجل

وجيد كجيد الرئم ليس بفاحش　　اذا هی نصته ولا بمعطل

یعنی وہ گوری چٹی ہے،اس کی کمر پتلی ہے،اس کا پیٹ ڈھیلا ڈھالا باہر کو نکلا ہوا نہیں ہے اور ہار پہننے کی جگہ (حلق اور سینہ کے درمیان کا حصہ) آئینہ کی طرح چمکدار اور چکنا ہے۔

اور اس کی گردن (خوبصورتی میں) ہرنی کی گردن کی طرح ہے۔جب وہ گردن اٹھا کر دیکھتی ہے تو نہ بری لگتی ہے اور نہ زیور سے خالی معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح اس باب میں تقریباً بیس شعراء وادباء کے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

باب دوم:

اس باب میں اردو میں عربی ادب کے ترجمے کے آغاز کے متعلق گفتگو کی گئی ہے جس میں ابتداءً اردو میں ترجمے کی روایت، اردو میں ادبی ترجمے کی کی روایت، اردو میں عربی ادب کے ترجمے کی روایت اور اخیر میں ادبی ترجمہ: اصول و نظریات کو پیش کیا گیا ہے۔

ترجمہ کی روایت میں فورٹ ولیم کالج، جامعہ عثمانیہ، انجمن ترقی اردو اور روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی وغیرہ کو شامل بحث کیا گیا ہے۔ تراجم اور مترجمین کے متعلق ماہرین کے اقوال کو نقل کیا گیا ہے۔ ان اقوال کو نقل کرنے کی منشاء یہ ہے کہ تراجم کو ثانوی حیثیت دینے والے اہل علم کے سامنے ایسا ایک زاویہ رکھا جاسکے جس سے انھیں اس کی قدر و قیمت کو سمجھنے کا موقع مل سکے۔ میخائیل نعیمہ مترجم کے متعلق رقم طراز ہیں:

> "مترجم ہمارے اور اس عظیم انسانی خاندان کے درمیان رابطے کا ایک ذریعہ ہے، وہ زبان کے پردوں میں چھپے ہوئے عظیم اذہان اور قلوب کے رازوں کو ہم پر وا کرتا ہے، ایک محدود اور تنگ دنیا سے نکال کر وسیع عالم تک لے آتا ہے اور پھر اسی عالم کے افکار، آرزوئیں، غم اور خوشیاں ہماری اپنی بن جاتی ہیں"۔[10]

عربی ادب کے اردو تراجم کے ضمن میں دیکھا جائے تو ہندوستانی مدارس نے اس باب میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ داخل نصاب عربی ادب کی کتابوں کے متعدد اردو تراجم مختلف ادوار میں حسب ضرورت ترجمہ کئے گئے جن کی مدد سے نہ صرف طلبہ مدارس بلکہ دوسرے اہل ذوق حضرات کو عربی ادب سے شناسائی کا موقع ملا۔ اہل مدارس نے نصابی کتابوں کے علاوہ عربی ادب کے دیگر شاہکار بالخصوص احمد امین، طہ حسین، مصطفی المنفلوطی وغیرہ کے ادبی فن پاروں کی طرف خصوصی توجہ دی۔ ان تراجم نے اردو زبان وادب کو خوب خوب سیراب کیا۔ اردو زبان کی ثروت مندی میں ان تراجم کا بہت اہم رول رہا ہے۔

---

[10] عربی ادبیات کے اردو تراجم، مقدمہ

اس باب کا ایک اہم ذیلی عنوان ''ادبی ترجمہ: اصول و نظریات'' ہے۔ یوں تو یہ مقالہ کا ایک ذیلی باب ہے لیکن در حقیقت یہ عنوان علاحدہ باب بلکہ علاحدہ تحقیقی مقالے کا متقاضی ہے۔ یہاں اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فن ترجمہ کے اصول و قواعد اور طریقہ کار کے حوالے سے ناقدین اور ماہر مترجمین کے نقطہائے نظر کو اختصار کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ نیز اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اس سلسلے میں کچھ بنیادی اصول درج کئے جائیں۔ اس ضمن میں سید باقر حسین، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری اور ڈاکٹر امتیاز احمد وغیرہ کے بیان کردہ اصولِ ترجمہ کو درج کیا گیا ہے۔ ادبی ترجمہ اور ادب کے مترجمین کے متعلق ڈاکٹر امتیاز احمد یوں رقم کرتے ہیں:

> '' اگر کوئی مترجم ادب کی قدروں اور ادب و زندگی کے گہرے رشتوں سے ناواقف ہے تو وہ اس ادب کی زیریں سطح کو دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا جس کا وہ ترجمہ کر رہا ہے اور نہ ہی وہ اس ادب کی اصل روح تک رسائی حاصل کر سکے گا۔ اس لیے ایک اچھے ترجمہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں زبانوں کے الفاظ، محاورے اور تراکیب پر اپنی گہری نظر رکھے''۔[11]

نیز اس باب میں فرانسیسی شاعر اور مترجم ڈولیٹ ایٹن کے وضع کردہ ادبی ترجمہ کے اصول و قواعد کو بھی درج کیا گیا ہے۔

باب سوم:

اس باب میں اردو میں نثری عربی ادب کے تراجم کا جائزہ لیا گیا ہے۔ نثری ادب کی تلاش و تحقیق کے دوران یہ دیکھنے کو ملا کہ ایک ہی کتاب کے کئی کئی ہم ترجمے موجود ہیں۔ جمع مواد میں ہم ترجمے سے بھی اعتناء کیا گیا ہے اور من جملہ ۸۰ کتابیں اس فہرست میں شامل ہیں۔ اس باب میں شامل کردہ کتابوں میں معتد بہ تعداد عربی ادب کی ان کتابوں کی بھی ہے جو نصاب درس نظامی کا حصہ ہیں یا کبھی اس کا حصہ رہی ہیں۔ ان میں مقامات حریری، نفحۃ العرب اور مختارات وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دیگر کتب کے مقابلے میں شامل نصاب کتابوں کے ہم تراجم زیادہ ہوئے ہیں جیسے صرف مقامات حریری کے 10 تراجم دستیاب ہوئے ہیں۔

یہاں ایک بات کا ذکر ضروری ہے کہ نصابی تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جو تراجم کئے گئے ہیں ان

---

[11] مضمون، اردو میں ادبی ترجمہ کی روایت، ڈاکٹر امتیاز احمد

میں بہت سے تراجم ایسے بھی ہیں جو ترجمے کے ساتھ ساتھ شرح کی بھی حیثیت رکھتے ہیں۔ایسے تراجم میں کہیں کہیں قوسین کا استعمال کیا گیا ہے لیکن اس کا کوئی خاص التزام نہیں کیا ہے۔

عربی سے اردو میں ترجمہ کردہ کتابوں کے جائزہ میں عربی متن اور پھر اس کا ترجمہ تحریر کیا گیا ہے، عنوان مقالہ کے بموجب تقابل سے احتراز برتا گیا ہے۔اس باب میں اختیار کردہ طریقہ کار کا اندازہ درج ذیل مثال سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

ابن الحسن عباسی کا ترجمہ ''درس مقامات'' مقامات حریری کے ابتدائی دس مقاموں کی جدید شرح ہے، جو سلیس ترجمہ، الفاظ کی لغوی تحقیق، ان کے جدید اصطلاحی معانی، اشعار کی ترکیب اور ہر مقامہ کے خلاصہ کے ساتھ ساتھ لغوی نوادرات، امثال وحکایات اور ادبی لطائف پر مشتمل ہے۔مترجم نے دوران ترجمہ اگر کسی قسم کی ضرورت محسوس کی تو وہاں قوسین کے اندر تھوڑی بہت وضاحت بھی کر دی ہے۔

''واستسرَّ عنى حيناً، لاأعرف له عريناً، ولا أجدُ عنه مُبِيناً، فلمّا أبتُ مِن غُربتى، إلى مَنبِتِ شُعبَتى،حَضَرْتُ دَارَ كتُبِها التى هِىَ مُنتَدَى المتأدِّبين، ومُلْتقى القاطِنينَ مِنهم والمُتَغرِّبين، فدَخلَ ذُولِحيةٍ كثَّةٍ، وهيئَةٍ رَثّةٍ، فسلّم على الجلاّسِ، وجَلَسَ فى أخْرَيَاتِ النّاسِ۔

ترجمہ: وہ مجھ سے ایک زمانہ تک بالکل چھپا رہا، میں اس کا ٹھکانہ نہیں جانتا تھا اور نہیں پاتا تھا اس کے بارے میں کسی ظاہر کرنے (اور بتلانے) والے کو، چنانچہ جب میں لوٹ آیا اپنے سفر سے اپنی شاخ (قرابت) کے اگنے کی جگہ طرف (یعنی اپنے وطن اصلی کی طرف) تو میں اس کے اس کتب خانہ میں حاضر ہوا جب ادیبوں کے جمع ہونے کی جگہ اور ان میں سے مقیم، مسافر لوگوں کی ملاقات گاہ تھا تو ایک گھنی داڑھی اور بوسیدہ حالت والا شخص داخل ہوا، اس نے بیٹھنے والوں پر سلام کیا اور لوگوں کے پیچھے بیٹھ گیا۔[12]

درج بالا ترجمہ میں اردو ترجمہ میں بہت حد تک لفظی ترجمہ کی رعایت کی گئی ہے لیکن لفظی ترجمہ کے اندر بھی بڑی خوبی یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کی قرأت میں روانی اور معنی ومفہوم واضح ہیں، نیز بوقت ضرورت قوسین میں

---

[12] درس مقامات، ص،108

مطلوب وضاحت کو درج کر کے ترجمہ لائق فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے، مترجم کا یہ طریقہ ترجمہ نگاری کے وقت کسی بات کی وضاحت کے لیے اپنایا جاتا ہے۔

ساتھ ہی دوسری کتبِ عربی ادب جیسے طٰہٰ حسین کی کتاب "الوعدالحق" جس کا اردو ترجمہ عبدالمجید حریری نے "وعدہ برحق"، اور معراج محمد بارق نے "خدائی وعدہ" کے نام سے اردو میں ترجمے کیا ہے، کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کتاب کی ابتداء میں ہی مترجم نے دوران ترجمہ اپنائے گئے امور کا مختصر تذکرہ کیا ہے:

- ممکنہ حد تک اردو ترجمہ کو اصل کے قریب تر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- مختلف مقامات پر مترادفات کے ضمن میں قدرے تصرف سے کام لیا گیا ہے۔
- ضرب الامثال و محاورات کو بعض مقامات پر مقامی رنگ دینے کی سعی کی گئی ہے۔
- اردو میں مستعمل تشبیہات سے کام لیا گیا ہے، اور بعض کو حذف کیا گیا ہے تاکہ جھول نہ پیدا ہو سکے۔
- معزز شخصیات کے لیے واحد غائب کا ہی صیغہ استعمال کیا گیا اور بعض جگہ اس کے برخلاف۔

ذیل میں اس کتاب سے ایک مثال درج کی جاتی ہے۔

وأقام یاسرماشاءالله أن یُقیم ضیفًاعلی حلیفه أبي حذیفة، یغدوإلی المسجد مصبحًا فیقول لقریش ویسمع منهم، ویروح إلی الداربعدَ أن تزول الشمس،فلایقیم فیهاإلاریثمایصیب شیئًامن طعام وراحة،ثم یخرج في مشي في الأسواق،ویتعرفأمرالناس،ویلتمس أسباب الرزق؛حتی إذایسرتْ له الوسائل للعم لوالکسب أراد أن یتحول إلی دار۔[13]

ترجمہ: اس کے بعد یاسر کافی عرصہ ابوحذیفہ کا مہمان رہا۔ وہ ہر روز صبح مسجد جاتا اور وہاں قریش کے لوگوں سے باتیں کرتا، پھر سورج ڈھلنے پر گھر آتا اور کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کرتا۔ اس کے بعد بازار کی طرف نکل جاتا۔ وہاں لوگوں سے ملتا، ان کے حالات معلوم کرتا اور روزی کا ذریعہ تلاش کرتا۔ آخر جب اس کا کام کاج لگ گیا اور کمائی خاصی ہونے لگی تو اس نے اپنے ذاتی گھر میں منتقل ہونے ارادہ کیا۔[14]

[13] الوعدالحق، ص11
[14] خدائی وعدہ، ص29

مذکورہ بالا ترجمہ پر جب نظر کرتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ممکنہ حد تک مذکورہ امور کی رعایت کی گئی ہے جیسے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اردو ترجمہ کو اصل کے قریب لانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔

باب چہارم:

اس باب میں اردو میں عربی کے شعری ادب کے تراجم کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس میں بالخصوص دیوان المتنبی، دیوان الحماسۃ اور سبعہ معلقہ کے مجموعی طور پر تقریباً 20 اردو تراجم وشروحات کی فہرست تیار کی گئی ہے اور پھر دستیاب تراجم کا جائزہ لیا گیا ہے۔ فہرست میں کچھ ایسے تراجم بھی درج ہیں کے نسخے باوجود کوشش بسیار کے دستیاب نہیں ہو سکے۔

جیسا کہ ہم جاتے ہیں کہ عربی ادب کی پہلی شکل عربی شاعری ہے۔ماہرین عربی ادب نے اس کی مختلف تعریفات کی ہیں، مشہور ومعروف محقق وادیب قدامہ کا کہنا ہے کہ ''إنہ قول موزون مقفی یدل علی معنی''(یعنی شعر ایسا باوزن وقافیہ قول ہے جس کسی معنی پر دلالت کرے)۔

عربی زبان وادب کی شعری کتب کے اردو تراجم کے ضمن میں یہ دیکھا گیا ہے کہ بہت حد تک نصابی کتابوں کو طالب علموں کی درسی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے انجام دیئے گئے ہیں۔ جیسے دیوان المتنبی، دیوان الحماسۃ، سبعہ معلقات وغیرہ کے مختلف اردو تراجم کو دیکھا جاسکتا ہے۔دیوان المتنبی درس نظامی کے عربی ادب کے نصاب میں داخل ہے، جو کافی عرصے سے پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔اس کتاب میں تقریباً پانچ ہزار سے اشعار درج ہیں۔ متنبی کا دیوان عربی ادب کا ایک ایسا ادبی شہ پارہ ہے جس میں محاورات، تشبیہات، استعارے، کنایے وغیرہ ارکان بڑی عمدگی سے برتے گئے ہیں۔دیوان المتنبی ضخیم ہونے کے باعث بعد کے اساتذہ، مترجم و شارحین نے عمدہ منتخب قصیدوں کی ایک علیحدہ کتاب تیار کی ہے تاکہ طالب علموں صحیح تربیت کے ساتھ ان پر زیادہ بھاری اور گراں نہ گذرے۔دیوان المتنبی اور منتخب قصائد کی مختلف شروحات اور تراجم کیے گئے ہیں۔

اسیر ادروی کی دیوان المتنبی کی اردو شرح بہت ہی عمدہ اور لائق فائق کتاب ہے۔ جو نہایت آسان اور سہل زبان میں تیار کی گئی ہے۔ان کے کچھ تراجم پر نظر کرتے ہیں۔ جس میں مترجم وشارح کے طریقہ کار اندازہ لگایا جاسکے۔

هبت النكاح حذار نسل مثلها حتى وفرت على النساء بناتها

فاليوم صرت الى الذى لو انہ ملک البریۃ لاستقل ھباتھا

ترجمہ: اس طرح کے نسل سے بچنے کے لیے میں نکاح سے ڈرتا رہا یہاں تک کی میں نے عورتوں پر ان کی لڑکیوں کو بڑھادیا۔

یعنی ناکارہ نسل پیدا کرنے سے بہتر میں نے یہی سمجھا کہ شادی ہی نہ کی جائے اور شادی نہ کرنے کی وجہ سے ماؤں کے پاس ان کی بہت سی لڑکیاں بن بیاہی رہ گئیں۔

پس آج میں اس شخص کے پاس ہوں کہ اگر ساری مخلوق کا مالک ہو جائے تو اس کو بھی دینے کو کم ہی سمجھے[15]

یعنی میں آج ایسے فیاض اور سخی شخص کی خدمت میں حاضر ہوں کہ ساری دنیا بھی کسی کو بخش دے تو وہ یہی سمجھے گا کہ ابھی میں نے اس کو کم کر دیا ہے۔

مندرجہ بالا پہلے دو اشعار کے ترجمے پر جب نظر کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ مترجم نے سلیس اور سادہ ترجمہ کی تکنیک کو بروئے کار لاتے ہوئے اسے انجام دیا ہے۔ رعایت لفظی کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ بہت زیادہ الفاظ کے حذف واضافہ سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ طالب علموں کو ذہن میں رکھتے ہوئے موقع کی مناسبت سے تھوڑی بہت وضاحت بھی درج کی گئی ہے۔

باب پنجم:

اس باب میں اردو زبان وادب پر اردو تراجم کے اثرات کو زیر بحث لایا گیا۔ عربی زبان وادب نے اردو زبان کو مختلف النوع جہات سے متاثر کیا ہے۔ اردو زبان کی تعمیر و تشکیل میں مختلف زبانوں کی حصے داری رہی ہے اس لیے ان کے اثرات اردو زبان پر پڑنے لازمی ہیں۔ اردو زبان کا جہاں علاقائی زبانوں سے اختلاط رہا اور جس کے باعث ان زبانوں کے اثرات اردو زبان پر جابجا نظر آتے ہیں، ٹھیک اسی طرح عربی زبان کے ساتھ ابتداء سے ہی اختلاط کے باعث اس کی نشوونما پر کافی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

کوئی بھی زبان دوسری زبانوں کے اثر سے خالی نہیں ہے حتی کہ عربی زبان جسے ام اللغات یعنی زبانوں

---

[15] شرح اردو دیوان المتنبی، نظام الدین اسیر ادروی، ص 319

کی ماں سے موسوم کیا جاتا ہے، دوسری زبان کے اثرات سے خالی نہیں؛ کیوں کہ اس میں سریانی، عبرانی اور دوسری زبانوں کے بہت سے الفاظ پائے جاتے ہیں جسے ماہرین عربی زبان 'معرّب' سے موسوم کرتے ہیں۔ عربی زبان کے دوسرے زبانوں سے متاثر ہونے کی سب سے بڑی دلیل خود قرآن مجید ہے کہ اس میں دوسری زبانوں کے الفاظ بھی شامل ہیں۔

"علامہ جلال الدین سیوطی نے قرآن پاک میں دوسری زبانوں کے الفاظ جو عربی میں داخل ہوئے ہیں، انہیں جمع کیا ہے جن کی تعداد 126 کے قریب ہے۔یہ الفاظ گیارہ زبانوں یعنی حبشی، فارسی، رومی، ہندوستانی، سریانی، عبرانی، نبطی، ترکی بربری اور زنجی سے منقول ہیں"۔[16]

اردو زبان کے وجود میں عربی اور فارسی کا اہم کردار ہے، اس کے متعلق یہ بات مشہور و معروف ہے کہ اردو زبان کا عربی و فارسی سے رضاعت کا رشتہ ہے یعنی اسی سے اخذ و استفادہ کے بعد اردو وجود میں آئی، جس کے اثرات ہمیں جابجا نظر آتے ہیں۔ جب اردو زبان کا عربی سے اس قدر تعلق ہے تو اس پر عربی کے اثرات پڑنا اور اس سے اخذ و استفادہ کا پایا جانا لازم و ملزوم ہے۔ عربی کے اردو پر اثرات کے متعلق ڈاکٹر علیم اشرف جائسی اپنی کتاب "اردو زبان و ادب پر عربی کے اثرات" میں یوں رقم طراز ہیں:

"باوجودیکہ اردو کی نشو و نما میں کئی زبانوں کا دخل رہا ہے لیکن عربی زبان اس میدان میں سب سے آگے ہے۔اردو زبان کی ترویج و ترقی میں سب سے اہم کردار عربی زبان کا ہی رہا ہے۔اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اردو پر فارسی زبان کا واضح اور مضبوط اثر ہے لیکن اس میں بھی عربی کا اثر شامل ہے؛ کیوں کہ فارسی پر عربی زبان کا اثر ہے۔ بلکہ فارسی کی نشو و نما عربی کے گھوارے میں ہوئی، فارسی عربی کے زیر سایہ جوان ہوئی اور اسی کے تعاون سے ترقی کے مراحل طے کیے۔"[17]

اردو زبان پر عربی کے پڑنے والے اثرات کے تحت لسانی، تہذیبی، اسلوبیاتی و موضوعاتی اثرات سے اعتنا کیا گیا ہے اور اسی دائرے کے اندر رہتے ہوئے بحث کی گئی ہے۔

---

[16] الألفاظ القرآنية المعربة الواردة في النص، ص: 169-187

[17] اردو زبان اودب پر عربی کے اثرات، ص 59

لسانی اثرات کے تحت اردو لغات پر گفتگو کی گئی ہے جس میں اردو میں معنوی تبدیلی اور بغیر معنوی تبدیلی کے مستعمل عربی الفاظ، عربی سابقے لاحقے والے الفاظ مع امثلہ بیان کیے گئے ہیں۔

تہذیبی اثرات کے تحت ضرب الامثال، محاورے، تلمیحات، استعارے اور تشبیہات کو مع مثال بیان کیا گیا ہے۔ نیز تہذیبی اثر کے تحت ملبوسات اور اشیاء خورد و نوش پر بھی مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اردو شاعری میں تہذیبی استفادے کی بے شمار مثالیں دیکھنے ملتی ہیں۔ جیسے یہ شعر:

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

رستم کا جگرزیر کفن کانپ رہا ہے

''شیر'' کو بطور استعارہ عربی میں بہادری و شجاعت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے والد ماجد حضرت یعقوبؑ کے بارے میں مرزا غالب کا شعر ہے:

نسیم مصر کو کیا پیر کنعاں کی ہواخواہی

اسے یوسف کے بوئے پیرہن کی آزمائش ہو

مذکورہ شعر میں 'پیر کنعاں' بطور تلمیح مستعمل ہے جس سے مراد یوسفؑ کے والد محترم حضرت یعقوب ہیں۔ مذکورہ تلمیح سے قاری کے سامنے حضرت یعقوبؑ کی پوری داستان اور پورا منظر نامہ بیک وقت سامنے آجاتا ہے؛ کیوں کہ تلمیح کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ ایک مختصر لفظ سے کوئی مشہور واقعہ، قصہ، تاریخی واقعہ چاہے وہ حقیقی یا داستانوی یا مذہبی، اس کا پورا منظر نامہ سامنے آجائے۔ اسی طرح ضرب المثل اور محاورہ کا بھی معاملہ ہے، چونکہ عربی زبان میں ضرب المثل اور محاورہ کے مابین بہت زیادہ فرق نہیں ہے، اس لیے بلا تفریق ان کی مثالوں کو درج کیا گیا ہے۔ چند مثالیں دیکھئے:

المرء يقيس على نفسه (انسان دوسرے کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے)، العاقل تكفيه الإشارة (عقل مند کے لیے اشارہ کافی ہے)، خير الكلام ماقل ودل (بہترین کلام وہ ہے جو مختصر اور مدلل ہو)۔

آخر میں اختتامیہ کے تحت تحقیق کے نتائج بیان کیے گئے ہیں اور مستقبل کے لیے کچھ ضروری

سفارشات بھی پیش کیے گئے ہیں تاکہ اردو میں عربی ترجمے کا کام مزید موثر اور مفید ہو سکے۔

باب اول

عربی ادب: ایک تعارف

ادب کی تعریف

بنی نوعِ انساں کی زندگی ادب کے ساتھ تقریباً زندگی کے ہر شعبہ سے منسلک رہی ہے۔ادب بالعموم طرزِ زندگی اور طرزِ رہائش سے تعبیر کیا جاتاہے لیکن اگر اسے زبان سے جوڑا جائے تو اس کا رشتہ بنی نوعِ انساں کی زبان میں شائستگی ، سلیقہ مندی سے ہے۔بول چال میں لفظوں کے ذریعہ نکھار اور اچھے و مؤثر انداز میں دوسروں تک اپنی بات پہونچانا ہی "ادب" ہے۔ادب بنی نوع انسان کے اخلاقی چہرہ کے حسن اور انسانی زبان کی زینت کا نام ہے کسی بھی زبان کا ادب اس کی تہذیب و ثقافت کا بہترین آئینہ دار ہوتا ہے اور ادب ہی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں کسی قوم کی ثقافت تہذیب و تمدن،اسکے اخلاق،ماحول کا معیار اور اسکے معاشرہ کی سطح کی بلندی یا پستی دیکھی جاسکتی ہے۔

جناب خالد حامدی صاحب ادب کے حوالے سے احمد حسن زیات کی تحریر کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی کتاب "عربی زبان وادب:ایک تاریخی مطالعہ "میں رقم طراز ہیں :

> "ظہور اسلام سے قبل عربی زبان میں یہ لفظ ضیافت،اور مہمان نوازی کے معنی میں استعمال ہوتا تھا بعد ازاں ایک اور مفہوم اس میں شامل ہوا جسے ہم مجموعی اعتبار سے "شائستگی"کا نام دے سکتے ہیں۔عربوں کے نزدیک مہمان نوازی لازمہ شرافت سمجھی جاتی ہے چنانچہ شائستگی،سلیقہ اور حسن سلوک یہ سب ادب کے معنی میں داخل ہوگئے۔ادب کے لفظ میں عاش شائستگی بھی آگئی،اس میں خوش بیانی بھی شامل ہے، اسلام سے قبل خوش بیانی کو "اعلیٰ ادب"کہا جاتا تھا،چنانچہ گھلاوٹ، گداز، شیریں بیانی، نرمی اور شائستگی یہ سب ادب کا جزو بن گئیں"۔[18]

[18] عربی زبان وادب:ایک تاریخی مطالعہ ،خالد حامدی، صفحہ نمبر 14

مذکورہ بالا باتوں سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ دراصل احساسات وجذبات کی ادائیگی چاہے تحریری یا تقریری طور پر ہو، نکھاراور سنوار کر پیش کرنا ہی ادب کہلاتا ہے اور ہم اس نکھارنے اور سنوارنے کو جمالیات، زبان کی شائستگی یا شستگی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ پیرایہ بیان اور شستگی وشائستگی کے ذریعہ ہی کوئی فرد یا شخص اپنی بات مؤثرانداز میں دوسروں تک منتقل کر سکتا ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ جب ادب کا تعلق کسی زبان سے ہوتا ہے تو وہ ادب انسانی افکار وخیالات میں جنم لیتا ہے اور پھر اظہار وبیان کی صورت زبان وتحریر کے ذریعہ وجود میں آتا ہے، اس میں انسانی افکار وخیالات کی بوقلمونیاں اور زبان وبیان پر قوت اہم رول ادا کرتی ہیں۔

ادب کے لغوی معنی:

عربی زبان کے قاعدہ صرف کے اعتبار سے یہ باب کرُم اور باب ضرب دونوں سے آتا ہے، لیکن دونوں کے معانی الگ الگ ہیں، باب کرُم سے جب آئے تو اس کے معنی 'ادب والا ہونا' جس کا مصدر ''اَدَباً'' آتا ہے ،اسم مصدر 'ادیب' جس کی جمع اُدَباء آتی ہے۔ اگر ثانی الذکر آئے تو 'دعوت کا کھانا تیار کرنا، اور دعوت پر مدعو کرنا' کے معنی میں آتا ہے۔ اس سے مصدر ''اَدْباً'' آتی ہے جس سے اسم فاعل 'آدِب' (کھانے پر مدعو کرنے والا) ہوتا ہے۔

علامہ ابن منظور افریقی نے لسان العرب میں کچھ یوں لکھا ہے:

''الآدِب، الداعی الی الطعام'' یعنی کھانے پر بلانے والا آدِب کہلاتا ہے''۔[19]

علاوہ ازیں اگر ہم لفظ 'ادب' کے متعلق عربی کے دوسرے باب کی طرف صرف نظر کریں تو باب استفعال اور باب تفعیل سے ادب سیکھنے اور ادب والا ہونے کے معنی آتا ہے۔ یعنی أدَّبَ تادیباً: کسی کے عادات واخلاق کو سنوارنا، درست کرنا اور اس کی تربیت کرنا۔ نیز اس کا دوسرا معنی [عاقَبہ علیٰ اساءۃ] کسی کو بری

---

[19] لسان العرب، ج1، ص93

بات پر سرزنش کرنا۔

عربی لغت المنجد کے مطابق ادب کی تعریف یہ ملتی ہے کہ:

هو علم يحترز به من الخلل فی كلام العرب لفظاً وكتابةً

(علم ادب وہ علم ہے جس کے ذریعہ انسان کلام عرب میں لفظی اور تحریری غلطی سے بچ سکے)۔[20]

علامہ زبیدی نے اپنے شیخ کے حوالے سے ادب کی کچھ یوں تعریف کی ہے:

''الأدب مَلكة تعصم عمن قامت به عما يشينه''۔

(ادب ایک ایسا ملکہ ہے کہ جس کے ساتھ قائم ہوتا ہے، ہر ناشائستہ بات سے اس کو بچاتا ہے)۔[21]

کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے لکھا ہے کہ:

''الأدب هو حفظ اشعارِ العرب واخبارها والاخذُ من كل علم بطرف''۔

یعنی ادب عربی کے شعار، ان کی تاریخ واخبار کے حفظ اور عربی زبان کے دوسرے علوم سے بقدر ضرورت اخذ کا نام ہے۔[22]

ادب کے اصطلاحی معنی:

در حقیقت ادب اور علم ادب دو علیحدہ لیکن ایک دوسرے کے لیے لازم ملزوم کی حیثیت سے پائے جاتے ہیں۔ادب کے مفہوم کی طرف اگر صرف نظر کی جائے تو یہ بات بالکل واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ادب، علم ادب سے زیادہ اور وسیع معنی میں مستعمل ہے کیوں کہ ادب ایک خاص ملکہ کا نام ہے جس کی بدولت فرد یا شخص اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ اظہار کرتا ہے،اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اگر ادب کا خمیر اطوار وعادات میں رچ بس جائے تو تہذیب کہلائے،انسان کی زبان و بیان بنے تو ادیب سے موسوم ہو،عام عبارت میں آجائے تو نثر

---

[20] المنجد، ص 5

[21] تاج العروس ج 1، ص 144

[22] کشف الظنون، ج 1، ص 57

اور اگر عبارت میں وزن کی صورت اختیار کرلے تو شعر بن جائے لیکن اگر بے آوازوں سے ربط ہو جائے تو موسیقی کہلائے، یہی خاص باتیں جو اسے ممتاز و ممیز کرتی ہیں۔

''ادب'' کے متعلق علماء وماہرین نے مختلف النوع باتیں نقل کی ہیں، پہلے پہل یہ سمجھا جاتا تھا کہ ادب نام ہے ایک آمیزہ کا جس میں زبان سے متعلق جملہ علوم ہوں مثلاً صرف ونحو، معانی وبیان وبدیع، لغت واشتقاق، خط وتحریر، عروض وقافیہ، شعر ونثر وغیرہ۔[23]

صاحب منتہی الادب نے جملہ بارہ علوم کے مجموعہ کو ادب سے موسوم کیا ہے، جس میں علم لغت، علم صرف، علم اشتقاق، علم نحو، علم معانی، علم بیان، علم عروض، علم قافیہ، علم رسم الخط، علم قرض الشعر، علم انشاء، علم محاضرات وغیرہ شامل ہیں۔[24]

شرح مقامات حریری میں ادب کی یہ تعریف کی گئی ہے:

''هو تعلُّمُ رِياضة النفس ومحاسن الأخلاق''

ترجمہ: ادب ریاضت نفس اور بہترین اخلاق کی تعلیم کا نام ہے۔[25]

علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں ادب کے متعلق کچھ یوں رقم طراز ہیں:

''ادب سے مراد زبان کا خلاصہ اور اس کا نچوڑ، نیز اسالیب عرب کے مطابق نظم ونثر میں عمدگی پیدا کرنا۔[26]

مولانا محمد بدر عالم قاسمی نے دیوان حماسہ کی اردو شرح مفتاح الفراستہ کے مقدمہ میں اس پر بحث کرتے ہوئے کچھ یوں لکھا ہے:

علم ادب وہ علم ہے جس کی نگہ داشت، حدود اور رعایت کرنے سے آدمی اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے میں

---

[23] تاریخ ادبِ عربی، استاذ احمد حسن زیات، مترجم: عبدالرحمٰن طاہر سورتی، ص 18

[24] درس مقامات، ابن الحسن عباسی، مقدمۃ العلم، ص 17

[25] شرح مقامات، مقدمۃ العلم، ابوالحسن عباسی، ص 15

[26] مقدمہ ابن خلدون

لفظی، معنوی اور تحریری غلطیوں سے بچ سکے۔[27]

استاذ احمد حسن زیات نے تاریخ ادبِ عربی میں عربی ادب کے متعلق خیالات یوں لکھا ہے:

"یہ ان تمام علوم و معارف اور جملہ معلومات پر حاوی ہے جو انسان تعلیم و تدریس کے ذریعہ حاصل کرتا ہے اور اس میں صرف ونحو، علوم وبلاغت، شعر و نثر، امثال و حکم، تاریخ وفلسفہ، سیاسیات واجتماعیات سب ہی شامل ہیں"۔[28]

نیز اسی کتاب میں ادب کی تعریف یوں بھی نقل ہوئی ہے:

"کسی زبان کے شعراء و مصنفین کا وہ نادر کلام، جس میں نازک خیالات وجذبات کی عکاسی اور باریک معانی ومطالب کی ترجمانی کی گئی ہو، اس زبان کا 'ادب' کہلاتا ہے"۔[29]

مذکورہ بالا تعریفات و توضیحات سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان تمام تعریفات بالخصوص آخر الذکر تعریفات میں طرز ادائیگی اور طریقہ کار کا نقطہ قدر مشترک پایا جاتا ہے۔ لیکن کسی بھی زبان کے ادب کی بات کی جائے تو انسان کے تخیل، فکر و خیال، جذبات واحساسات کے ذریعہ شستہ اور شائستہ طور پر شائستگی و درستگی ، جدت طرازی اور حسنِ ادا کے ساتھ اندرونی آواز کا لفظی اظہار کیا جائے تو "ادب" وجود میں آتا ہے۔ ادب میں الفاظ کی ترتیب، افکار اور احساسات کا اظہار اس طرح کیا جاتا ہے کہ پڑھنے اور سننے والے میں مسرت کا احساس پیدا ہو۔

---

[27] مفتاح الفراسۃ ص 15

[28] تاریخ ادبِ عربی، استاذ احمد حسن زیات، مترجم: عبدالرحمٰن طاہر سورتی، ص 19

[29] ایضاً، ص 25

ادب کی ضرورت واہمیت:

ادب کی ضرورت واہمیت سے کسی قدر بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ ایسے شستہ وشائستہ انداز میں بولے اور بات کرے کہ اس کی بات دوسروں تک صحیح اور مؤثر طریقے سے پہنچ سکے اور سامعین و قارئین تک تحریر وتقریر کی بخوبی رسائی ہوسکے۔اقوام عالم کی حیات میں ادب کی اہمیت وضرورت ہمیشہ سے مسلم رہی ہے کیوں کہ زبان اور اس میں موجود سرمایہ علوم کی پاسبانی عقل انسانی وفکر بنی نوع انساں کی کاوشوں سے حاصل ہوتی ہے،اس میں کسی قوم کی وحدت، سربلندی اور افتخار کا انحصار ہوتا ہے۔اگر کوئی قوم اپنے موروثی ادبی وعلمی سرمایہ سے محروم کردی جائے تو اس کی وحدت باقی نہیں رہتی اور اس سے وہ قوم روحانی غلامی کا شکار ہو جاتی ہے جس کا علاج بہت نایاب اور مشکل ہو جاتا ہے۔اس لیے کسی بھی قوم کے علمی وادبی سرمایہ کی حفاظت خود اس قوم کے باشعور افراد کے ہاتھوں ہوتی ہے،ان کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے اس موروثی سرمایے کو اپنی زبان میں مستقل طور پر محفوظ رکھیں۔

زبان وبیان میں ادب کا اپنا ایک بلند و بالا مقام ہے اور یہ مقام ومرتبہ اور اس کی اہمیت تاابد قائم رہے گی۔ادب کی اہمیت ہمیشہ اس لیے بھی رہے گی کہ ادب اپنے زمانہ کی پوری شبیہ اور صحیح تاریخ اپنے اندر رکھتا ہے جس کے بدولت کسی بھی زبان کے ادب سے قاری اس عہد کے لوگوں کی طرز زندگی، طرزِ فکر وغیرہ سے کماحقہ واقف ہو سکتا ہے۔زیر نظر تحقیق چونکہ عربی ادب سے متعلق ہے اس لیے اس طرف بھی صرف نظر کرنا نہایت ضروری ہے۔اگر ہم عربی ادب کا اہمیت وضرورت کی جانب نظر کریں تو اس کا اندازہ حضرت ابن عباسؓ کے اس بات سے لگایا جاسکتا ہے:

”جب تم کو کلام اللہ کی تلاوت کرو اور اس کی کوئی عبارت تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو عربوں کی شاعری

کے ذریعہ اس کو سمجھنے کی کوشش کرو"۔[30]

مذکورہ اقتباس سے یہ بات بالکل واضح اور عیاں ہو جاتی ہے کہ عربی ادب جب کلام اللہ کے سمجھنے میں ممد و معاون ہو سکتا ہے، جو قرآن عربی زبان میں اعلیٰ مقام پر فائز ہے، اسے سمجھنے کے لیے ابن عباسؓ کا یہ قول عربی ادب کی اہمیت و ضرورت میں سند کی حیثیت رکھتا ہے اور قرآن عربی زبان کا خود ایک شاہکار ہے تو دوسرے وہ علوم جو زبان عربی میں موجود ہیں ان کے لیے اس کا ادراک نہایت ناگزیر ہے۔

عربی ادب کی ضرورت واہمیت کا اندازہ امام شافعیؒ کے قول سے لگایا جاسکتا ہے، وہ یہ کہ:

"میں نے صرف فقہ سے مدد حاصل کرنے کے لیے بیس سال تک عربی لغت وادب کا علم حاصل کیا"۔[31]

حضرت امام شافعیؒ جو فقہ کے میدان میں اعلیٰ اور جلیل القدر مقام و مرتبہ کے حامل ہیں انہوں نے فقہی استنباط کے سلسلے میں معاونت حاصل کرنے کے لیے بیس سال کے طویل عرصے تک عربی لغت وادب سے گہری وابستگی رکھی کیوں کہ عموماً فقہی امور کی انجام دہی کے سلسلے میں زیادہ تر سابقہ کتب عربی سے پڑتا ہے اور اس سے کماحقہ استفادہ عربی زبان و ادب پر گرفت سے ہو سکتا ہے۔ مذکورہ بالا باتوں کی روشنی میں دیکھا جائے تو عربی زبان میں موجود علوم و فنون سے کماحقہ استفادہ اس کے ادب پر گرفت کے بغیر ناممکن سا ہے۔

عربی ادب کا آغاز:

ہر زبان کے ساتھ یہ معاملہ رہا ہے کہ اس زبان کے ادباء وشعراء اس کے اندر جس بھی مقدار میں نظم ونثر کے ذخائر کو سمونے اور اس زبان کو مالا مال بنانے میں ان کی دن رات کی انتھک محنت کار فرما رہی ہے۔ عربی

[30] حاشیہ تاریخ ادب عربی، مترجم عبدالرحمن طاہر سورتی، ص 471
[31] ایضا

زبان وادب کا معاملہ اس کے تئیں کافی اطمینان بخش اور قابل رشک و قابل تحسین رہا ہے۔

عربی ادب دنیا کے تمام ادب سے زیادہ ثروت مند رہا ہے کیوں کہ اس ادب کا آغاز انسانی زندگی کے قیام سے لے کر عربی تہذیب وتمدن کے کمزور ہونے اور مٹ جانے پر محیط ہے، مابعد آمد اسلام اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ اسلام لانے والے بھی اپنی زبان کے معانی ومطالب اور اپنے جذبات واحساسات کو اس زبان میں منتقل کرتے رہے نیز دوسرے حضرات نے بھی اس ضمن میں قابل قدر کارنامہ انجام دیا۔ گردش ایام کے باوجود کبھی بھی عربی زبان کو لغزش نہیں ہوئی۔ اس زبان نے اپنے گردونواح دوسری بہت ساری زبانوں یونانی، عبرانی وغیرہ کو گرتے ہوئے دیکھا لیکن وہ اپنے سر کو اونچا رکھتے ہوئے بخیر وخوبی مختلف علوم ومعارف کو اپنے اندر جذب کرتی رہی جبکہ دوسری زبانوں کو اس کے مقابل وہ دوام وثبات نہیں رہا۔[32]

عربی ادب کا آغاز عہد نبوی سے بہت پہلے ہو چکا تھا لیکن ادب کی اصل تاریخ اور اس کا بکثرت استعمال عہد بنوامیہ سے شروع ہوا، انہیں کے زمانے میں یہ لفظ رائج ہوا۔ سب سے پہلے تعلیم وتربیت کے معنی میں استعمال ہوا یعنی جو حضرات تعلیم وتربیت پر مامور تھے یا اشعار کے راویوں اور تاریخی واقعات کو بیان کرتے تھے ان کو مؤدب کہا جاتا تھا۔ تیسری صدی ہجری میں اس پر بہت کام ہوا اور بہت اہم اہم کتابیں منظر عام پر آئیں۔ امام جاحظ (م255) نے 'البیان والتبیین' اور ابن قتیبہ (276م) نے 'الشعر والشعراء' اور مبرد نحوی (285م) نے 'الکامل' لکھی، یہ کتابیں عربی ادب میں امہات الکتب شمار کی جاتی ہیں۔[33]

---

[32] تاریخ ادب عربی: مترجم محمد نعیم صدیقی، ص13

[33] تاریخ ادب عربی، مترجم: عبدالرحمن طاہر سورتی، ص472

عربی ادب کی تاریخ بہ اعتبار زمانہ

عربی ادب کی تاریخ کو مختلف ماہرین اپنے تئیں بہ اعتبار زمانہ کئی ادوار میں تقسیم کیا ہے، جنہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

1۔ جاہلی زمانہ /یا عہد ماقبل اسلام (Jahilliyah Period or Pre-Islamic Period)(450-622ء/00-174ھ)

اس دور کو عہد جاہلی یا عہد ما قبل اسلام سے موسوم کرتے ہیں۔ جو ہجری سال 00-174 ہوتا ہے۔ یہ دور ہجرت نبوی سے تقریباً 174 سال قبل سے شروع ہوتا ہے اور ہجرت نبوی پر ختم ہوتا ہے یا یوں کہیں یہ زمانہ پانچویں صدی سے شروع ہو کر اسلام کے ظاہر ہونے پر 622/623ء میں ختم ہوتا ہے۔[34]

عبدالحلیم ندوی نے اس دور کو زمانہ جاہلیت سے موسوم کیا ہے نیز اس دور کو دو ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دور پانچویں صدی عیسوی سے پہلے کا زمانہ اور دوسرا دور پانچویں صدی عیسوی کے بعد 622-623ء سے 662-663ء تک رقم کیا ہے۔[35]

2۔ اسلامی زمانہ یا عہد اسلامی (Islamic Period 622-660ء/1-40ھ)

اس دور کو عہدِ اسلامی (Islamic Period) سے موسوم کیا جاتا ہے، ہجری سال 01-40 ہوتا ہے۔ یہ دور 623 عیسوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت شروع سے ہوتا ہے اور 660 عیسوی 40 ہجری میں حضرت علیؓ کی شہادت اور خلافتِ راشدہ کے خاتمہ پر ختم ہوتا ہے۔ ایک دوسری کتاب میں یوں مذکور ہے کہ اسلام کے ظاہر ہونے سے شروع ہوتا ہے اور بنی امیہ کی حکومت کے خاتمہ پر 1798ء میں ختم ہوتا ہے۔

---

[34] عربی زبان وادب: ایک تاریخی مطالعہ، خالد حامدی، ص 143

[35] عربی ادب کی تاریخ۔ عبدالحلیم ندوی۔ ص 76

3۔عہد اموی(749-661ء/132-41ھ Umayyad Period)

یہ دور 662ء مطابق 41ھ حضرت معاویہؓ(680-00)کے عنان حکومت سنبھالنے یعنی اموی حکومت کے آغاز سے شروع ہوتاہے اور 750ء مطابق 132ھ میں اموی حکومت کے زوال پر ختم ہوتا ہے۔

4۔عباسی زمانہ (132-656ھ/1258-749ء-Abbasid Period)

اس دور کو عہد عباسی سے موسوم کیا جاتا ہے۔یہ دور 749 مطابق 132 ہجری عباسی حکومت کے آغاز سے شروع ہوتاہے اور 1258ء مطابق 656ھ میں عباسی حکومت کے زوال پر ختم ہوتا ہے یا یوں کہہ لیں کہ عباسی سلطنت کے قیام سے شروع ہو کر زوال بغداد 1258ء میں ختم ہوتا ہے۔

عبدالحلیم ندوی نے اپنی کتاب عربی ادب کی تاریخ میں اسے دو ادوار یعنی ترقی و عروج کا زمانہ اور طوائف الملوکی کا زمانہ میں تقسیم کیا ہے۔ترقی کا دور 332ھ مطابق 750ء سے 946ء تک شمار کیا ہے جبکہ دوسرے دور یعنی طوائف الملوکی کو 332ھ سے 656 مطابق 946ء سے 1258ء یعنی زوال بغداد تک شمار کیا ہے۔[36]

5۔عہد عثمانی یا عہد ترکی اور عہد تنزل وانحطاط(-656-1212ھ/1258-1779ء Ottoman Period or Turkish Period)

یہ دور 656ھ بمطابق 1258ء میں عثمانی حکومت کے آغاز سے شروع ہوتاہے اور 1797ء مطابق 1212ھ تک یعنی مصر پر نپولین بوناپارٹ(Napollon Bonapart)1769-1821کے حملہ سے قبل تک شمار کیا جاتا ہے۔اس کے بعد انحطاط کا زمانہ شروع ہوتا ہے جو بغداد کی تباہی یعنی 1258ء سے شروع ہو کر نپولین کے مصر پر حملہ 1798ء میں ختم ہوتا ہے۔

---

[36] عربی ادب کی تاریخ۔عبدالحلیم ندوی، ص 77

6۔ موجودہ زمانہ (1213ھ مطابق 1798ء)

نپولین کے مصر پر حملہ اور محمد علی پاشا کی حکومت سے شروع ہوتاہے اوراب تک جاری ہے۔(1798ء سے تاحال)اس زمانہ کے دو دور ہیں ایک نشاۃ ثانیہ کا پہلا دور اور دوسرا نشاۃ ثانیہ کا دوسرا دور جو چل رہاہے یاہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ محمد علی پاشا کے مصر پر حاکم ہونے سے اس کی ابتداء ہوئی اوراب تک جاری ہے۔[37]

قدیم عربی ادب:

قدیم عربی ادب جسے عربی زبان میں الادب العربی القدیم سے موسوم کیا جاتاہے،اس کی تاریخ عربی زبان وادب کے لیے نہایت ہی اہمیت کی حامل ہے۔قدیم عربی ادب کی اگر احاطہ بندی کی جائے تو ظہور اسلام اور ما قبل ہجرت نبوی سے شروع ہوکر مصر پر نپولین کے حملے اور محمد علی پاشا کے زیر اقتدار ہونے سے پہلے تک کازمانہ ہوتاہے۔اس ادب قدیم میں وہ سارے ادب پارے شامل ہوں گے جواس دوران زیر قلم اوراق کی زینت بنے،جو مقامات یا معلقات سے موسوم ہوئے،چنانچہ عہد قدیم یا دور جاہلی کے وہ سات بڑے شعراء جن کے معلقات کے مجموعے کو سبعہ معلقات سے موسوم کیا جاتاہے،ان کے ناموں کو ذکر کیا جاتاہے۔

اول: امرؤالقیس بن حضر بن عمرو الکندی پہلے معلقہ کا شاعر ہے۔

دوم: طرفہ بن العبد البکری، دوسرے معلقہ کا شاعر ہے،امرؤالقیس کے بعد شعراء عرب میں اس کا مثل کوئی نہ تھا۔

---

[37] اردو انسائیکلوپیڈیا ج 1، ص 196

تاریخ ادب عربی: مترجم عبد الرحمن طاہر سورتی، ص 28

عربی زبان وادب: ایک تاریخی مطالعہ، ص 143-145

سوم: زہیر بن ابی سلمیٰ ہے، اس کا اصل نام ربیعہ بن رباح ہے، تیسرے معلقہ کا شاعر ہے۔

چہارم: لبید بن ربیعہ عامری، چوتھے معلقہ کا شاعر ہے۔

پنجم: عمرو بن کلثوم تغلبی، پانچویں معلقہ کا شاعر ہے۔

ششم: عنترہ بن شداد عبسی، چھٹے معلقہ کا شاعر ہے۔

ہفتم: حارث بن حلزہ یشکری، ساتویں معلقہ کا شاعر ہے۔

قدیم عربی ادب کے عہد اور زمانے کے تعین کی بات کریں تو جیسا کہ اوپر ہم نے عربی زبان وادب کے ادوار کو بہ اعتبار زمانہ مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے، اس میں موجودہ زمانے کے ضمن میں جو وقت بتایا ہے اسے دیکھا جائے تو ایک طرح سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جدید عربی ادب کی جہاں سے ابتداء ہوتی ہے یعنی انیسویں صدی کے نصف، لہٰذا اس سے پہلے کا وہ سارا کا سارا ادبی ورثہ قدیم عربی ادب کے زمرے میں آئے گا۔

اردو زبان میں عربی ادب کے حوالے سے ''محمد کاظم'' کی کتابیں بے حد معلومات افزا ہیں۔ ''انھوں نے عربی ادب کی تاریخ''اور ''عربی ادب کے مطالعے''' کے عنوان سے دو کتابیں لکھی ہیں ان کو پڑھ کر عربی ادب کے متعلق جاننے میں مدد ملتی ہے۔ عربی ادب کی تاریخ میں دورِ جاہلی کی شاعری کی ابتدا کے حوالے سے محمد کاظم اپنی کتاب 'عربی ادب کی تاریخ: دور جاہلیت سے موجودہ دور تک' میں صفحہ نمبر 30 پر لکھتے ہیں:

> ''گمان کیا جاتا ہے کہ عربوں کے ہاں پہلے 'سجع' کا رواج پڑا، یعنی ایسے جملے بولنا جو ہم قافیہ ہوں اور سننے والے کے کانوں کو بھلے لگیں، کہے جاتے تھے۔ سجع سے ترقی کر کے وہ 'رجز' کہنے لگے، جو ایسا موزوں کلام ہوتا ہے، جس کے مضمون اور صوتی زیروبم سے سننے والے کے اندر جوش وخروش پیدا ہوتا تھا اور انسان جنگ کے میدان میں بہادری کے جوہر دکھاتا تھا۔ رجز سے آگے بڑھے، تو عربوں نے باقاعدہ قصیدہ نظم کہنی شروع کی اور اس طرح جاہلی شاعری وجود میں آئی۔ مسجع کلام کاہن اور پروہت لوگ استعمال کرتے تھے۔ اس سے وہ اپنے معبودوں کے حضور دعا کرتے تھے اور اس سے اپنے سامعین پر اثر ڈالتے تھے۔ اس کے بعد جب عربوں کو گنگنانے اور گانے کا شوق ہوا اور شاعری عبادت گاہوں سے

نکل کر کھلے صحرا میں آئی، تو اس سے رجز اور حُدی کا کام لیا جانے لگا۔ رجز لڑنے والوں کو جوش دلانے کے لیے ہوتا تھا اور حُدی سواری کے اونٹوں کو تیز چلنے پر اکساتی تھی''۔[38]

اس ضمن میں اگر ہم میں سے کوئی یہ سوال کرے کہ قدیم عربی ادب میں ممتاز و ممیز ترین کون سا شاعر ہے تو کسی ایک کا نام کہ یہ سب سے ممتاز اور اعلی شاعر ہے، کہنا مشکل ہے کیوں کہ ماہرین ادب اور ناقدین ادب کی مختلف النوع آراء پائی جاتی ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ہر شاعر اور ادیب کی علیحدہ اپنی خصوصیات ہوتی ہیں۔ اسی طرح قدیم عربی ادب جو شاعروں کے دیوان میں موجود ہے، ان شاعروں میں امتیاز کرنا بھی مشکل ترین کام ہے۔ ہم یہاں ایجاز و اختصار کے ساتھ ماہرین کے اقوال ذکر کریں گے۔ ایک رائے جسے خالد حامد نے اپنی ''عربی زبان وادب: ایک تاریخی مطالعہ'' میں رقم کیا ہے وہ یوں ہے کہ:

اشعر الشعراء خمسۃ:زھیراذا رغِب والنابغۃ اذا رھِبَ و الاعشی اذا طرِبَ و عنترۃ اذا غضِبَ وامرؤا القیس اذا رکِبَ او عشِقَ۔

(بہترین شعراء پانچ ہیں: زھیرؔ جب وہ کسی سے خوش ہو، نابغہؔ جب وہ کسی سے خائف ہو، اعشیٰؔ جب داد و دہش وغیرہ کی بدولت خوشی و مسرت سے ہمکنار ہو، عنترہؔ جب کہ وہ غضبناک ہو اور امرؤالقیسؔ جبکہ وہ شہسوار ہو یا مستیٔ عشق ہو)۔[39]

مذکورہ بالا تحریر سے ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس میں کسی ایک شاعر کی دوسرے پر فوقیت کو ظاہر نہیں کیا گیا ہے بلکہ شعراء کے وہ خاص میدان جن میں وہ اپنے ادبی جلوے سے قارئین کو مہمیز کرتے تھے کہ ان کی زبان دانی اور عربی زبان پر مکمل عبور کا ہر ایک قائل ہو جاتا تھا۔

بنی نوع انسان کی پسندیدگی اور ناپسندگی کے معیار میں عموماً تنوع پایا جاتا ہے، اس لیے ادب کے قارئین اپنے ذوق کے مطابق شعراء وادباء کے کلام اور ادب پارے پڑھتے ہیں اور اپنے ذوق کے بناء پر پسندیدگی

---

[38] عربی ادب کی تاریخ: دور جاہلیت سے موجودہ دور تک، ص30

[39] عربی زبان وادب: ایک تاریخی مطالعہ، خالد حامدی، ص159-160

اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں، لیکن اگر دیکھا جائے تو مجموعی طور پر قدیم عربی ادب میں امرؤالقیس کو بہت زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ محمد کاظم نے اپنی کتاب ''عربی ادب میں مطالعے'' میں یوں نقل کیا ہے کہ :

> ''امرؤالقیس کا تعلق دور جاہلیت سے ہے، وہ نہ صرف اس دور کا سب سے بڑااور صاحب اسلوب شاعر ہے بلکہ عربی زبان کی پوری شعری روایت میں اسے ابوالشعراء کا مرتبہ حاصل ہے''۔[40]

امرؤالقیس کے کلام کے متعلق محمد عبدالاحد صاحب نے اپنی کتاب ''عربی ادب کی تاریخ'' میں تحریر کیا ہے:

> ''امرؤالقیس کا کلام نہایت فصیح و بلیغ ہے، اگر اسے زمانہ جاہلیت کا ملک الشعراء کہیں تو بجا ہے۔ اس کا ایک دیوان بھی ہے جو پہاڑوں اور وادیوں، غزالوں اور گاوان وحشی محبوبان آہو خصال اور نازنینان مئہ تمثال، اسپ نازی ناقۂ عربی، کثرت شکار و طول سفر، تحمل شدائد وجفاکشی کی تعریف سے بھرا ہے۔ بہت کم عربی شعراء نے ان مضامین پر امرؤالقیس سے بہتر شعر کہے ہیں''۔[41]

اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے شعراء ہیں جو عربی زبان و ادب میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں، زیر نظر عنوان کے تحت ہمیں بہت مختصر طور پر باتیں پیش کرنی ہیں اس لیے ہم باقی شعراء کے ذکر سے احتراز کرتے ہیں لیکن اسی باب میں ایک ذیلی عنوان کے تحت قدیم وجدید شعراء وادباء کا ایجاز واختصار کے ساتھ تعارف پیش کیا جائے گا۔

قدیم عربی ادب کے بہ اعتبار زمانہ ادوار کی تقسیم میں پہلا دور پانچویں صدی عیسوی کے وسط سے شروع ہو کر 610ء میں اس کا اختتام ہوتا ہے۔ اس دور کی سب سے مشہور تخلیقات میں سات طویل نظمیں ہیں۔ جاہلی دور کے مقبول شعرا میں امراؤالقیس، طرفہ، زہیر ابن ابی سلمی، لبید، عمرو بن کلثوم، حارث بن حلّزہ، عنترہ بن شدّاد اور دیگر کے نام شامل ہیں۔ اس دور کا تذکرہ ظہور اسلام سے صرف ڈیڑھ سو برس قبل ملتا ہے۔ اس سے پہلے کے کوئی آثار نہیں ملتے۔

---

[40] عربی ادب میں مطالعے، مقدمہ

[41] عربی ادب کی تاریخ، محمد عبدالاحد، ص 71

قدیم عربی ادب کی تاریخ میں دوسرا دور ''اموی'' کہلاتا ہے۔ یہ دور اسلام کی آمد کے ساتھ شروع ہو کر 749ء میں عباسی حکومت کے قیام پر اس ختم ہوتا ہے۔اس دور پر جب نظر دوڑاتے ہیں تو اس میں غزل کی شاعری کو خوب مقبولیت ملی۔اس کے ساتھ سیاسی اور مناسباتی شاعری نے بھی فروغ پایا۔ ہم جانتے ہیں کہ قدیم عربی ادب میں شعری اصناف جن میں مدح، فخر، ہجو، مرثیہ، وصف اور دیگر شامل تھیں،اس کے بعد اِس دور میں بھی بہت عمدہ شاعری ہوئی۔اِس دور کے شعراء جنہوں نے م اعلیٰ مقام و مرتبہ حاصل کیا،ان میں جمیل، عمر بن ابی ربیعہ، اخطل، فرزدق اور جریر تھے۔

اِسی زمانے میں نثری تحریروں کا رواج بھی پایا جانے لگا اسی لیے کئی کاتبوں کی عمدہ تحریریں قدیم عربی ادب کی تاریخ کا حصہ بنیں۔ عربی ادب کا تیسرا دور ''عباسی دور'' کہلاتا ہے۔اس دور کی ابتداء عباسیوں کی حکومت سے ہوئی اور اس کا اختتام 1258ء میں تاتاریوں سے شکست پر ہوا۔اس دور میں بڑے شعرا میں بشار بن بُرد، ابوالعتاہیہ، ابونواس، ابن الرومی، ابن المعتز، بحتری، متنبی، اور ابوالعلاء معری شامل ہیں۔ اس دور میں عربی ادب میں نثر نے انتہائی تیز رفتاری سے ترقی کی اور ادب میں اس صنف کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ نثر کی صنف میں جن لکھاریوں کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ،ان میں ابن المقفع، جاحظ، ابن العمید، صاحب ابن عبّاد، خوارزمی، بدیع الزماں ہمدانی، حریری اور القاضی الفاضل وغیرہ کے نام سر فہرست ہیں۔اس دور کی ایک اور خاص بات یہ ہے کہ نحو، لغت، تاریخ، حدیث، حکایات اور مقامات جیسے ادبی و شرعی علوم میں بھی کافی کام ہوا۔

عربی ادب کا چوتھا دور تین شاخوں میں تقسیم ہوتا ہے جو اندلسی، فاطمی اور ترکی دور کہلاتا ہے۔اندلس میں عربوں کی موجودگی کا عرصہ سات سو برس کا تھا، اس میں عربی شاعری میں ایک نیا نکھار دیکھنے کو ملتا ہے۔اس دور میں جن شعراء نے نام کمایا، ان میں ابن عبد ربہ، ابن ہانی اندلسی، ابن زیدون، ابن خفاجہ اور لسان الدین الخطیب نمایاں تھے۔

اندلسی دور کے دو سو سال بعد اور اس کے متوازی پہلے فاطمی دور آیا، پھر ایوبی آئے، ان کے بعد ممالیک اور پھر ترکوں نے اسلامی مملکت کی باگ ڈور سنبھالی۔ اس دور پر نظر دوڑائیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ دور پانچ سو برس طویل عرصے پر پھیلا ہوا ہے مگر اس دور میں عربی ادب میں کوئی بہتر اضافہ نہیں ہوا۔ اگر یہ کہا جائے تو بالکل مناسب ہوگا کہ اس دور میں عربی ادب زوال کا شکار ہوا۔ عباسی دور کے مقابلے میں یہ دور عربی شاعری کا ناکام دور رہا ہے لیکن دیگر اصناف میں اچھی تصانیف تخلیق کی گئیں، جس میں تاریخ نگاری، سیرت و سوانح، لغت نویسی شامل ہیں۔ مذکورہ ادوار کے بعد عربی ادب کے جدید دور کا آغاز ہوتا ہے، جو اب تک جاری ہے جسے العصر الجدید سے تعبیر کرتے ہیں۔

جدید عربی ادب:

عربی زبان باوجود اتنی قدیم زبان ہونے کے ابھی بھی ایک زندہ جاوید زبان کی حیثیت رکھتی ہے، جسے دنیا بھر میں کروڑوں افراد بولتے ہیں نیز پندرہ سے زائد ملکوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس کی اہمیت کا راز اس کے اندر موجود بیش بہا علمی خزانے میں مضمر تھا، اب جو دھیرے دھیرے مائل بہ زوال ہے۔

جدید عربی ادب کی ابتداء ایک طرح سے فکری، معاشرتی، ثقافتی تحریک کے طور پر ہوئی۔ شدیاق، طٰہ حسین، عباس محمود العقاد، المازنی اور نجیف محفوظ وغیرہ جیسے معروف و مشہور ادباء نے اس کی ڈور باگ سنبھالی اور اسے خوب سے خوب تر پروان چڑھایا۔ ان کے علاوہ شام کے ابوریشہ، مغرب کے شاعر علال الفاسی، المعداوی، الشابی اور دوسروں نے اپنی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ مذکورہ ادباء کی ادبی تحریکات سے ثقافتی ڈھانچے کا وجود ہوا، نیز اس تحریک سے ترجمہ، طباعت، صحافت وغیرہ جیسی تحریک کو بھی جلا ملی۔ جدید عربی ادب کا وجود یا اس کی تخلیق قدیم تہذیبی ورثے کے احیاء اور مغربی ادب کے عربی زبان میں تراجم سے ہوا، جس کا آغاز 19 ویں سے یوں ہوا کہ عربی زبان کے ماہرین نے عربی ادب کے قدیم نمونوں سے دنیا کو روشناس کرانے کی کوشش کی اور ان کی یہی کوشش جدید عربی ادب کی بنیاد بنی۔ ماہرین میں ابراھیم الیازجی (متوفی 1871) جو شام سے، علی مبارک (متوفی 1893) مصر سے، محمود شاکری

الآلوسی (متوفی 1923) عراق سے تعلق رکھنے والے تھے۔ان میں علی مبارک نے اپنے مقامات کو ''علم الدین'' کے نام سے تالیف کیا، یازجی نے اپنے مقامات کو ''مجمع البحرین'' کے نام سے تالیف کیا، جبکہ الآلوسی نے منتخبات کے مجموعے کو ''بلاغۃ العرب'' کے نام سے پیش کیا۔

دیکھا جائے تو جدید عربی ادب کا وجود ایک معجزہ سے کم نہیں ہے کیوں کہ عصر عباسی کے بعد صدیوں تک عربی زبان بے جان سی ہوگئی تھی اور صنائع وبدائع کی کثرت نے اس نے زندگی کا رنگ وروغن سب پھیکا کر دیا تھا۔ لیکن دور جدید نے اس کے اوراق کو پلٹا اور اسے توانائی بخشی۔فرانسیسی اور انگریزی ادب سے اس کے جسم میں تازہ خون داخل ہوا جس سے جدید عربی ادب وشاعری کو نئی کشش ورعنائی حاصل ہوئی۔

سید احتشام احمد ندوی نے جدید عربی ادب کی تاریخ کے مقدمہ میں لکھا ہے:

> ''جدید اصناف ادب نہ صرف عربی زبان میں داخل ہوئیں بلکہ ان کا ارتقاء اتنی تیزی کے ساتھ اوج کمال پر پہنچا کہ عربی ادب پھر ایک اہمیت وعظمت کا حامل بن گیا اور جدید ڈرامہ نگاروں اور قصہ نویسوں کے بہت سے ڈرامے اور قصے اکثر یوروپ کی زبانوں میں ترجمہ کیے گئے''۔[42]

جدید عربی ادب کا باقاعدہ طور پر 1801ء سے شروع ہوتا ہے اور موجودہ عہد تک آتا ہے۔اس دور میں عربی ادب نے دوبارہ اپنی مقبولیت بحال کی اور تخلیق کے نت نئے زاویے کے ساتھ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کیا۔اس دور میں کچھ نئی اصناف بھی عربی ادب کا حصہ بنیں، مثال کے طور پر افسانہ، ڈراما اور ناول پہلی بار عربی ادب میں داخل ہوئیں۔

جدید عربی ادب کا یہ دور بھی اب تک دو سو سال کا ہو چکا ہے۔اس عرصے میں شعراء اور ادباء کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ یہاں بیان کرنا ممکن نہیں تاہم چند ایک نام ایسے ہیں، جن کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ان شاعروں اور ادیبوں میں احمد شوقی، حافظ ابراہیم، خلیل مطران، طٰہٰ حسین، احمد امین، احمد حسن الزیات، عباس محمود العقاد، محمد حسین ہیکل، توفیق الحکیم، نجیب محفوظ اور طیب صالح کے نمایاں نام ہیں۔حالیہ شعری منظر نامے پر محمود درویش، القاسم

---

[42] جدید عربی ادب کی تاریخ، سید احتشام احمد ندوی، مقدمہ

اور نزار قبانی کے نام بہت مقبول ہیں۔

معروف ومشہور عربی شعراءوادباء:

عربی زبان اپنے بیش بہااور بیش قیمت ذخائر سے کافی ثروت مندرہی ہے،اس ضمن میں اس زبان کے ادباءنے اپنی انتھک لگن اور اپنی اس زبان کے تئیں دلچسپی کے باعث جہاں عربی زبان کو بامِ عروج پر پہونچایاتو ساتھ ساتھ ان ادباء کی گراں قدر خدمات کو بھی ہاتھوں ہاتھ لیاگیااوران کی ادبی خدمات کو خوب داد و تحسین سے نوازاگیا۔

اگران ادباء کی فہرست کی بات کی جائے تو وہ کافی طویل ہے، یہاں کچھ معروف ومشہور ادباء کے متعلق ایجازواختصار کے ساتھ کچھ اہم معلومات درج کی جارہی ہیں۔یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ محقق نے قدیم وجدید ادباء میں سے بیس کے قریب کاانتخاب کیاہے،اور یہ انتخاب بغیر کسی خاص مناسبت یا کسی مخصوص زاویے کو سامنے رکھ کر کیاگیاہے، ممکن ہے کہ اس انتخاب میں کچھ ایسے ہوں جو قاری یا سامنے والے کو زیادہ مناسب نہ لگیں۔اس لیے میرے اس انتخاب میں کوئی وجہ یاسبب کے متلاشی نہ ہوں۔یہ وضاحت اس لیے بھی ضروری ہے کہ تاکہ کسی کو کسی قسم کے اشکال کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

امرءالقیس(500ھ-540ھ)[43]

امرؤالقیس کانام ابوالحارث جندح بن حجرالکندی تھا،اس کی پیدائش 500ھ میں نجد میں ہوئی۔اس کی کنیت ابوالحارث اور لقب الملک الضلیل (گمراہ بادشاہ)اور ذوالقروح(زخموں والا) ہے کیوں زندگی کے آخری اوقات اس کے پورے جسم پر زخم ہوگئے تھےاور جلد کے مرض میں مبتلاہوگیاتھا۔

---

[43] مختصر تاریخ ادب عربی، جلد1، ص151

الملک الضلیل لقب کے سلسلے میں کئی وجوہات بیان کی جاتی ہیں لیکن شارح معلقات سبعہ کی بیان کردہ دو وجہ ذکر کی جاتی ہے جو تسہیلات میں موجود ہے۔

1. چونکہ یہ بادشاہ کا بیٹا تھا اور اپنے باپ کی شہنشاہی کو اپنے شراب وشباب میں غرق رہنے کی وجہ سے برباد کر دیا تھا۔
2. اس کے اندر حسن پرستی بہت زیادہ تھی اور حسین و جمیل عورتوں کی عشق کی گمراہی ہر وقت اس کے دل ودماغ پر چھائی رہتی تھی۔[44]

امرؤالقیس عربی شعراء کے طبقۂ اولی کا سب سے بڑا شاعر مانا جاتا ہے۔ یہ عرب کے معزز خاندان کا نجیب الطرفین بچہ تھا۔ اس کا باپ بنواسد کا بادشاہ اور ماں مشہور شاعر مہلہل کی بہن تھی۔ اس کی زندگی اور شاعری بڑی حد تک ایک داستان عیش ونشاط ہے۔ جس کا ہر گوشہ رعنائی خیال، مستئ شوق اور رنگینئ بیان کا ایک مرقع ہے، اس کا عشق خیالی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔ امرءالقیس غیر معمولی شاعرانہ قوت کا حامل تھا جس میں کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ اس نے عربی شاعری کو نئے اسالیب سے آشنا کرایا۔ اس لیے تمام نقادوں نے اس کو رئیس الشعراء جیسے عظیم لقب سے نوازا۔ اس کی شاعری کا سب سے عمدہ حصہ وہ قصیدہ ہے جو سبع معلقات میں شامل ہے۔ جس کی لوگوں میں ضرب المثل کی حیثیت تھی۔ یہ معلقہ اس نے اپنی چچازاد بہن عنیزہ کے ساتھ عشق ومحبت کی داستان پر نظم کیا۔

اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرٰى حَبِيْبِ و مَنْزِلِ   بِسِقْطِ اللِّوى بَيْنَ الدُّخُوْلِ فَحَوْمِلِ

44 تسہیلات، ص7

اے دوستو! ذرا ٹھہرو، تاکہ ہم دخول وحومل کے پہاڑوں کے درمیان وادی سقط اللوی میں اپنے محبوب اوراس کی یادگاروں پر رولیں۔

امرؤالقیس نے قصیدے، غزل گوئی وغیرہ پر بہت عمدہ اشعار کہے ہیں جن کو پڑھنے کے بعد اشعار میں متنوع مضامین، حسن بیان، دقت معانی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔مثال کے طور پر اپنی محبوبہ عنیزہ پر کہے اشعار ملاحظہ ہوں:

مهفهفة بيضاء غير مفاضة   ترائبها مقصولة كالسجنجل

وجيد كجيد الرئم ليس بفاحش   اذا هى نصته ولا بمعطل

یعنی وہ گوری چٹی ہے، اس کی کمر پتلی ہے، اس کا پیٹ ڈھیلا ڈھالا باہر کو نکلا ہوا نہیں ہے اور ہار پہننے کی جگہ (حلق اور سینہ کے درمیان کا حصہ) آئینہ کی طرح چمک دار اور چکنی ہے۔ اور اس کی گردن (خوبصورتی میں) ہرنی کی گردن کی طرح ہے۔جب وہ گردن اٹھا کر دیکھتی ہے تو نہ بری لگتی ہے اور نہ زیور سے خالی معلوم ہوتی ہے۔

امرؤالقیس نے بہت لمبی عمر نہیں پائی لیکن اپنی شعری تخلیق اور گوناگوں صلاحیت سے دیار عرب میں خوب نام کمایا، اس نے مختلف جگہوں کا دورہ کیا اور بہت قریب سے اس دنیا کو دیکھا۔ابتدائی زندگی لہو ولعب اور شراب وکباب میں گذارنے کے باعث اس کے والد نے اسے قبیلے سے نکال دیا تھا جس کے بعد اس نے دربدر کی زندگی گذاری اور جزیرۃ العرب سے نکل کر ملک روم اور قسطنطنیہ چلا گیا۔امرؤالقیس اپنے ساتھیوں کے ساتھ آوارہ زندگی گذارتا رہا حتی کہ اسے اس کے باپ کے قتل کی خبر موصول ہوئی کہ بنو اسد نے قتل کر دیا ہے، انتقام کی غرض سے لشکر کے ساتھ چڑھائی کرنا چاہتا تھا کہ قیصر کو اس کے خلاف شکایتیں پہنچی کہ اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینا چاہتا ہے، اسی دوران قیصر نے ایک زہر میں آلود پوشاک اسے ارسال کی اور اسی زہر میں آلود پوشاک سے جلد کی بیماری میں مبتلا ہو کر 545ھ میں وفات پائی۔

ابوالطیب المتنبی

نام احمد، کنیت ابوالطیب، لقب متنبی، باپ کا نام حسین، دادا کا نام عبدالصمد۔ لیکن دنیائے عربی ادب میں اپنے لقب متنبی سے اس قدر معروف و مشہور ہے کہ اصل نام اور کنیت کو بہت لوگ جانتے ہی نہیں۔ اس کی پیدائش کوفہ کے ایک گاؤں 'کندہ' میں 303ھ کو ہوئی۔ ابھی یہ چھوٹا ہی تھا کہ باپ دیہات سے نکل کر شہری زندگی گذارنے کے لیے شام منتقل ہو گیا۔ باپ کو اس چیز کی فکر تھی بیٹے کی اچھی تعلیم و تربیت ہو لیکن اس سے پہلے ہی اس دنیا سے چل بسا۔[45]

متنبی چوں کہ علم لغت وادب سے خاص دلچسپی رکھتا تھا اور اس نے اس میں کافی مہارت پیدا کر لی تھی جس کے باعث شعر و شاعری اور فصاحت و بلاغت میں دریتیم شمار ہونے لگا۔ اس کے معاصرین میں اس کے مقابل کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب کبھی اس سے عربی محاورات کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ فوراً اہل عرب کے کلام منثور اور منظوم کو بطور دلیل پیش کر دیتا۔

وہ بچپن سے ہی بہت زیادہ ذہین و فطین تھا اس کا حافظہ انتہائی تیز تھا کہ سینکڑوں اشعار کو بہت کم وقت میں یاد کر لیا اور شعراء کی فہرست میں اس کو استاذ کے لفظ سے یاد کیا جانے لگا جو اس کے کمال فن کی دلیل ہے۔ اس کے قوت حافظہ کے متعلق بہت سارے قصے سنائے جاتے ہیں، ابوالحسن علوی کا بیان ہے کہ:

> ''ایک دفعہ وڑاق نے مجھ سے کہا: مار أیتُ أحفظ من هذا الفتیٰ ابن عیدان السقاء' کہ میں نے اس نوجوان عیدان السقاء کے بیٹے سے زیادہ حافظہ والا کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے پوچھا وہ کیسے؟ وڑاق نے کہا کہ آج وہ میرے پاس تھا اتنے میں ایک آدمی اصمعی کی ایک کتاب فروخت کے لیے لے آیا جو تقریباً تین اوراق پر مشتمل تھی، ابن عیدان اس کو لے کر بہت دیر تک پڑھتا رہا، اس آدمی نے کہ میں اس کو بیچنا چاہتا ہوں اور تو مجھے بیچنے سے روکے ہوئے ہو، اگر تو اس کو یاد کرنا چاہتا ہے تو ان شاء اللہ ایک

---

[45] توضیح القصائد المنتخبہ، اردو شرح، مترجم: اقبال قاسمی، ص 15، تاریخ ادب عربی، عبدالرحمن طاہر سورتی، ص 392، عربی ویکیپیڈیا، ابوالطیب متنبی

مہینہ کے بعد ہی ہو سکے گا، ابن عیدان نے کہا کہ اگر میں نے اس مدت کے اندر یاد کر لیا تو کیا دو گے؟ اس شخص نے کہا کہ یہی کتاب دے دوں گا، چنانچہ متنبی نے ایک آدھ مرتبہ کتاب پڑھی اور پوری کتاب از اول تا آخر سنادی، پھر اس کا بوسہ لے کر اپنی آستین میں کتاب رکھ کر چلتا بنا"۔[46]

اپنی سلاست، قدرت کلامی اور عربی زبان پر گرفت اور دوسرے بہت عوامل کی وجہ سے نبوت کا دعویٰ بھی کر بیٹھا اور ساتھ ہی یہ بھی دعوی کر بیٹھا کہ اس کے اوپر آیات کا نزول ہوتا ہے اور دیہاتیوں کو اپنی سورتیں سناتا اور کہتا کہ یہ قرآن ہے۔اس کی آیات مخترعہ یہ ہیں:

" والنجم السیار والفلک الدوار واللیل والنهار، انّ الکفار لفی اخطار، امض علی سنتک واقف اثرَ من قبلک من المرسلین فانّ الله قامع بک زیغ من اَلحدَ فی دینہ وضلّ عن سبیلہ"

ترجمہ: قسم ہے گھومنے والے ستاروں کی، گردش کرنے والے آسمانوں کی اور رات دن کی، یقیناً کفار قریب ہلاکت ہیں۔آپ اپنے طریقہ پر چلیے اور سابق رسولوں کے نقش قدم کی اتباع کیجیے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ ان لوگوں کی گمراہی ختم فرمائے گا جو دین حق سے ہٹ گئے اور گمراہ ہو گئے۔[47]

المختصر یہ کہ متنبی دنیائے عرب کا ایک نامور، عظیم اور ممتاز ادیب و شاعر تھا۔بعد مرورِ زمانہ طویل اس کی ادیبانہ و شاعرانہ عظمت و شہرت میں کسی قسم کا واضح فرق نہیں آیا چہ جائے کہ اس کے پڑھنے والے اس معیار کے نہیں رہے۔ تخیلات کی عمدہ پیش کش، خیالات کی عظمت، وسعتِ نظری اس کے کلام کا ایک لازمی جزء ہے جو اپنے آپ میں منفرد و نادر ہے۔یہی وجہ ہے کہ قدیم وجدید دور کے بڑے بڑے ادیبوں، شاعروں، نقادوں اور ماہرین زبان نے اس کی ہمیشہ پذیرائی و ستائش کی اور اس کے مداح رہے۔اس کی بڑی وجہ متنبی کے شعری صنف میں بلند خیالی اور پیرایہ بیان ہے۔

متنبی کی وفات کا واقعہ کچھ عجیب سا ہے، وہ یہ ہے کہ کافور نے متنبی کو کسی ریاست کا گورنر بنانے کا وعدہ کیا لیکن ایفائے عہد نہ کرنے پر متنبی نے دل برداشتہ ہو کر 350ھ میں کافور کی اپنے اشعار میں برجستہ ہجو یہ

---

[46] بحوالہ توضیح القصائد المنتخبۃ، مولانا مفتی اقبال احمد قاسمی، ص16

[47] بحوالہ توضیح القصائد المنتخبۃ، مولانا مفتی اقبال احمد قاسمی، ص16

قصائد کہے اور اس کے بعد ملک فارس چلا گیا۔ یاد رہے کہ متنبی نے ضبہ کی ہجو میں نہایت ہی دل آزاد قصیدہ لکھا ،اس نے ضبہ کی والدہ پر گندے اور گھناؤنے جملے کسے تھے، ضبہ کی ماں فاتک اسدی کی حقیقی بہن تھی، اس لیے فاتک نے قصیدہ سنتے ہی متنبی کو قتل کرنے کا عزم کر لیا، چنانچہ متنبی کو فارس سے واپس آتے ہوئے موقع پاکر مع اس کے بیٹے محمد اور غلام مفلح کو نعمانیہ کے مقام الصافیہ پر 28 رمضان 354ھ بمطابق 965ء کو مار ڈالا۔ بالآخر 51 سال کی عمر پا کر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔[48]

ابوالفرج اصفہانی(897 ء- 20 نومبر 967 ء)[49]

ابوالفرج علی بن حسین مروانی اصفہان میں 284ھ مطابق 897ء میں پیدا ہوئے، بغداد میں پرورش پائی۔ علماء ورواۃ کی صحبت میں رہ کر حدیث واخبار کی سماعت کی اور انساب واشعار کی روایت کی۔ مختلف علوم جیسے نحو، سیرت وسوانح، طب ونجوم وغیرہ میں مہارت حاصل کی۔ بعدازاں اس کے علمی صلاحیت کا چرچا ہونے لگا۔ جیسے جیسے وقت گذرتا گیا یہ شہرت کی بلندیوں کو طے کرتا گیا اور بادشاہ وامراء کی محافل میں خوب مقبول ہوا۔ بادشاہ وامراء خوب ہدایا وتحائف سے نوازتے تھے۔ شیعیت کی طرف مائل ہونے کی وجہ سے اموی شیعہ حضرات سے اس کے اچھے روابط تھے۔ وہ شیعوں کے لیے تقیہ ومدارات کیا کرتا تھا۔

اصفہانی گرچہ فطرتاً شاعر نہیں تھا لیکن اس کی شاعری دیکھنے سے پتہ چلتاہے کہ وہ کامل درجہ زبان وبیان پر عبور رکھتا تھا، نمونہ کے طور پر اس کے کچھ عربی اشعار اور اس کے اردو ترجمے درج کیے جاتے ہیں:

ولما انتجعنا لائذین بظلہ　　　أعان وماعنی ومن ومامنا

---

48 بحوالہ آن لائن ویکیپیڈیا، وفیات الأعیان (تاریخ ابن خلکان) تالیف : احمد بن محمد بن ابراہیم بن خلکان قاضی القضاۃ شمس الدین ابوالعباس، توضیح القصائد المنتخبۃ، مولانا مفتی محمد اقبال قاسمی، ص 18

49 ویکی شعیہ۔آن لائن

وردنا عليہ مقترين فراشنا   ورُدنا حماه محدبين فأخصينا

ترجمہ: جب ہم طلب معاش کے لیے اس کے ظل عاطفت میں پناہ گیر ہوئے تو اس نے ہمیں کبیدہ خاطر کیے بغیر ہماری مدد کی۔ ہم پر احسانات کیے اور محض آرزوئیں نہیں دلاتا رہا۔ ہم خالی ہاتھ اس کے پاس پہنچے اور اس نے ہمیں ضروری ساز وسامان بہم پہنچایا۔ ہم قحط زدہ اس کے دربار میں آئے اور اس نے ہمیں آسودہ حال کر دیا۔

ایک دوسرے قصیدہ میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:

فداؤک نفسی هذا الشتاء   علینا بسلطانہ قدهجم

ولم يبق من نشبی درهم   ولا من ثيابی إلا رمم

يؤثر فيها نسيم الهواء   وتخرفها خافيات الوهم

فانت العماد،ونحن العفاة   وأنت الرئيس ونحن الخدم

ترجمہ: میں آپ پر قربان جاؤں، یہ جاڑا اپنی تمام قوتوں کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہو گیا ہے اور میرے پاس نہ درہم ہے نہ بوسیدہ چیتھڑوں کے علاوہ کوئی لباس، ہوا کے ہلکے جھونکے بھی اس میں اثر اندازی کر دیتے ہیں اور ہلکا سا وہم بھی ان کو پھاڑنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، آپ ہمارے سہارے ہیں اور ہم طالب احسان ہیں، آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم آپ کے خدام ہیں۔[50]

زبان پر قدرت اور انساب وروایت پر پختگی کے باعث بہت سے لوگ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں انساب اور مختلف گھرانوں کی خرابیوں یا اس کی کمیوں کو لوگوں کے سامنے بیان نہ کر دے۔ زبان کے تیز اور انساب کا اچھا علم ہونے کی وجہ امراء وسلاطین بھی ڈرتے تھے۔ لیکن اس کو سب سے زیادہ چاہنے والا اور اس کی خدمت کرنے والا معزالدولہ ابن بویہ کا وزیر، الوزیر المہلبی تھا، جس نے اس کے ساتھ آخری وقت تک رفاقت

---

[50] تاریخ ادب عربی، احمد حسن زیات، مترجمہ عبدالرحمن طاہر سورتی، ص 475-476

اختیار کی۔ تاآں کہ 356ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

ابوالفرج شاعر نہ ہونے کے باوجود بہترین نثر نگار، قادر مؤلف، عمدہ مصنف اور امین راوی تھا۔ اس کے لیے صرف یہی شرف بہت کافی ہے کہ وہ ''الاغانی'' جیسی ضخیم، جامع وہمہ گیر اور پر معلوم کتاب.... ہے۔ اصبہانی نے اس کتاب کو پچاس سال کی مدت میں تحریر کیا۔ مؤرخین کا اس کتاب کے متعلق متفقہ فیصلہ ہے کہ اس جیسی کوئی تصنیف نہیں ہوئی، مؤرخین کا کہنا ہے کہ:

''اپنی جامعیت و معنویت کی وجہ سے اور یہ کہ ادب کی ہر کتاب اس سے کم درجہ یا اس کی خوشہ چیں ہے ۔ اگر یہ جامع تصنیف 'الاغانی' نہ ہوتی تو جاہلیت، صدر اسلام اور عہد بنی امیہ کی بڑی ادبی روایات ضائع ہو جاتیں''۔[51]

علامہ حریری (446ھ-516ھ)[52]

احمد حسن زیات نے تاریخ ادب عربی میں ان کا نام محمد قاسم بن علی بصری لکھا ہے، جو خالص عربی النسل اور بنو حرام سے تھے۔ وہ 'مشان' نامی بستی میں 446ھ کو پیدا ہوئے۔ ابو محمد کنیت، نام قاسم اور سلسلہ نسب ابو محمد قاسم بن علی بن محمد بن عثمان حریری بصری۔[53]

علامہ حریری کی پرورش بصرہ میں ہوئی اور وہیں کے علماء و فضلاء سے سندِ علم حاصل کی۔ ابتداءً وہ ریشم کا کاروبار کرتے تھے، جس کی وجہ سے ان کا لقب حریری پڑ گیا۔ علمی انہماک اور ادبی دلچسپی کے باعث ریشم کے کاروبار کو ترک کرنا پڑا اور حصول علم میں خوب محنت کی، جس کی بدولت عربی اسالیب اور عربی ادباء کے حالات واشعار کو حفظ کر لیا، بعد ازاں اپنی محنت شاقہ سے اپنا ایک مقام بنانے میں کامیاب ہو گئے اور لوگ ان کے علم

---

[51] تاریخ ادب عربی، احمد حسن زیات، مترجمہ عبدالرحمن طاہر سورتی، ص474

[52] علامہ حریری اور ان کی کتاب مقامات حریری: تعارف اور تجزیہ، محمد قاسم اوجھاری

[53] تاریخ ادب عربی، احمد حسن زیات، مترجمہ عبدالرحمن طاہر سورتی، ص324، درس مقامات، مقدمۃ العلم، ص26

وادب سے استفادہ کے لیے ان سے رجوع کرنے لگے۔

حریری شکل کے اعتبار سے زیادہ حسین نہیں تھے، پستہ قد، میلے کپڑوں میں رہنے والے تھے لیکن باری تعالیٰ نے اس سے الگ انہیں اخلاق کا پیکر عطا کیا تھا، گفتگو میں اتنی مٹھاس ہوتی تھی کہ سننے والے خوب محظوظ ہوتے تھے۔ابن الحسن عباسی نے درس مقامات کے مقدمۃ العلم اور احمد حسن زیات نے تاریخ ادب عربی میں ایک دفعہ کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک شخص علامہ حریری کا شہرہ سن کر ان کی اپنے ذہن میں صورت خیالیہ لیے حاضر خدمت ہوا، جب اس نے انہیں دیکھا تو معاملہ بالکل برعکس پایا،علامہ حریری اسے دیکھ کر بھانپ گئے۔اس شخص نے ان سے لکھوانے کی گذارش کی تو علامہ نے دو شعر لکھوائے:

مأأنت اولُسار غرّہ قمرُ　　　　ورائد اعجبتہ خضرةُ الدمن

فاحترلنفسک غیری إننی رجل　　　　مثل المعیدی فاسمع بی ولاترنی

ترجمہ:رات کو چلنے والے تم ہی پہلے شخص نہیں ہو جسے چاند نے دھوکہ دیا ہو اور نہ تم چراگاہ تلاش کرنے والے پہلے آدمی ہو جس کو کوڑی اور گندگی کی سبزی بھلی لگی ہو(بلکہ آپ سے پہلے بھی لوگ اس طرح ظاہری خوبصورتی سے دھوکہ میں مبتلا رہے ہیں)۔اس لیے تم اپنے لیے میرے سوا کسی اور کو اختیار کرلو کیوں کہ میں معیدی کی طرح (بدشکل) ہوں،آپ مجھے صرف سنا کریں دیکھا نہ کریں"۔[54]

ان کے یہ اشعار سن وہ شخص شرمندہ ہونے کے ساتھ کافی متاثر ہوا اور ان کے حقیقی حسن کا گرویدہ ہوگیا۔

علامہ حریری نے گراں قدر اور بیش قیمت کتاب بھی سپرد تحریر کی ہے۔

1۔دُرّۃ الغواص فی اوہام الخواص، یہ ایسی کتاب ہے جس میں اہل علم ان لغوی غلطیوں کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی جو عموماًان سے سرزد ہوتی رہتی ہے یا یہ کہہ سکتے ہیں اس میں انہوں نے اپنے ہم عصروں پر

---

[54]درس مقامات، مقدمۃ العلم، ص26)۔(تاریخ ادب عربی، احمد حسن زیات، مترجمہ عبدالرحمن طاہر سورتی، ص324

بعض الفاظ وتراکیب میں عربی زبان کے قواعد کی مخالف پر تنقید کی ہے۔

2۔ملحۃ الاعراب، یہ کتاب علم نحو کے موضوع پر لکھی گئی جو ایک مجموعہ مکاتیب ہے۔

3۔دو ایسے رسالے ہیں جن سے علامہ کی خوب شہرت ہوئی۔ایک رسالہ سینیہ یعنی اس کا ہر کلمہ لفظ سین سے ہے اور دوسرا رسالہ شینیہ ہے جس کے ہر کلمہ میں شین ہے۔

رسالہ سین:

> باسم السمیع القدوس استفتح، وباسعادہ أستنجع، سیرۃ سیدنا الاسفہملار،السید النفیس سیدالرؤساء، سیف السلاطین، حرست نفسہ، واستنارت شعسہ، واتسق انسہ،وبسق غرسہ۔۔۔۔

رسالہ شین:

> بارشادالمنشی، أنشی شغفی، بالشیخ شمس الشعراء ریش معاشہ وفشاریاشہ وأشرق شھابہ، واغشوشبت شعابہ۔۔[55]

علامہ حریری کی وفات 6/رجب المرجب 515ھ یا 516ھ میں 69 یا 70 سال کی عمر میں شہر بصرہ کے محلہ بنی حرام میں ہوئی، عام طور پر سن وفات یہی بتایا جاتا ہے، لیکن ابن الخلکان نے ابوالفتح مطہر بن سلام کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جب آپ 538ھ میں شہر واسط آئے تو میں نے آپ سے ملحۃ الاعراب کی سماعت کی، اس کے بعد آپ بغداد چلے گئے،اور ایک لمبے زمانہ تک بغداد میں قیام رہا اور وہیں وفات پائی۔عماد اصفہانی نے بھی اپنی کتاب خریدہ میں اسی طرح ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ 540ھ کے بعد وفات پائی۔[56]

عبداللہ ابن المقفع (106-142ھ/724-759م)

نام ابو محمد عبداللہ روزبہ بن داذویہ تھا لیکن ابن المقفع کے نام سے زیادہ مشہور و معروف تھا۔ملک فارس کے ''جور'' نامی گاؤں میں اس 106ھ مطابق 724ء کو پیدا ہوا۔بصرہ میں امیروں کے بچوں کی طرح

---

[55] درس مقامات، مقدمۃ العلم، ص 27

[56] علامہ حریری اور ان کی کتاب مقامات حریری: تعارف اور تجزیہ، محمد قاسم اوجھاری، ص 16

اس نے پرورش پائی، اس کا باپ داذویہ آتش پرست تھا جو حجاج بن یوسف کی طرف سے ایران کا لگان وصول کرتا تھا۔ مقفع نام اس لیے پڑا کہ شاہی رقم میں کچھ غبن کرنے کی وجہ اسے اتنا مارا گیا کہ اس کا ہاتھ ٹیڑھا ہو گیا اس کی وجہ سے اس کا لقب مقفع (یعنی مڑے ہوئے ہاتھ والا) پڑ گیا۔ عبداللہ کی پرورش مجوسی مذہب کے مطابق ہوئی لیکن اس کی عمر کا بڑا حصہ اسلامی معاشرہ میں گذرا، اس لیے اسلامی اقدار سے بہت زیادہ قریب تھا، آگے چل کر اس نے عہد بنی عباس میں عیسیٰ بن علی منصور کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ یہ ان کے لیے خط و کتابت بھی کیا کرتا تھا۔ ابو جعفر المنصور کے عہد خلافت میں 142ھ مطابق سنہ 759ء میں اسے قتل کر دیا گیا، اس وقت اس کی عمر 35 (پینتیس) سال تھی۔[57]

ان سب کے علاوہ جہاں تک علمی استعداد کی بات ہے تو زبان پر کامل قدرت رکھنے والا مترجم تھا، اس کے ترجمہ میں غیر زبان کا کوئی اثر نہیں جھلکتا، نہ اس کے ترجمہ اور ذاتی تصنیف میں آسانی سے فرق کیا جا سکتا ہے۔ اس کی مختلف فیہ مترجم کتاب "کلیلۃ ودمنۃ" ایک ایسی کتاب ہے جو رہتی دنیا تک صحیح و بلیغ ترجمہ کے لیے ایک اعلیٰ نمونہ رہے گی۔ ابن المقفع کے ادبی نمونے درج ذیل ہیں:

كليلة و دمنة، الأدب الصغير، الأدب الكبير يا الدرة اليتيمة، كتاب التاج، رسالة الصحابة وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ابن المقفع کے متعلق ناقدین و ادباء نے بہت کچھ لکھا یہاں احمد حسن زیات نے قفطی کا جو قول اپنی کتاب میں درج کیا ہے اسے نقل کیا جاتا ہے:

> "ابن المقفع سب سے پہلا شخص ہے جس نے ملت اسلامیہ میں ابو جعفر کے لیے منطق کی کتابوں کے ترجمہ کی طرف توجہ مبذول کی، چنانچہ اس نے منطق میں ارسطو کی تین کتابوں اور فرفوریوس صوری کی کتاب ایساغوجی کا ترجمہ کیا، ان کتابوں کا عربی ترجمہ اس نے فارسی کے ترجموں سے کیا۔ اس نے

---

[57] الجامع فی تاریخ الادب العربی، حنا الفاخوری، ص 532

نوشیر واں کی سوانح عمری میں کتاب التاج کا ترجمہ کیا۔اس نے اخلاقیات میں دو کتابیں "الادب الکبیر" اور الادب الصغیر" اور اطاعت حاکم کی موضوع پر "کتاب الیتیمۃ"، تصنیف کی"۔[58]

اصمعی (123ھ-216ھ)

ابو سعید عبد الملک بن قریب اصمعی عرب کے ایک نامور ادیب تھے، اصمعی (یہ نسبت اس کے دادا، اصمع کی طرف ہے) 123ھ میں ایک عربی گھرانے میں پیدا ہوئے جو انشاء پردازی میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ابتدائی پرورش بصرہ میں ہوئی اور وہاں کے ائمہ علوم سے عربی زبان اور حدیث وقرآن کی تحصیل کی۔بصرہ میں آنے والے فصیح دیہاتی عربوں کی روایات نقل کیں اور خود بھی بیشتر دیہاتوں میں جاتے رہے، دیہات کے فصیح عربوں سے بالمشافہ روایتیں سنیں اور ان کے ساتھ سکونت اختیار کی۔[59]

بصرہ کے علماء سے استفادہ کرنے کے علاوہ قبائل عرب کے ساتھ رہ کر ان سے لغات، اشعار اور اخبار کا بے پایاں ذخیرہ جمع کیا اور اسے رسائل کی صورت میں مدون کیا۔ اصمعی بالخصوص عربی لغت میں کافی مہارت رکھتے تھے۔

اصمعی کا شمار عربی ادب کے نامور ادیبوں میں ہوتا ہے اور اس ضمن میں مختلف خوبیاں بیان کی جاتی ہیں جیسے اصمعی کی قوت حافظہ بے نظیر تھی اس نے وہ تمام عربی روایات جو عربی قبائل سے آتے جاتے سنیں اور عربی شعراء کے جو جو اشعار سنے ان سب کو اپنی یادداشت میں محفوظ کر لیا، ان کی زبانی 12 ہزار رجزیہ قصائد انہیں یاد تھے۔ایک دفعہ کا ذکر ہے جسے وہ خود اپنی زبانی بیان کرتے ہیں جسے احمد حسن زیات نے نقل کیا ہے:

"ایک دفعہ میں اور ابو عبیدہ فضل بن الربیع کے پاس پہنچے، اس نے مجھ سے سوال کیا: تم نے گھوڑوں پر

---

[58] تاریخ ادب عربی، احمد حسن زیات، عبدالرحمن طاہر سورتی، ص305

[59] تاریخ ادب عربی، احمد حسن زیات، مترجمہ عبدالرحمن طاہر سورتی، ص472

کتنی کتابیں لکھی ہیں؟ میں نے جواب دیا: 'ایک کتاب' پر اس نے ابو عبیدہ سے اس موضوع پر اس کی لکھی ہوئی کتابوں کے متعلق دریافت کیا،اس نے کہا: 'پچاس جلدیں' اس پر فضل بن الربیع نے ایک گھوڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابو عبیدہ سے کہا، اٹھو! اور اس گھوڑے کے بدن کا ایک ایک عضو پکڑ کر اس کا نام بتاتے جاؤ' اس نے جواب دیا: 'میں کوئی بیطار نہیں ہوں' میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ عربوں سے لے کر لکھا ہے'۔ اس پر فضل نے مجھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے اصمعی! تم اٹھو اور یہ کام کر دو' اس پر میں کھڑا ہوا اور پیشانی سے لے کر ایک ایک عضو ہاتھ میں پکڑ کر اس کا نام، اور جو کچھ عربوں سے اس کے متعلق اشعار سنے تھے، سب سناڈالے' جب میں فارغ ہوا تو اس نے کہا: 'یہ گھوڑا تم لے لو، چنانچہ وہ میں نے لے لیا اور جب مجھے ابو عبیدہ کو غصہ دلانا ہوتا تو میں اس گھوڑے پر سوار ہو کر اس سے ملنے کے لیے چلا جاتا''۔[60]

مذکورہ بالا واقعہ سے جہاں ان دو ادیبوں کے مابین فرق واضح ہوتا ہے تو وہیں اصمعی کے قوت حافظہ کی جلالت شان کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اصمعی کو اپنی یادداشت میں روایات کو محفوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ لغت میں کامل مہارت اور شعر و شاعری پر بھی اچھی گرفت تھی۔ ہارون الرشید کا اچھا مصاحب تھا اور ہارون رشید نے اس کی ان ساری خصوصیات اور خوبیوں کے باعث اسے اپنے بیٹے امین الرشید کا اتالیق یعنی نگراں مقرر کیا۔ ان سب چیزوں کے علاوہ وہ ایک نہایت خدا ترس انسان اور کتاب و سنت کی تفسیر میں تعبیر میں بہت محتاط تھا۔ جب کبھی اس سے کتاب و سنت کے متعلق کچھ دریافت کیا جاتا تو جواب میں یہ کہتا:

"عرب اس کے معانی یہ بتاتے ہیں، لیکن کتاب و سنت میں اس سے جو مراد ہے وہ میں نہیں جانتا"۔[61]

دین و شریعت میں اتنا محتاط ہونے کے باعث جب عہد مامون میں خلق قرآن کا فتنہ وجود میں آیا تو اس نے اپنے دین کو بچانے کی خاطر گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ مامون نے اسے اپنے ساتھ رکھنے کی بہت کوشش کی، آخر وقت میں جب لوگوں نے اسے بد شکل گھوڑے پر سوار آتے جاتے دیکھا تو کہا کہ: خلفاء .... گھوڑوں پر سواری

[60]تاریخ ادب عربی، احمد حسن زیات، مترجمہ عبدالرحمن طاہر سورتی، ص 473

[61]تاریخ ادب عربی، احمد حسن زیات، مترجمہ عبدالرحمن طاہر سورتی، ص 473

کرنے والا اب گدھے کی سواری پر آگیا، تو انہوں نے جواباً کہا:

''دین سلامت رکھ کر اس گدھے پر سواری کرنا مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میں دین کھو دوں اور ان سواریوں پر سواری کرتا رہوں''۔62

اس طرح وہ معمولی زندگی بسر کرتے ہوئے 216ھ نوے(90) سال کی عمر میں اپنے ملک حقیقی کی طرف کوچ کر گیا۔ اصمعی نے عربی زبان وادب کے تئیں بیش بہا کارنامہ انجام دیا ہے، اس نے قدیم شعرائے عرب کے کلام کو جمع کیا اور اسے ''اصمعیات ''سے موسوم کیا جو بعد میں شائع ہوئی تو اہل ذوق نے اسے ہاتھوں لے لیا۔ اس نے تقریباً بیالیس سے زائد اپنی تصانیف چھوڑیں، جن میں بیشتر لغت کے موضوع پر ہیں۔ کچھ معروف ومشہور کتابوں میں كتاب خلق الانسان، كتاب الاجناس، كتاب الخيل ،كتاب النبات، كتاب النوارد،كتاب معانى الشعر ،كتاب الاراجيز وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ابو العتاہیہ (130ھ-211ھ مطابق 784ء-826ء)

ابو العتاہیہ کا اصل نام اِسماعیل بن القاسم بن سوید بن کیسان، اس کی کنیت اُبو اسحاق ہے لیکن اپنے نام اور کنیت کے علاوہ اپنے لقب ابو العتاہیہ سے زیادہ معروف ومشہور ہوا۔ ابو الفرج اصبہانی نے کتاب الاغانی میں اس لقب کے متعلق ذکر کیا ہے کہ:

خلیفہ مہدی نے ایک دفعہ کسی بات پر اسے کچھ یوں کہا کہ ''أنت إنسان متحذلق مُعتّہ''(یعنی تو ایک بے حیا، مجنون اور بڑبڑانے والا آدمی ہے)، خلیفہ مہدی کی یہ بات اتنی مشہور ہوئی کہ لوگ ابو العتاہیہ کے لقب سے پکارنے لگے اور یہ لقب اس کے نام وکنیت دونوں پر غالب آگیا۔ ابو الفرج نے اس لقب کی ایک وجہ یہ بھی بتلائی ہے کہ وہ شہوت پسند، دیوالیہ پن، آوارہ گردی کی طرف بہت مائل

62 تاریخ ادب عربی، احمد حسن زیات، مترجمہ محمد نعیم صدیقی، ص464، تاریخ ادب عربی، احمد حسن زیات، مترجمہ عبدالرحمن طاہر سورتی، ص473

تھا۔[63]

ابوالعتاہیہ کی پیدائش عین تمر نامی مقام پر 130 میں ہوئی اور 211ھ میں ہوئی، عیسوی سال کے مطابق784-826م اس کا زمانہ حیات و ممات ہے۔[64]

ابوالعتاہیہ کا شمار عباسی دور کے بڑے شعراء میں کیا جاتا ہے گرچہ اس کے اشعار شراب وکباب کے ارد گرد ہوا کرتے تھے لیکن اس کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اس کے اشعار نہایت سادہ اور عوامی زبان اور مختصر بحروں میں ہوا کرتے تھے۔ جیسے:

ساکنی الاحداث انتم مثلنا بالامس کنتم

لیت شعری ماصنعتم اَربِحتم ام خسرتم

جوانی کے ایام میں کچھ ایسی مصاحبت تھی کہ اس کے اشعار میں غزلیات اور خمریات کی رنگ تھا اور اسی وجہ سے بہت سے ناقدین نے اس کے باعث ناپسندیدگی کا اظہار کیا لیکن دیکھا جائے تو اس کے غزلیات اور خمریات والے اشعار مفقود ہیں۔[65]

شروع کا زمانہ تھا، جوانی کا دور تھا اور کچھ ایسے من چلوں کی مصاحبت تھی کہ ایسے اشعار کی تخلیق ہوئی لیکن اگر ابوالعتاہیہ کے بعد کے اشعار کا مطالعہ کیا جائے تو اس کے مختلف امور زندگی کے ساتھ ساتھ حمدیہ اشعار بھی ملتے ہیں جیسے دنیاوی مال ومتاع کے سلسلے میں اس کا یہ شعر بہت معنویت کا حامل ہے:

أری الدنیا لمن هی فی یدیہ

عذابا کلما کثرت لدیہ

(یعنی دنیاوی مال ومتاع جتنا زیادہ ہوتا رہتا ہے اتنی ہی پریشانیاں زیادہ ہوتی ہیں)

اسی طرح اس کے حمدیہ اشعار اپنے اندر بڑی عمدگی سموئے ہوئے ہیں:

---

[63] ابوالفرج اصبہانی، کتاب الاغانی، ص1216-1217

[64] عربی تحقیقی رسالہ "ابوالعتاہیۃ وخصائص شعرہ، ص13

[65] الشعر والشعراء۔ ص497

تعالیٰ الواحد الصمد الجیل   وحاشا ان یکون لہ عدیل

ھو الملک العزیز وکل شِیٔی   سواہ   فھومنتقص   ذلیل

(وہ اکیلا، بے نیاز اور بلند و برتر ہے، اس کا کوئی شریک اور ہم پلہ ہو نہیں سکتا۔ وہ ہر چیز کا بادشاہ ہے، اس کے سوا تمام چیزیں فانی اور بے کار ہیں)

ابو العتاہیہ کے دیوان یا شعری سرمایہ کی جہاں تک بات ہے تو اس پر ادباء اور تذکرہ نگاروں کا اجماع ہے کہ اس کا شعری سرمایہ اس قدر تھا کہ کوئی قدیم و جدید شاعر اس کے ہم پلہ نہیں تھا۔ لیکن ابن الندیم کے بقول 33 سے زائد شعری مجموعے تھے سبھی کے سبھی بدقسمتی سے ضائع ہوگئے۔ صاحب اغانی لکھتے ہیں کہ لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ ''اطبعُ الناس بشار، السید الحمیری، وأبوالعتاہیۃ وما قدراحدٌ علی جمع شعرھولاء لکثرتہ''(یعنی شعراء میں سب سے زیادہ ماہر اور طباع بشار، سید الحمیری اور ابو العتاہیہ ہیں اور ان کے اشعار کی کثرت کی وجہ سے کوئی ان کو جمع نہیں کر پایا)۔

ابن الاعرابی کا قول ہے ''واللهِ مارأیتُ شاعرا قطُّ طبع وأقدر علی بیت منہ واحسب مذھبہ الا صرباً من السحر''(یعنی خدا کی قسم میں نے کسی شاعر کو اس سے زیادہ طباع اور اشعار پر قادر نہیں دیکھا اور اس کا شعری ملکہ جادو سے کم نہیں)۔[66]

نیز ابو العتاہیہ کے متعلق یوں رقم طراز ہیں کہ:

هذاالخبیث الذی یتناول شعرہ من کمّہ،اشعر اهل الإسلام والمحدثین۔
(یعنی یہ خبیث جس کے پاس شاعری کا اتنا وافر حصہ ہے کہ اہلِ اسلام اور محدثین میں سب سے بڑھ کر ہے)۔[67]

خلاصہ یہ کہ ابو العتاہیہ عربی زبان کے شعراء میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے، جس کے اشعار عربی

---

[66] الاغانی، ص14، مشمولہ ابو العتاہیہ کی زہدیہ شاعری: ایک تنقیدی مطالعہ، عبد الجبار قاسمی، ص77

[67] ایضاً۔ ص78

زبان وادب میں ایک طرح سے سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔عربی زبان کا ہر وہ قاری جو شاعری کا مطالعہ کرتا ہے، اس کے اشعار کا مطالعہ کر کے اس کی شعری مہارت، زبان وبیان پر گرفت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ابوالعتاہیہ کی وفات بغداد میں ہوئی جس کی قبر بغداد کے غربی جانب ''خیال قنطرۃ الزیاتین'' نامی قبرستاں میں ہے۔سن وفات کے متعلق مختلف النوع... پائی جاتی ہیں لیکن راقم مقالہ کو 211ھ کا سنہ تکرار کے ساتھ ملا اس لیے سن وفات اسی کو درج کیا جاتا ہے۔

خنساء(575ء-645ء)

اصل نام تماضر بنت عمر بن الشرید السُلیمیہ تھا۔ان کا لقب الخنساء تھا جو ان کے نام سے زیادہ مشہور ومعروف ہوا۔ان کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ مضر سے تھا۔ان کی پیدائش ظہور اسلام سے قبل جزیرۃ العرب میں 575ء میں ہوئی۔ان کی زندگی کے اکثر ایام زمانہ جاہلی میں گذرے۔ظہورِاسلام کے بعد اپنی قوم کے وفد کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کی دولت سے مالامال ہوئیں پھر اپنی پوری زندگی اسلامی تعلیمات کے روشنی میں بسر کی۔حناالفاخوری کے مطابق:

> ''بعض روایات میں حضرت خنساء کے قبول اسلام کے متعلق کچھ یوں رقم کیا گیا ہے کہ انہوں ام المؤمنین حضرت عائشہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا''۔[68]

حضرت خنساء کے والد اپنے خاندان کے سردار جبکہ ان کے دو بھائی معاویہ اور صخر اپنے خاندان وقبیلہ میں بڑی عزت و وقار کے حامل تھے۔خنساء چوں کہ ایک معزز گھرانے کی بیٹی تھیں، اچھی پرورش ہوئی تھی۔کسی قسم کی تنگی کا سامنا نہیں ہوا تھا لیکن اپنے باپ اور پھر دونوں بھائیوں کی جدائی جو میدان جنگ میں موت میں آغوش میں چلے گئے تھے، کے غم سے نڈھال سی ہو کر رہ گئی تھیں۔انہوں نے دونوں کی جدائی پر

[68] الجامع فی تاریخ الادب العربی۔حناالفاخوری، ص290

خوب مرثیے کہے، حناالفاخوری کے مطابق بھائی صخر پر سب سے زیادہ مرثیہ کہا۔ حضرت خنساء کا شمار دنیائے عرب کی ان ممتاز و ممیز خواتین میں ہوتا ہے جو عربی ادب کی تاریخ میں اول خاتون شاعرہ ہیں۔ادباء وناقدین کی رائے ہے کہ عربی زبان وادب میں مرثیے کی بنیاد حضرت خنساء نے ڈالی، ان کا شمار اصحاب مراثی کے طبقہ اولی میں ہوتا ہے۔

اگر ان کے عہد کے متعلق بات کی جائے تو جاہلی اور اسلامی دونوں دور سے ان کا تعلق پایاجاتا ہے۔زمانہ جاہلیت میں یہ اپنی فن کاری میں ایک اعلیٰ وارفع مقام ومرتبہ رکھتی تھیں،انہیں بحیثیت شاعرہ بڑی عزت بھری نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ جیسا کہ یہ معلوم ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عکاظ کے میلے میں شعری محفلیں ہوا کرتی تھیں جس میں بڑے بڑے زبان داں شریک ہوا کرتے تھے، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے بھی شعری محفل میں شرکت کی جس میں عربی زبان وادب میں بلند وبالا حیثیت کے مالک نابغہ الذبیانی کی صدارت تھی، حضرت خنساء نے اپنی شعری تخلیق سامعین کے سماعتوں کے حوالے کی تو خوب داد و تحسین سے نوازا گیا۔ قصیدے کا مطلع یہ تھا:

قذیً بعَینَیک أمٌ بالعین عُوّار------أمٌ ذرّفت اِذ خلت من أهلها دار

(تمہاری آنکھوں میں کوئی تنکا پڑ گیا ہے یا اُٹھنے کو آگئی ہیں جس کی وجہ سے مستقل آنسو جاری ہیں یا اس وجہ سے خون کے آنسو رو رہی ہے کہ گھر کے سب لوگ کوچ کر گئے ؟)

صدر محفل کو یہ شعر اتنا زیادہ پسند آیا کہ کہا ''اگر ابو بصیر (یعنی الاعشیٰ) نے اپنا قصیدہ نہ سنایا ہوتا تو میں خنساء کے متعلق یہ فیصلہ صادر کرتا کہ میلے میں جتنے شعراء ہیں نہ صرف ان میں خنساء سب سے بڑی شاعرہ ہے بلکہ انسانوں اور جنات میں بھی سب سے بڑی شاعرہ ہے۔[69]

حضرت خنساء کے مجموعہ ہائے کلام دیوان کی شکل میں شائع ہوئے جو درج ذیل ہیں:

---

[69] عربی ادب کی تاریخ، عبدالحلیم ندوی، جلد دوم، ص206-207

دیوان الخنساء، المطبعۃ الوطنیۃ، صر1305ھ مطابق1888ء

دیوان الخنساء،القاہرۃ،1315ھ

دیوان الخنساء(دارصادرودار بیروت)بیروت،1960ء۔وغیرہ وغیرہ۔

ان کی شخصیت کے کچھ ایسے پہلو ہیں جن کے باعث ان کی عظمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں،وہ درج ذیل ہیں:

- اپنی آزادی رائے کے باعث ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہیں جو ان کے اشعار سے جھلکتی ہے۔
- ان کی زبان میں بلاغت، حسن منطق و بیان کی آمیزش تھی جو دوسروں سے انہیں ممتاز کرتی ہے۔
- بہادری اور قربانی کا جذبہ اس قدر موجزن تھا کہ قادسیہ کے جب انہیں اپنے اولاد کی شہادت کی خبر ملی تو ہنستے اور مسکراتے ہوئے یہ الفاظ کہے تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں: ''الحمدللہ الذی شرفنی باستشھادھم'' (یعنی اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میری اولاد کی شہادت سے مجھے عزت وشرف حاصل ہوا)

حضرت خنساء نے کافی طویل زندگی بسر کی۔ بعض روایت کے مطابق ان کی وفات حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دور خلافت 24ھ مطابق 44-645ء میں ہوئی۔ بعض کا کہنا ہے کہ حضرت معاویہ کے عہد خلافت 42ھ مطابق 663ء میں اپنی قوم کی جائے رہائش بادیہ میں ہوئی۔[70]

ابو تمام(172ھ-231ھ مطابق798ء845ء)

نام حبیب، کنیت ابو تمام، والد کا نام اوس ہے اور خاندانی تعلق قبیلہ بنو طئی سے ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے، ابو تمام حبیب بن اوس بن الحارث بن قیس بن الاشج بن یحیٰ بن مروان بن سعد بن کاہل بن عمر بن عدی بن عمرو بن یغوث بن طئی ۔ اس کی پیدائش دمشق اور طبریہ کے درمیان بلاد ''جیدور'' کے مضافات میں

---

[70] عربی ادب کی تاریخ، عبدالحلیم ندوی، جلد دوم، ص205

’’جاسم‘‘نامی بستی میں دوسری صدی میں ہوئی، سن ولادت میں مختلف اقوال ہیں۔جو مندرجہ ذیل ہیں۔172ھ مطابق798ء،188ھ مطابق803ء،190ھ مطابق805ءیا192ھ مطابق807ءاس طرح مختلف اقوال درج ہیں۔[71]

اس کے والد جاسم سے دمشق منتقل ہوگئے،وہاں یہ اپنے والد کے کاموں میں ہاتھ بٹاتا تھا۔لیکن جب ذرا جوان ہواتو عین جوانی میں ہی مصر آگیااور اس نے وہاں زندگی کے پانچ سال گذارے،فاتح مصر حضرت عمروبن العاص کی جامع مسجد میں پانی بھرنے کاکام کرنے لگااور ساتھ ہی مسجد کے بڑے بڑے علماءاور عربی زبان وادب کے شعراء وادباء کے دیوان بھی یاد کرنے لگا حتی کہ اس نے ان کی نقلیں بھی اتارنی شروع کردی۔آگے چل کر خود ایک بڑا شاعر کہلایا۔ کہا جاتا ہے کہ ابوتمام کو قصائد اور مقاطع کے علاوہ چودہ ہزاراشعاریاد تھے۔

وقت نے کروٹ لی اور دیکھتے دیکھتے ابوتمام حبیب الطائی اپنی شہرت کی بلندیوں کو چھونے لگا اورامراء وسلاطین کے دربار میں مدحیہ اشعار سناکر دادودہش حاصل کرنے لگا،اس نے اپنے وقت کے تمام شعراء کو تہہ تیغ کرتے ہوئے ہر جگہ اپنی چھاپ قائم کرلی،بقول علامہ ابوالفرج اصفہانی’’ابوتمام کی زندگی میں کسی شاعر کو ایک درہم بھی شاعری کے ذریعہ نہ مل سکا۔

ابوتمام کی تالیف’’باب الحماسۃ‘‘کی شرح’’مطرالسماء‘‘میں شارحین نے اس کے قبیلے کے متعلق کچھ یوں لکھاہے جوابوتمام کے ساتھ ساتھ قبیلہ طئی کی عظمت کوبتاتاہے وہ لکھتے ہیں کہ :

> علماء کاقول ہے کہ قبیلہ طئی نے تین اشخاص پیدا کیے جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ بے مثال تھے۔حاتم الطائی سخاوت میں، داؤد بن نصیر الطائی زہد میں اور ابوتمام حبیب بن اوس الطائی شعروشاعری میں۔

---

[71] مطرالسماء،ص449

ابوالفرج الاصفہانی اسے ''امیر الشعراء'' سے موسوم کرتا ہے۔[72]

ابو تمام کو شعری وادبی صلاحیت پر اس قدر عبور تھا کہ وہ فی البدیہہ اشعار کہہ دیا کرتا تھا، حسب موقعہ جب کسی کی مدح کرنی ہوتی تو برجستہ و برملا اشعار کہا کرتا تھا۔ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ابو تمام نے احمد بن معتصم کی شان میں کچھ قصیدے کہے جس میں اس نے جرأت، بہاری اور دلیری میں عرب کے بدوؤں سے تشبیہ دی ،حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ امیر تو ایسے لوگوں (یعنی بدوؤں سے بالاتر ہوتے ہیں)اور تم نے امیر کی ان سے تشبیہ دے دی،ابو تمام نے اپنا سر جھکایا اور فی البدیہہ یہ اشعار کہے:

لاتُنكِروا ضربی لہ من دونہ　　　مثلاً شروداً فی الندی والبأس

فاللہُ قدضرب الاقل لنورہ　　　مثلاً من المشکوٰۃ النبراس

(میں نے ممدوح کی سخاوت وبہادری کے بارے میں جو کم درجہ کی شخصیتیں بطور مثال پیش کی ہیں،ان پر برانہ مناؤ کیوں کہ خود اللہ نے اپنے نور کے لیے بہت کم درجہ کی مثال طاق اور چراغ کی پیش کی ہے)

ابو تمام کے نمونہ کلام کے طور پر یہ اشعار جو اس نے بادل کا وصف بیان کرتے ہوئے کہے ہیں:

سحابۃ　　صادقۃَالأنواء　　　تجُر اهداباً على البطحاء

تجمع بين الضحک والبکاء　　　بدت بنار وثنت بماء

(اے خوب بارش لانے والے بادل جو نالے یا وادی پر پلکیں ہانک لاتا ہے۔ہنسی اور رونے کو یکجا کیے ہوتا ہے۔آگ کو ظاہر کرتا ہے،اور پانی برساتا ہے)

الغرض اس کے بہت سارے اشعار ہیں جسے پڑھ کر طبیعت میں نشاط اور ایک طرح کے انبساط کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے،اور اس کی ادبی و شعری صلاحیت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔اللہ نے ابو تمام کو غضب کا حافظہ عطا فرمایا تھا کور کیس عواد اور میخائیل عواد کی تالیف کردہ کتاب ''أبو تمام الطائی، حیاتہ وشعرہ'' میں ابن خلکان کا یہ قول مذکور ہے:

---

[72] مطر السماء، ص 451-452

''ابو تمام کو 14 ہزار ارجوزۃ زبانی یاد تھے جنہیں قصائد اور مقاطیع میں شمار نہیں کیا جاتا''۔ اپنے بارے میں وہ کہتاہے کہ ''میری نظر سے کوئی ایسا شعر نہیں گذرا جس کو میں نے یاد نہ کیا ہو، اسی لیے مردوں کے علاوہ خواتین کے تقریباً 17 دیوان مجھے زبانی یاد ہیں۔[73]

ابو تمام کی تصانیف کے ذیل میں کتاب الحماسۃ، فحول الشعراء (اس میں جاہلی، مخضرمی اور اسلامی شعراء میں سے ایک کثیر تعداد کا ذکر کیاہے، کتاب الاختیارات من شعر الشعراء، الوحشیات (طویل قصیدوں پر مبنی ہے) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ابو تمام حبیب الطائی نے اپنی زندگی کی صرف چالیس بہاریں ہی دیکھی کہ موصل میں ایک قول کے مطابق 231ھ مطابق 845ء، جبکہ دوسرے قول کے مطابق 228ھ مطابق 842ء، تیسرے قول کے مطابق 229ھ مطابق 843ء اور ایک قول کے مطابق 232ھ مطابق 846ء میں وفات پائی۔

ابو نواس (136ھ-199ھ مطابق 762ء-814ء)

ابو نواس کا اصل نام حسن بن ہانی بن عبدالاول بن الصباح الحکمی تھا۔ عباسی خلافت کا ایک بہت ہی بلند پایہ عربی شاعر تھا۔ اس کی سنہ ولادت اور مقام دونوں میں دو روایات پائی جاتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ابو نواس کی پیدائش 136ھ اُھواز (ملک خوزستان) میں ہوئی جبکہ دوسری روایت کے مطابق اس کی پیدائش 145ھ مطابق 762 میں ہوئی۔ اس کی کنیت کے متعلق بھی دو رائے پائی جاتی ہیں، ایک یہ کہ اس کے استاد خلف الاحمر کے کہنے پر کہ تم یمن کے اشراف میں سے ہو لہذا وہاں کے کسی بادشاہ پر اپنی کنیت رکھ لو چنانچہ

---

[73] اَبو تمام الطائی، حیاتہ وشعرہ، ص 6

بادشاہوں کے ناموں میں سے ایک نام ''ذونواس'' آتا ہے، اس نے ذو کی جگہ ابو رکھ کر ابونواس اپنی کنیت رکھ لی، دوسرے یہ کہ اس کے لمبے بال ہونے کی وجہ سے ابونواس اس کی کنیت ہوئی۔[74]

ابونواس کی کم عمری میں ہی باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا جس وقت اس کی عمر صرف چھ سال تھی۔ماں اسے لے کر بصرہ پہنچی جو اس وقت علم وفن کا ایک گہوارہ تھا۔باپ کے جانے کے بعد کافی پریشانیوں کا سامنا تھا اس لیے ایام طفولت ہی میں بصرہ کے اندر ایک عطار کی دکان پر کام کرنا شروع کر دیا۔ابونواس کی پرورش علم دوست ماحول میں ہوئی جس کا اس پر اچھا خاصا اثر بھی پڑا۔ابونواس کو تحصیل علم کا شوق پہلے ہی سے تھا لہذا وہ دن میں عطار کی دکان پر کام کرتا اور رات کے وقت جامع مسجد میں علمی وادبی حلقوں میں شریک ہوتا۔

وقت گذرتا گیا، ابونواس کی ذہنی وفکری قوت کی نشوونما بھی ہوتی رہی، اسی دوران شاعری میں طبع آزمائی بھی کرنے لگا حتی کہ وہ وہاں منعقد ہونے والی علمی وادبی محفلوں میں بھی شریک ہونے لگا۔ محفلوں اور مجلسوں میں شرکت سے جہاں بہت سارے فائدے ہوتے ہیں وہیں متعلقہ میدان کے ماہرین فن کے متعلق بھی جانکاری ہوتی ہے۔چنانچہ اس کے وقت مشہور زماں ماہر فن والبہ بن حباب کے متعلق ابونواس نے بہت کچھ سن رکھا تھا، ہوا یوں کہ وہ جس دکان پر کام کیا کرتا تھا، ایک دفعہ والبہ کا وہاں عود ہندی وغیرہ لینے کی غرض سے آنا ہوا، اس نے ابونواس کو دیکھتے ہی اس کی ذات کے متعلق اندازہ ہو گیا چنانچہ یوں گویا ہوا:

> انی اری فیک مخایل فلاح، و اری لک ان لاتضیعها، وستقول الشعروتعلو فیه، فاصبحنی حتی أخرجک۔
>
> یعنی مجھے تمہارے چہرے سے کامیابی کی کرنیں پھوٹتی پتہ چل رہی ہیں، تم اپنے آپ کو برباد نہ کرو مجھے یقین کہ تم ایک دن شاعری میں اوج کمال تک پہنچوگے، لہذا میرے ساتھ نکل چلو تاکہ میں تم پر صیقل کردوں۔

---

[74] تاریخ ادب العربیہ، ص272

ابو نواس والبہ بن حباب کے ساتھ 156ھ میں کوفہ کے لیے روانہ ہوااور وہاں اس نے یعقوب حضرمی سے قرآن پاک کا درس لیااس کے بعد اس دور کے زبان وادب اور نحو کے ائمہ ابو عبیدہ، ابو زہد، سعید بن اوس وغیرہ سے الفاظ و معانی اوران کے مفردات، مشتقات کی تعلیم حاصل کی اور سیبویہ کی علمی و نحوی کاوش "کتاب سیبویہ" کا گہرائی سے مطالعہ کیا۔ اپنی خداداد صلاحیت، قوت حافظہ کے باعث بے شمار اشعار، ضرب الامثال اور کہاوتیں از بریاد تھیں، اس کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ اس نے شعر کہنا اس وقت شروع کیا جب اسے 60 ساٹھ عورتوں کے کلام از بر ہو چکے تھے، چنانچہ وہ خود لوگوں سے کہا کرتا کہ "ماقلتُ الشعر حتی رویت لستین اِمرأةً من العرب منهنّ الخنساء وليلىٰ، فما ظنک بالرجال و انی لأروى سبع مأة ارجوزة ماتعرِف" یعنی میں نے شعر کہنا اس وقت شروع کیا جب عرب کی 60 ساٹھ عورتوں خنساء، لیلیٰ وغیرہ کے کلام کو زبانی یاد کر چکا تھا۔ پوچھا گیا کہ تمہارا مردوں کے متعلق کیا خیال ہے؟ جواباً عرض کیا کہ میں سات سو ارجوزے زبانی سنا سکتا ہوں جو کسی نے سنے بھی نہ ہوں گے۔[75]

ابو نواس زبان و بیان پر عبور اور عربی زبان و ادب میں ایک بلند و بالا مقام رکھتا تھا، اسے شعرائے عرب کی پہلی صف میں شمار کیا جاتا ہے لیکن مذکورہ امور کے سوا اس کی شہرت بطور شراب کے شاعر کی تھی، اسے خمریات کا امام کہا جاتا تھا۔ تاریخ عرب میں اس کی شراب سے توبہ اور اچھی زندگی گذارنے کی بات بھی درج ہے۔

ابو نواس کے شعری میدان کی طرف نظر کی جائے تو اس نے قصیدے، غزلیات، خمریات، ہزلیات، ہجو گوئی، مرثیہ گوئی، زہدیات، حکیمانہ شاعری اور افراط و تفریط وغیرہ کے میدان میں عمدہ اور اعلیٰ اشعار کہے ہیں، نمونے کے طور پر اس کے کچھ اشعار درج کیے جاتے ہیں:

---

[75] ابو نواس، مسعود انور علوی کاکوری، ص 23

ملک تصوّر فی القلوب مثالہ　　فکأنّہ لم یخل منہ مکان
ماتنطوی عنہ القلوب بفجرۃ　　اِلّا یکلمہ بھا اللحظان

یعنی وہ ایسا بادشاہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی تصویر ہے گویا اس سے کوئی جگہ خالی نہیں، اگر لوگوں کے قلوب اپنا کھوٹ اور کینہ اس سے چھپاتے بھی ہیں تو نگاہیں اسے بتادیتی ہیں۔

اتانی ھواھا قبل ان اعرف الھویٰ　　فصادف قلْباًنارِغاً فتمکّنا

یعنی مجھے محبوبہ سے اس وقت ہی محبت ہوگئی جب کہ میں یہ تک نہ جانتا تھا کہ محبت کیا چیز ہے، اس نے میرا بھولا بھالا دل پاکر اس میں جا گزیں ہو کر قبضہ کرلیا۔

عاذلنی فی المدامِ غیرنصیح　　لاتلمنی علی شقیقۃ روحی
قھوۃ تترک الصحیح سقیما　　تعیرالسقیم ثوب الصحیح

یعنی شراب کے بارے میں خیر خواہی نہ کرنے والے ملامت گر! تو مجھے میری روح زندگی کے ساتھ پر ملامت نہ کر، شراب کا ایک ہی جام صحت مند انسان کو بیمار بنادیتا ہے اور بیمار شخص کو صحت و تندرستی کا جامہ پہناتا ہے۔

ایک جگہ وہ شراب کے اوصاف اور ان کی منظر کشی اس انداز کرتا ہے کہ قاری حیران و ششدر ہو جائے، وہ یہ ہے:

معتّقۃ صاغ المزاج لرأسھا　　اکالیل دُرٍّ ما لِمنظومھا سلکُ

پرانی شراب ہے پانی کی آمیزش نے اس کے سر پر موتیوں (یعنی جھاگ) کا ایسا تاج پہنادیا ہے جس میں موتی بے لڑی کے پروئے ہوئے ہوں۔

ابونواس کے متعلق ناقدین اور ماہرین ادب کی گراں قدر آراء پائی جاتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

عبداللہ بن محمد بن عائشہ کا بیان ہے کہ من طلب الأدب فلم یروِ شعر أبی نواس فلیس بتامِّ الادب۔یعنی جس نے علم ادب حاصل کیااور ابونواس کے اشعار نہ پڑے اسے مکمل ادب نہ ملا۔[76]

ابو تمام کا کہنا تھا کہ ابونواس ومسلم بن الولید اللاّت وَ العُزّی و انا اَعبُدھما۔یعنی ابونواس اور مسلم بن ولید شاعری میں لات وعزی ہیں جن کی میں پرستش کرتاہوں۔[77]

ابونواس کے شعری دیوان کی جہاں تک بات ہے تو خود ابونواس نے دیوان نہیں لکھا، بعد کے لوگوں نے اپنے اپنے اعتبار سے مختلف ناموں کے ساتھ اس کے دیوان شائع کیے ہیں، جیسے دیوان شعر ابی نواس، دیوان اَبی نواس بروایۃ الصولی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ابونواس کی وفات کے سلسلے میں مؤرخین کی مختلف النوع آراء پائی جاتی ہیں لیکن ماہرین عربی زبان وتاریخ اس بات پر متفق ہیں اس نے 59 سال کی عمر پائی اور 199ھ مطابق 814ء میں بغداد میں وفات ہوئی۔[78]

أحمد شوقی (1868ء-1932ء)

ان کا نام أحمد شوقی بک بن علی بن أحمد شوقی ہے۔16 اکتوبر 1868 کو مصر کے ایک مالدار گھرانے میں پیدا ہوئے۔امیر الشعراء، شاعر اسلام، شاعر مشرق ومغرب سے معروف ومشہور ہوئے۔أحمد شوقی مصری عربی تھے۔باپ کردی النسل اور ماں ترکی النسل تھیں۔اپنی امی کی دادی کے ساتھ پلے بڑھے، جب چار سال کے ہوئے تو مدرسہ شیخ صالح سے ملتحق ہوئے اور وہاں قرآن کریم کے کچھ پارے حفظ کیےاور لکھنا پڑھنا سیکھا، اس کے بعد ان کا داخلہ قاہرہ کے مدرستہ خدیویۃ میں کرایا گیا جہاں سے انہوں نے ابتدائی وثانوی تعلیم

---

[76] ابونواس اور متنبی: مسعود انور علوی کاکوری، ص 109

[77] ایضاً

[78] دیوان اَبی نواس، ص 9

حاصل کی۔ 1883ء میں شوقی نے مدرسۃ الحقوق میں داخلہ لیا اور دو سال میں وہاں سے تعلیم مکمل کر کے شعبہ ترجمہ میں داخلہ لیا اور سنہ 1887ء میں وہاں سے فراغت حاصل کی۔ 1887ء میں خدیو توفیق بن اسماعیل کے خرچہ پر اعلیٰ تعلیم کے لیے فرانس گئے۔ وہاں دو سال تک قانون کی تعلیم حاصل کی۔ اس دوران انہوں نے انگلستان اور الجزائر کی بھی سیر کی۔ باوجود یورپ میں سکونت کے ان کا دل ہمیشہ اپنے وطن کے ادباء و شعراء کی طرف مائل رہا۔ 1915 سے 1919 کا زمانہ ان کی جلاوطنی کا ہے۔ 1919 میں جب مصر کا سیاسی مطلع صاف ہوا اور حالات درست ہوئے تو وہ پھر مصر لوٹ آئے۔ 1919ء سے 1932ء تک کا دور شوقی کی ادبی زندگی کے عروج کا زمانہ ہے۔ وہ حافظ ابراہیم کے ہم پلہ شاعر مانے جاتے تھے اور جب 1932ء میں حافظ ابراہیم کا انتقال ہوا تو انہوں نے حافظ کی موت پر ایک دردناک مرثیہ زنانہ (رلانے والا) کے عنوان سے لکھا جس کو رسالہ الضیاء نے کئی قسطوں میں شائع کیا۔[79]

1927ء میں شوقی کے اعزاز میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں عرب ممالک کے بیشتر شاعروں اور ادیبوں نے شرکت کی اور ان کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو "امیر الشعرا" کے لقب سے نوازا۔ اس دوران ان کے کئی شعری ڈرامے منظر عام پر آ چکے تھے جیسے کلیو باترا، قمبیز، مجنون لیلی اور علی بک کبیر قابل ذکر ہیں۔

اُحمد شوقی در حقیقت عربی ادب کے بہت بڑے شاعر اور ڈرامہ نگار تھے، نیز انہیں مصر کا قومی شاعر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ مذکورہ بالا سطور کی روشنی میں اُحمد شوقی کے حالات زندگی کو تین ادوار میں دیکھا جا سکتا ہے، ایک دور 1891–1915 تک کا ہے، ان ایام میں انہوں نے طویل منظومات کہیں جو مدح، مرثیہ، غزل اور خمریات کے موضوعات پر لکھی گئی ہیں۔ اس دور کی اسلوب شاعری میں نیا پن اور تراکیب

---

[79] ماخوذ از عربی مقالہ، مکتبۃ اسکندریہ

وبندش اورالفاظ میں جدت کا اندازہ ہوتاہے۔ بیان میں سلاست وروانی ہے۔ نئ تشبیہات واستعارات ہیں۔دوسرادور 1915–1919کاہے جوان کی جلاوطنی کازمانہ ہے۔انہیں اس دور میں حرمان نصیبی، حزن وملال اور رنج والم کااحساس ہوا۔اس احساس نے ان کو حب الوطنی ، ملی زوال، انسانی دکھ درد کاادراک دیااورا نہوں نے نہ صرف نغمہ بلکہ غم انسانیت کے گیت گائے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری ذات سے نکل کر آفاق کی پنہائیوں میں سرگرداں ہوتی ہے۔انہوں نے انقلاباتِ زمانہ کو دیکھا تھااور تعمیر ہوتے ہوئے نئے سماج کی نبض پر ہاتھ رکھا تھا۔جبکہ تیسرادور 1919–1932کاہے جو جلاوطنی کازمانہ گزارنے کے بعد مصر واپسی کازمانہ ہے جس میں انہوں نے ملک وقوم کواونچااٹھانے کے لیے نظمیں لکھیں اوراپنی شاعری کے ذریعہ قومی فلاح وبہبود کاپیغام دیا۔عربی زبان وادب کایہ روشن ستارہ 14 جمادی الآخر 1351ھ مطابق 14 اکتوبر 1932ء کواس دنیا سے کوچ کر گیا۔

احمد شوقی نے قصیدے، غزلیں، فطری مناظر کی منظر کشی اور شانِ رسالت میں بہت عمدہ عمدہ اشعار کہے ہیں طوالت سے بچتے ہوئے ان کی مثالیں اور نمونوں سے صرف نظر کیاجاتاہے۔

احمد شوقی کی شعری مہارت اور خصوصیات 'دول العرب' اور 'وادی النیل' میں دیکھ سکتے ہیں۔اسی طرح ان کی شاعری کادیوان جو ''شوقیات'' کے نام سے معروف ومشہور ہے جو چار جلدوں پر مشتمل ہے، نیز کتاب عظماءالاسلام اور بچوں کے لیے ملی وقومی نغمے قابل ذکر ہیں۔احمد شوقی نے شاعری کے ساتھ نثری ادب میں بہت ہی عمدہ تخلیق انجام دی ہے اور اپنی بیشتر نثری تخلیقات کو ''اسواق الذہب'' نامی کتاب میں جمع کردیا ہے جو واقعتاًپڑھنے کے قابل ہے۔

مصطفی لطفی المنفلوطی(1876ء-1924ء)

اصل نام سید مصطفی لطفی بن محمد لطفی بن حسن لطفی ہے۔ان کی پیدائش اسیوط کی تحصیل میں واقع منفلوط نامی گاؤں میں 7 جمادی الاولیٰ 1293ھ مطابق جون 1876ء میں ہوئی۔[80] آپ کے والد کا سلسلہ نسب حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے،آپ کی والدہ ترکی النسل تھی،آپ کے خانوادے کا شمار نہایت معزز اور منفلوط کے سر برآوردہ افراد میں ہوتا ہے۔

منفلوطی نے ابتدائی تعلیم مدرسہ جلال الدین السیوطی سے حاصل کی جہاں آپ نے 11 سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا، 13 سال کی عمر میں جامعہ ازھر مصر آئے اور تقریباً دس سال تک جامعہ کے جید اور ممتاز اساتذہ سے کسب فیض کیا جس میں شیخ مفتی محمد عبدہ قابل ذکر ہیں۔

مصطفی لطفی المنفلوطی کا ابتداء سے ہی ادب کی طرف رجحان تھا،تاریخ ادب عربی وغیرہ کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا اور لسانیات اور ادبیات کی طرف خاصی توجہ مبذول کی اور قدیم وجدید دور کے مختلف ادباء وشعراء کے کلام پڑھے، یاد کیے اور انہیں کی طرز پر اشعار کہنے کی کوشش بھی کی۔منفلوطی نے ابن المقفع، جاحظ، حریری اور ابن خلدون وغیرہ کا بھی بڑی دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کیا۔اپنی ادب نوازی اور علمی مشغولیت کے باعث ان کی کافی شہرت ہوئی چنانچہ شیخ محمد عبدہ نے انہیں اپنے قریب کرلیا پھر انہیں کے توسط سے سعد پاشا زغلول سے قریب ہوئے اور ساتھ ساتھ اس زمانے کا معروف ومشہور رسالہ ''المؤید'' میں اپنے مضامین شائع کراتے اور یوں ادب کے میدان میں انشاءپردازی کو خوب نکھارا اور عربی ادب میں ایک بلند وبالا مقام سے سرفراز ہوئے،بقول احمد حسن زیات:

> ''منفلوطی کی فطری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں مفتی محمد عبدہ، سعد زغلول اور شیخ علی یوسف جیسی اہم شخصیات نے کافی اہم کردار ادا کیا اور انہیں کامیات ادیب بنایا''۔[81]

---

[80] زیات،578

[81] زیات،579-580

مختلف ادباءاور ماہرین نے ان کے اسلوب نگارش اور ان کی ادب نوازی کے سلسلے میں بہت کچھ تحریر کیا ہے، چنانچہ احمد حسن زیات کچھ یوں تحریر کرتے ہیں:

> ''منفلوطی فطرتاً ادیب پیدا ہوئے تھے، ان کے ادب میں آمد آورد سے بہت زیادہ ہے۔ وہ پہلے افسانہ نویس ہیں اور انہوں نے اس فن کو اس حد تک عمدہ اور کامل بنایا جس کی توقع اس جیسے ماحول میں پیدا ہونے والے اور اس دور کے لکھنے والوں سے نہیں کی جاسکتی تھی''۔[82]

مصطفیٰ لطفی منفلوطی اپنی محدود تعلیم اور قوت اظہار کی کمی اپنی ادبی حیثیت کے قائم ودائم رہنے میں ایک طرح سے رکاوٹ تھی لیکن اس کے باوجود مصطفی لطفی منفلوطی کی ادبی خدمات پر نظر دوڑائی جائے تو پتہ چلتاہے کہ وہ قارئین کے نظر میں اپنے سادہ اسلوب نگارش اور رومانیت کے باعث کافی مقبول رہے، چنانچہ انہوں نے تصانیف میں النظرات (مقالات کا مجموعہ)، العبرات (ترجمہ شدہ افسانوں کا مجموعہ) اور مختارات منفلوطی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

عربی دنیا کا یہ ستارہ اپنے مضامین ومقالات اور دوسری زبانوں کے ادب کو عربی میں منتقل کرتے ہوئے 1924 میں پچاس سال عمر میں اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

خلیل جبران (1883ء-1931ء)[83]

اصل نام: جبران خلیل جبران بن میکائیل بن سعد ہے، جو لبنانی فلسفی، شاعر، ادیب، ڈرامہ نگار اور مصور تھے۔ خلیل جبران 6 جنوری 1883 کو لبنان کے شہر بشاری میں پیدا ہوئے، جو اس زمانے میں سلطنت عثمانیہ میں شامل تھا۔ وہ نوجوانی میں اپنے خاندان کے ہمراہ امریکہ ہجرت کر گئے اور وہاں فنون لطیفہ کی تعلیم

---

[82] تاریخ ادب عربی، احمد حسن زیات، ص420

[83] جدید عربی شاعری، ڈاکٹر فوزان احمد

کے بعد اپنا ادبی سفر شروع کیا۔ خلیل جبران اپنی کتاب ''The Prophet'' کی وجہ سے عالمی طور پر مشہور ہوئے۔ یہ کتاب 1923ء میں شائع ہوئی اور یہ انگریزی زبان میں لکھی گئی تھی۔ یہ فلسفیانہ مضامین کا ایک مجموعہ تھا، گو اس پر کڑی تنقید کی گئی مگر پھر بھی یہ کتاب نہایت مشہور گردانی گئی، بعد ازاں 60ء کی دہائی میں یہ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی شاعری کی کتاب بن گئی۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جبران ولیم شیکسپئیر اور لاؤ تاز کے بعد تاریخ میں تیسرا سب زیادہ پڑھا جانے والا شاعر ہے۔

خلیل جبران جدید ادب کی جانب بہت زیادہ مائل تھا، اس کے یہاں انقلاب کا عنصر بہت ہی زیادہ پایا جاتا ہے، وہ سماج کے کمزور طبقات کی ترجمانی بہت عمدہ انداز میں کرتا کہ قاری کی آنکھیں نم ہو جائیں، ساتھ ہی ساتھ وہ سماج کے مالداروں اور سر برآوردہ افراد کی مکاری کو علی الاعلان پیش کرتا تھا۔ اس کی یہ خصوصیات اس کے ادبی شہ پاروں میں ہمیشہ موجود رہیں گی اور قارئین اس سے استفادہ کرتے رہیں گے۔

جبران خلیل جبران عربی، انگریزی اور فرانسیسی تینوں زبانوں پر مکمل عبور رکھتا تھا اور انہیں ان تینوں زبانوں کا ادیب مانا جاتا ہے لیکن عربی زبان میں اسے جو مقام حاصل ہوا وہ صرف اور صرف اس کے اپنے جدید طرز تحریر، اچھوتے انداز بیاں کی وجہ سے تھا۔ اس کی بیشتر کتابوں کے تراجم دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہوئے اور عوام میں مقبول بھی ہوئے لیکن جہاں تک اردو زبان میں ان کے تراجم کی بات ہے تو کئی ساری کتابوں کے اردو تراجم ہوئے ہیں جو شکستہ پر، جوانی اور محبت، اشک و تبسم، آنسو او مسکراہٹ اور سرکش روحیں وغیرہ کے نام سے معروف و مشہور ہیں۔

خلیل جبران نے اپنی زندگی کی صرف 48 بہاریں ہی دیکھی تھی کہ 10 اپریل 1931ء کو جگر کی بیماری اور تپ دق کے باعث نیویارک میں وفات پا گئے۔ اپنی موت سے پہلے جبران نے خواہش ظاہر کی کہ انھیں لبنان میں دفن کیا جائے۔ ان کی یہ آخری خواہش 1932ء میں پوری ہوئی جب میری ہاسکل اور

جبران کی بہن ماریانہ نے لبنان میں مار سرکاس نامی خانقاہ خرید کر وہاں ان کو دفن کیااور جبران میوزیم قائم کیا۔ جبران کی قبر کے کتبے پر جو الفاظ کشیدہ کیے گئے وہ کچھ اس طرح ہیں:""أنا حی مثلکم و أنا الآن الی جانبکم اغمضو عیونکم، انظرواحولکم وسترونی"۔یعنی میں زندہ ہوں تمھاری طرح اور میں تمھارے ساتھ ہی کھڑا ہوں۔اپنی آنکھیں بند کرواور ارد گرد مشاہدہ کرو، تم مجھے اپنے سامنے پاؤگے"۔[84]

خلیل جبران نے عربی زبان میں جو کتابیں تحریر کی وہ کافی مشہور ومعروف ہیں، جن میں الأرواح المتمردۃ، دمعۃ وابتسامۃ، الأجنحۃ المتکسرۃ، العواصف،مناجاۃ أرواح وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

أحمد أمین(1886ء-1954ء)[85]

ان کا نام أحمد أمین إبراہیم الطباخ ہے، قاہرہ میں 2 محرم 1304ھ بمطابق یکم اکتوبر 1886 کو پیدا ہوئے۔ایک نامور مصری ادیب اور مصنف گذرے ہیں،الأزھر یونیورسٹی اور مدرسہ قانون سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد مصری عدالتوں میں بطور قاضی اپنی خدمات انجام دی۔1926ء میں جامعہ قاھرہ میں استاد ہوئے اور أحمد أمین لجنۃ التألیف الترجمۃ والنشر کے بانیوں اور سرگرم ترین ارکان میں سے ایک تھے۔جہاں قدیم عربی کتابوں اور تاریخ ادب کی تصانیف کی تصحیح واشاعت کی جاتی تھی۔

أحمد أمین کی سب سے عالمانہ اور اہم تصنیف چوتھی/دسویں صدی تک کے تمدن اسلامی کی تاریخ ہے(تین حصوں میں:فجر الاسلام، طبع اول، قاھرہ،1928، ضحیٰ الاسلام، طبع اول، قاھرۃ،1933-

---

[84] جدید عربی شاعری،ڈاکٹر فوزان احمد،ص539

[85] عربی ادب کی تاریخ،دور جاہلیت سے موجودہ دور تک: محمد کاظم

1936، ظہر الاسلام، قاھرۃ1945-1953ء۔) یہ تصنیف اس حیثیت سے قابل توجہ ہے کہ اس میں پہلی مرتبہ موجودہ زمانے کی مسلم عرب تاریخ نویسی میں بڑے پیمانے پر تنقید و تحقیق کا طریقہ استعمال کیا گیا۔

انہوں نے مختلف شعبہائے حیات میں خدمات انجام دیں، جو درج ذیل ہے۔

لجنۃ التألیف والترجمۃ والنشر کے صدر (1914ء سے 1954ء تک)

مجمع اللغۃ العربیۃ کے ممبر (1359ھ/1940ء)

دار الکتب کی مجلس اعلیٰ میں بحیثیت ممبر (1358ھ/1939ء)

کلیۃ الآداب، جامعہ قاھرۃ کے ناظم (1939ء)

جامعۃ الدول العربیۃ میں ادارۃ ثقافیہ کے مدیر (1946ء)

أحمد أمین کو آخری عمر میں آنکھ کا مرض لاحق ہو گیا، جس کی وجہ سے وہ اپنے گھر سے باہر بلا کسی شدید حاجت کے نہیں نکلتے تھے۔ لیکن ان سب کے باوجود انہوں نے تصنیف وتالیف کا سلسلہ منقطع نہیں ہونے دیا۔ حتی کہ 27 رمضان المبارک 1373ھ بمطابق 195430ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور اپنا علمی، تحقیقی اور ادبی سرمایہ فدایانِ علوم وادب کے لیے بطور تحفہ چھوڑا۔ جن میں ان کی معروف ومشہور تصانیف یہ ہیں:

النقد الأدبی (دو جلد)، قاموس العادات والتقالید والتعابیر المصریۃ، من زعماء الإصلاح، کتاب الأخلاق، فیض الخاطر (10 جلدیں)، الشرق والغرب، فجر الإسلام، ضحیٰ الاسلام (3 جلدیں)، ظھر الاسلام (4 جلدیں)، یوم الاسلام، قصة الادب في العالم، إلیٰ والدی اور حیاتی قابل ذکر ہیں۔[86]

---

[86] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 2، ص 88-89) (عربی ادب کی تاریخ، دور جاہلیت سے موجودہ دور تک: محمد کاظم، ص 408

احمد حسن زیات(1303ھ-1388ھ مطابق1885ء-1968ء)

احمد حسن زیات عربی زبان و ادب کے معروف و مشہور ادیب اور مؤرخ ہیں جو16 جمادیٰ الآخر 1303ھ مطابق 02اپریل 1885ء کو مقام 'طلخا' کے قریب 'کفر دمیرہ' نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔کم سنی ہی میں جامعہ ازھر میں داخل ہوگئےاور ازھر میں 10 سال تک تعلیم حاصل کی،احمد حسن زیات نے جامعہ ازھر سے علم دین اور لغتِ عربی کی تعلیم حاصل کی۔

احمد حسن زیات کو عربی لغات میں بڑی مہارت تھی،اسی وجہ سے ان کی تحریروں میں لغات عربی کا اثر نمایاں طور پر معلوم ہوتا ہے۔احمد حسن زیات نے بطور استاد قدیم جامعہ مصریہ میں اپنی خدمت انجام دی ،اس کے بعد الفریر کے مدارس میں کئی سال تک عربی کے مدرس رہے اور وہیں رہ کر فرانسیسی زبان سیکھی۔فرانسیسی لاء کالج سے تھوڑی بہت تعلیم حاصل کی،اس کے علاوہ قاہرہ، دمشق اور بغداد میں مجامع لغویہ میں ان کو منتخب کیا گیا۔

احمد حسن زیات نے اپنے ہفتہ واری مجلہ 'الرسالۃ' کے ذریعہ جدید عربی ادب کی گراں قدر خدمات انجام دیں کیوں کہ اس مجلہ میں اس وقت کے چوٹی کے ادباء کے مضامین شائع ہوا کرتے تھے جن میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین،ڈاکٹر احمد امین، مصطفی صادق الرافعی، علی الطنطاوی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔اس مجلہ میں شائع مضامین کو احمد حسن زیات نے 'وحی الرسالۃ' کے نام سے چار جلدوں میں شائع کیا جسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا،الغرض احمد حسن زیات نے جدید عربی ادب کی ترقی و ترویج میں اہم اور قابل قدر کارنامہ انجام دیا ہے۔

احمد حسن زیات نے عربی زبان وادب کو خوب سے خوب تر.... اور عربی زبان کو جدید تقاضوں سے روشناس کرایا اور عربی زبان کو عربی لغات اور دوسری تہذیبوں سے مالامال کرتے ہوئے 16 ربیع الاول 1388ھ مطابق 12 مئی 1968ء کو قاہرہ میں وفات پائی اور اپنے آبائی وطن میں موفون ہوئے۔

احمد حسن زیات کی تصنیفات وتالیفات میں تاریخ الادب العربی، فی اصول الأب، دفاع عن البلاغۃ اور وحی الرسالۃ ، آلام فرتر (یہ جرمن شاعر گوئٹے کے ناول Sorrows of Werther کا ترجمہ ہے، جو زیات نے فرانسیسی سے عربی میں کیا تھا) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔[87]

طٰہٰ حسین (1889ء-1973ء)

طٰہٰ حسین 15 نومبر 1889ء کو مصر کے علاقہ 'منیا' میں پیدا ہوئے۔ ان کا شمار عربی زبان وادب کی معروف ومشہور شخصیات میں ہوتا ہے، انہیں عمید الادب العربی کے لقب سے جانا جاتا ہے۔ بہت کم عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا، بعد اس کے الأزھر یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور وہاں سے دینیات اور عربی ادب کی تعلیم حاصل کی۔ طٰہٰ حسین اپنے گھر میں تیرہ بچوں میں ساتویں نمبر پر تھے، ایک متوسط گھرانے میں پیدائش ہوئی، تین سال کی عمر ہی میں کسی جعلی اور ناتجربہ کار ڈاکٹر کے علاج سے ہمیشہ کے لیے بینائی سے محروم ہوگئے۔

طٰہٰ حسین کی زندگی میں ایک نیا موڑ آیا جب ان کی ملاقات فرانس میں یونیورسٹی آف مانٹی پیلیئر میں سوزانے سے ہوئی جس وقت وہ وہاں سے پی ایچ ڈی کر رہے تھے، اسی دوران دونوں نے شادی کر لی۔ تعلیم کے دوران سوزانے نے طٰہٰ حسین کی زندگی کو بالکل آسان بنا دیا، وہ ان کے ساتھ زندگی کے ہر موڑ پر ایک معاون ومددگار بن کر کھڑی رہیں اور کسی قسم کی دشواری اور پریشانی سے بچائے رکھا اور پوری زندگی دیکھ بھال کی۔

---

[87] عربی ادب کی تاریخ، دور جاہلیت سے موجودہ دور تک: محمد کاظم، ص 411

طٰہ حسین جب فرانس سے اپنی دوسری پی ایچ ڈی کر کے مصر آئے تو قاہرہ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی سے منسلک ہوئے۔ یونیورسٹی میں آتے ہی انھوں نے طریقۂ تعلیم کو تبدیل کرنے کی سعی شروع کردی اور اپنا تجویز کردہ منہج نافذ کرانے میں کامیاب ہوگئے۔ درسی کتابیں پڑھانے کی بجائے انھوں نے علمی وادبی موضوعات پر لیکچر دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ادب عربی بالخصوص ادب جاہلی پر انہوں نے بہت قیمتی لیکچر دیے نیز اس پر باقاعدہ'فی الادب الجاہلی' کے نام سے کتاب بھی تصنیف کی۔ یہ کتاب ادب جاہلی کے سلسلے میں ایک بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔الغرض انہوں نے عربی زبان وادب کے تئیں گراں قدر کارنامہ انجام دیا جسے ہمیشہ ....رکھا جائے گا۔ طٰہ حسین نے دن رات کی علمی لگن اور ادبی کاوشوں کو انجام دیتے ہوئے 28اکتوبر 1973 میں وفات پائی۔

طٰہ حسین کی تمام کتابیں دل کش اسلوب اور رواں پیرایہ بیان کا نمونہ ہیں۔طٰہ حسین کی اپنی آپ بیتی بعنوان "الایام" کی تحریر تو ایسی ہے کہ انسان پڑھ کر وجد میں آجاتا ہے۔اس کے علاوہ "ذکری ابی العلاء"، "فی الادب الجاہلی"، "مع المتنبی"، "فصول فی الادب والنقد"، "حافظ وشوقی"، "حدیث الاربعاء"، "من ادبنا المعاصر"، "دعا ء الکروان"، "مستقبل الثقافۃ فی مصر"، "الایام"، "مرآۃ الاسلام"، "علی ہامش السیرۃ" اور "الوعد الحق' 'ان کی مشہور کتابیں ہیں۔الوعدالحق کا اردو ترجمہ خدائی وعدہ سے منظر عام آچکا ہے جس کو معراج محمد بارق، اردو ترجمہ کے بجائے انہوں نے کتاب پر اردو عکس لکھا ہے۔

عباس محمود العقاد(1306ھ-1383ھ مطابق 1889ء-1964ء)

عباس محمود العقاد ایک ادیب، نقاد، شاعر، مترجم اور سیاسی مقالہ نگار کے طور پر جدید عربی ادب میں شمار کیے جاتے ہیں۔ان کی پیدائش 29شوال 1306ھ مطابق 28جون 1889ء کو اسوان میں ہوئی۔ باپ

مصری اور ماں کردی تھیں۔ ان کی نشو ونما وہیں پر ہوئی اور اسوان میں جدید مدارس یا کالج نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تعلیم صرف مکتب تک ہو سکی۔ بتایا جاتا ہے کہ ان کے گھر میں اتنی فراوانی نہیں تھی کہ وہ حصول علم کے لیے قاہرہ یا اس جیسی جگہوں پر جا سکیں۔ اگرچہ العقاد کی باقاعدہ کوئی تعلیم نہیں ہو سکی، وہ ایک کارخانے میں کام کیا کرتے تھے اور اپنی کمائی کا ایک بڑا حصہ کتابوں کی خرید میں صرف کرتے اور مختلف قسم کے مجلات کا خوب مطالعہ کرتے تھے۔ چناں چہ اپنی ذہانت و فطانت اور ذوق و شوق سے انہوں نے علوم عربیہ کے ساتھ ساتھ مغربی علوم کو بھی حاصل کیا۔ ساتھیوں کے اصرار پر قاہرہ گئے اور وہاں رہ کر صحافت کی تعلیم حاصل کی اور نامور مفکر و شاعر استاذ ڈاکٹر محمد حسین محمد سے شرف تلمذ بھی حاصل کیا اور جامعہ قاہرہ سے شعبہ اصول دین سے فراغت حاصل کی۔

عباس محمود العقاد مختلف قسم کے پیشے سے جڑا رہا جس میں سب سے پہلے استاذ وجدی کے جریدۃ الدستور میں صحافت کا فریضہ انجام دیا، اس کے بعد المؤید، الأھالي، الأھرام وغیرہ جیسے دوسرے اخبار میں اپنی خدمت انجام دی۔ نیز انہوں نے حکومتی اداروں میں بھی بر سر خدمت رہے۔

عباس محمود العقاد نے اپنی تمام تر توجہ جدید عربی کی تشکیل نو کی جانب مبذول کی اور انہوں نے ما قبل اور مابعد دور کے ادباء اور شعراء پر تنقید کا سلسلہ شروع کیا چنانچہ 1921ء میں 'کتاب الدیوان' میں جدید عربی ادب کے ایک جانے مانے ادیب و شاعر احمد شوقی پر تنقیدی مضامین تحریر کیے۔ نیز انہوں نے حافظ ابراہیم (عظیم عربی شاعر) پر تنقید کی اور یہ سب امور اپنے ہم عصر اور رفیق خاص مازنی کے ساتھ مل کر انجام دیا۔

1916ء میں عقاد کا پہلا دیوان شائع ہوا پھر یکے بعد دیگرے چار دیوان شائع ہوئے۔ 1938ء میں ''دیوان العقاد'' کے نام سے اپنے مقالات و مضامین کا مجموعہ شائع کرایا۔ عقاد نے مختلف النوع قسم کی کتابیں تحریر کیں جو ادب، تاریخ، سیاست، مذہب، شخصیات وغیرہ سے متعلق ہیں، اس نے ہر میدان میں اپنے زور قلم

کااثر دکھایااور کامیاب بھی رہے۔عقاد کی تصانیف کی فہرست کافی طویل ہے، لیکن کچھ اہم کا تذکرہ بھی ضروری ہے جو درج ذیل ہیں۔

الإسلام دعوة عالمية، عبقری الإصلاح والتعليم الإمام محمد عبده، سارة، فلاسفة الحكيم فی العصر الحديث، شعراءمصروبيئاتهم فی الجيل الماضي،يوميات، أثرالعرب فی الحضارة الأروبية وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

عباس محمود العقاد نے پوری زندگی لکھنے پڑھنے اس طرح گذاری کہ شادی نہیں کی حتی کہ 26شوال 1383ھ مطابق 12مارچ 1964ء کواس دنیا کو خیر آباد کہہ دیا۔

توفیق الحکیم(1898ء-1987ء)[88]

اصل نام حسین توفیق إسماعیل أحمد الحکیم ہے۔اسکندریہ میں 9اکتوبر 1898 میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا مصر کے ثروت مند کسان گھرانے سے تعلق تھا، لیکن وہ محکمہ قضا میں کام کرتے تھے جبکہ ان کی والدہ ترکی النسل تھیں۔توفیق الحکیم سرکاری مدرسے میں سات سال کی عمر میں داخل ہوگئے اور وہیں سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

سکنڈری تعلیم قاہرہ کی محمد علی اسکول سے حاصل کی۔ قاہرہ گھر سے دور تھا، یہاں ہر طرح کی آزادی ملی چنانچہ انہوں نے موسیقی اور تمثیل نگاری کی طرف بھی توجہ دی لیکن جیسے ہی گریجویشن مکمل کیا، والد کی خواہش کی بناء پر کلیہ الحقوق میں داخلہ لیا کیوں کہ ان کے والد شعبہ قضاۃ سے منسلک تھے،توفیق الحکیم کو ایک

---

[88] آزادویکیپیڈیا، https://en.wikipedia.org/wiki/Tawfiq_al-Hakim

قابل اور ماہر قاضی دیکھنا چاہتے تھے۔ چونکہ توفیق الحکیم کی توجہ ادب کی جانب زیادہ تھی، اور انہوں نے الضیف الثقیل، المرأۃ الجدیدۃ وغیرہ جیسے ڈرامے تحریر کیے۔

توفیق الحکیم کی قضاۃ کی جانب عدم دلچسپی کے باعث ان کے والدین نے ادب و فن کی طرف سے توجہ ہٹانے کی غرض سے انہیں قضاۃ میں ڈاکٹریٹ کرنے کے لیے پیرس بھیج دیا اور 1928 میں ڈاکٹریٹ کے بعد مصر واپسی پر انہوں نے ایک نئی زندگی کی شروعات کی، اسکندریہ میں محکمہ قضاء میں نائب سکریٹری کے عہدہ پر مامور ہو گئے اور 1934 میں وزارت سماجی امور میں ڈائرکٹر کے عہدہ پر خدمت انجام دی۔ اسی دوران انہوں نے نوکری سے استعفیٰ دے دیا اور ادبی سرگرمی کی طرف مائل ہوئے، لکھنا شروع کیا اور ان کے بہت سے ڈرامے اس وقت کے ''أخبار الیوم'' میں قسط وار شائع ہوے۔ 1951 میں قومی لائبریری میں ڈائرکٹر کی حیثیت سے مامور ہوئے اور جب آرٹ اینڈ لٹریچر کونسل کا قیام عمل میں آیا تو مستقل طور انہیں اس کا ممبر بنا دیا گیا۔ 1959 میں انہوں نے پیرس میں منعقد یونیسکو کانفرنس میں اپنے ملک کی نمائندگی کی اور کچھ دنوں پیرس میں قیام رہا لیکن دوبارہ 1960 کے اوائل ہی میں قاہرہ واپس آگئے اور آرٹس اینڈ لٹریچر کونسل میں اپنی خدمات انجام دیں۔

توفیق الحکیم جدید عربی ادب کے ایک معروف و مشہور ناول نگار، افسانہ نگار اور ڈرامہ نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں، ان کا شمار مصر کے بڑے ادیبوں میں ہوتا ہے۔ ناقدین ادب کی توفیق الحکیم کے سلسلے میں بڑی عمدہ آراء پائی جاتی ہیں۔ ذکی مبارک کے بقول توفیق الحکیم ایک فطری ادیب تھے۔ شارل بوردون کے بموجب ان کے مصری ناول ''عودۃ الروح'' کی قدر و منزلت دراصل توفیق الحکیم کے اسلوب نگارش اور مصر کے عام لوگوں کی طرز زندگی کی عکاسی کے باعث تھی جسے انہوں نے بڑی عمدگی سے پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ عالم عربی کے عظیم لکھاری ہیں جن کی تحریروں سے حقیقت پسندی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

جدید عربی ادب میں توفیق الحکیم کی کاوشوں کو مندرجہ ذیل تین مراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1۔ پہلا مرحلہ ان کی ادبی نگارشات میں طبع آزمائی کا ہے جس میں انہوں نے اپنے اندر موجود خیالات کو مختلف تعبیرات کے توسط سے ادا کرنے میں کافی محنت کی حتی کہ انہوں نے أہل کہف، قصة عصفور من الشرق، اور عودة الروح جیسے ڈرامے تحریر کیے۔

2۔ اپنی ادبی نگارشات کے دوسرے مرحلے میں انہوں نے الفاظ کے معانی اور خالی الذہن میں موجود معانی کے مابین مطابقت تلاش کی جو عربی لغات میں موجود تھیں، چنانچہ اس میدان میں انہوں نے کافی عرق ریزی اور جانفشانی سے کام لیا جس سے ان کی زبان وبیان میں کافی عمدگی پیدا ہوئی اور انہوں نے شہرزاد، الخروج من الجنة، رصاصة فی القلب اور الزمار جیسے ڈرامے تحریر کیے جو مقبوم عام ہوئے۔

3۔ اپنی ادبی وفنی کاوشوں کے اس مرحلے میں توفیق الحکیم نے اپنی فنی وادبی تحریر کو خوب پروان چڑھایا جس میں افکار وخیالات کی بلندی اور الفاظ ومعانی کا زیر وبم بجاطور عیاں ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے اس مرحلے میں سر المنتحرة، نہر الجنون، براکسا اور سلطان الظلام وغیرہ جیسے لازوال ڈرامے تحریر کرکے جدید عربی ادب کو خوب پروان چڑھایا۔

توفیق الحکیم نے قریب 90 سالہ زندگی میں جدید عربی ادب کو ادب کی مختلف اصناف جیسے ناول، ڈرامہ اور افسانہ وغیرہ سے روشناس کراکر نہایت ہی قابل قدر کارنامہ انجام دیا۔ ان کی تالیفات کو مختصراً اوپر بیان کیا گیا ہے جس میں بجمالیون، شہرزاد، شمس النہار، القصر المسحور، عودة الروح، مصر بین عہدین وغیرہ قابل ذکر ہے۔

جدید عربی ادب کا یہ روشن ستارہ 27 جون 1987ء کو داعئ اجل کو لبیک کہہ گیا۔ اہل مغرب نے توفیق الحکیم کی ادبی تخلیقات انگریزی میں منتقل کرکے جہاں عربی ادب سے لوگوں کو متعارف کروایا تو وہیں توفیق

الحکیم کی ذات کسی تعارف وتعریف کی محتاج نہیں رہی اوران کی اسی مقبولیت عمومی کے سبب قلادۃ النیل،ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری،جائزہ الدولۃ فی الآداب جیسے اعزازواکرام سے نوازا گیا۔

نجیب محفوظ(1911ء-2006ء)[89]

نام نجیب محفوظ عبدالعزیز ابراہیم احمد پاشا ہے۔11دسمبر 1911ء کو قاہرہ کے ایک قدیم محلے 'جمالیہ' کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اسی محلے کے ایک مدرسہ سے حاصل کی، اسکول سے عربی ادب کی تعلیم اور جامعہ فواد الاول(بعد میں قاہرہ یونیورسٹی) سے فلسفہ میں گریجویشن کیا، پوسٹ گریجویشن کی تعلیم ادھوری چھوڑ کر ادب کی طرف مائل ہوگئے۔[90]

جدید عربی ادب کے شہ سواروں میں نجیب محفوظ پہلی صف میں شامل ہیں،انہیں بطور ناول نگار، فکشن نگار،افسانہ نگار،ڈرامہ نگار مقبولیت عام حاصل ہے۔ان کی ادبی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو کئی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔پہلا حصہ ناول نگاری، جس میں انہوں نے- (تقدیر کے کھیلKhufu's Wisdom)، (رڈاپیسRhadopis of Nubia)، (اہل طیبہ کی جدوجہد،Thebes at War) جیسے مشہور ناول تحریر کیے جبکہ دوسرا دور واقعیت نگاری کا ہے،جس میں انہوں نے (قصرِ تمنا Place of Desire)، (بین القصرین،Palace Walk)، (سکریہ،Sugar Street) جو ثلاثیہ (تین ناولوں کا سیٹ ہے) کے نام مشہور ہے، تحریر کیے، یہ تقریباً تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے جس میں انہوں نے قاہرہ کی متوسط طبقے کی طرز زندگی کو بڑی عمدگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔تیسرا دور علامتی طرزِ اظہار کا ہے جس میں انہوں نے "ثرثرۃ النیل"(آب نیل پر آوارگی،Chtchat on the Nile)اور (گلی کے بچے،

---

[89] آزاد ویکیپیڈیا،https://en.wikipedia.org/wiki/Naguib_Mahfouz

[90] عربی ادب کی تاریخ،دور جاہلیت سے موجودہ دور تک: محمد کاظم،ص458

Children of Gebelawi)وغیرہ جیسی ادبی تخلیق انجام دی۔

نجیب محفوظ کو ادبی تخلیقات کے عوض 1988ء میں ادب کے نوبل انعام سے نوازا گیا جو عرب دنیا اور عربی ادب کی تاریخ میں پہلی بار ہوا کہ کسی عربی ادیب کو اس عظیم اعزاز سے نوازا گیا، چنانچہ اس کے بعد انہیں ایک مسلمہ ناول نگار کے طور جانا جانے لگا۔

نجیب محفوظ کی ادبی تخلیقات کو جدید عربی ادب میں وہ مقام خاص حاصل ہوا کہ انہیں ترقی یافتہ زبانوں میں ترجمہ کے ذریعہ منتقل کیا جانے لگا چنانچہ ان کی ادبی تخلیقات کو انگریزی، فرانسیسی، جرمن، روسی زبانوں میں ترجمہ کر کے منتقل کی گئیں جس سے ان کی خوب شہرت حاصل ہوئی، قابل ذکر اور خوش آئندہ بات یہ بھی ہے کہ ان کی کچھ ادبی تخلیقات کا اردو زبان میں ترجمہ ہوا ہے جس میں "ثرثرۃ النیل" آب نیل پر آوارگی، شوگر اسٹریٹ قابل ذکر ہیں، گرچہ عربی کے بجائے انگریزی سے ترجمہ کی گئیں ہیں۔

نجیب محفوظ کا انتقال قاہرہ میں 30 اگست 2006ء کو ہوا، ان کے جنازے میں مصر کے معروف و مشہور عالم شیخ الازہر علامہ طنطاوی اور علی جمعہ جیسے بڑے بڑے علماء نے شرکت کی۔

مذکورہ بالا ادباء و شعراء کے علاوہ ان کی فہرست کافی طویل ہو سکتی ہے، تعارفی باب کے باعث زیادہ طویل بحث سے اجتناب نہایت ضروری ہے، لیکن مطالعے کے شوقین یا قدیم وجدید ادباء و شعراء کے متعلق جانکاری کے لیے حنا الفاخوری، محمد کاظم، ڈاکٹر محمد فوزان اور ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری وغیرہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

باب دوم

اردو میں عربی ادب کے ترجمے کی روایت

اردو میں ترجمے کی روایت

ملکوں اور قوموں کے آپسی میل اور تعلقات کے فروغ میں جہاں دو قوموں اور ملکوں کے افراد اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی کے توسط سے گفت وشنید کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہیں تو غیر دانستہ طور پر آپس میں تہذیبوں کا تبادلہ بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ جب یہ سلسلہ اپنی درازی کی طرف گامزن ہوتا ہے اور علوم وفنون اور ادب عالیہ تک بات جا پہنچتی ہے تو وہیں سے ترجمہ اپنا کردار ادا کرنا شروع کرتا ہے۔

فی زمانہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ غلط فہمی بیٹھی ہوئی ہے کہ ترجمہ محض ایک زبان سے دوسری زبان میں مفہوم کی منتقلی کا نام ہے، حالاں کہ یہ اہم کام در حقیقت جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ دوران ترجمہ ماہرین فن کو دونوں زبان کے اوقاف ورموز کے ساتھ ساتھ ان زبانوں کے سماجی، تہذیبی اور روایتی پہلوؤں کو پیش نظر رکھنا از حد ضروری ہوتا ہے۔ یہاں صرف الفاظ کی منتقلی کا فریضہ انجام نہیں دیا جاتا بلکہ دو تہذیبوں کا لین دین ہوتا ہے۔ جہاں ترجمہ کی بدولت قاری دوسری زبان میں موجود تہذیب وثقافت اور اس کے دوسرے اسرار ورموز سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ یوروپی ممالک کی ترقی کا راز عربی زبان میں موجود علوم وفنون کے تراجم میں پوشیدہ ہے، انہوں نے مختلف علوم وفنون کو عربی سے منتقل کر کے اپنی زبان کو ثروت مند بنایا اور یوروپی نشاۃ الثانیہ کی داغ بیل پڑی۔

دراصل ترجمہ کے ذریعے دو مختلف ثقافتوں اور مختلف سماجی پس منظر کی حامل قوتوں کے مابین ارتباط کی راہ پیدا ہوتی ہے، جس طرح ٹکنالوجی کی روز افزوں ترقی نے دنیا کو گلوبل ویلیج میں تبدیل کر دیا ہے، ٹھیک اسی طرح فن ترجمہ نگاری نے زبان کے لا متناہی سلسلے کو اس طرح یکجا کر دیا ہے جیسے ایک کوزے میں سمندر کو سمو دیا جاتا ہے۔ میخائیل نعیمہ نے مترجم کے تعلق سے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ :

"مترجم ہمارے اور اس عظیم انسانی خاندان کے درمیان رابطے کا ایک ذریعہ ہے، وہ زبان کے پردوں

میں چھپے ہوئے عظیم اذہان اور قلوب کے رازوں کو ہم پر وا کرتا ہے، ایک محدود اور تنگ دنیا سے نکال کر وسیع عالم تک لے آتا ہے اور پھر اسی عالم کے افکار، آرزوئیں، غم اور خوشیاں ہماری اپنی بن جاتی ہیں"۔[91]

اردو میں ترجمہ کی باضابطہ روایت مغرب سے منتقل ہو کر یہاں پہنچی اور اکثر و بیشتر زبانوں کی طرح یہاں بھی ترجمے کے دو طریقے رائج تھے، یعنی آزاد اور لفظی ترجمہ۔ جوں جوں فن ترجمہ ترقی کے منازل طے کرتا گیا اس میں مختلف النوع تراجم ہوتے گئے اور ایک زبان دوسری زبان سے علوم و معارف کے خزائن اپنے اندر منتقل کر کے علوم کے خزینے جمع کرتی رہی۔ جہاں تک اردو زبان میں ترجمے کے آغاز وارتقاء کا تعلق ہے تو برصغیر ہندوستان میں یہ روایت تقریباً پندرھویں صدی کے نصف آخر میں اپنی ابتدائی شکل میں نظر آتی ہے۔ اسی لیے یہ کہا جاتا ہے کہ یہی دور، اردو زبان کے آغاز اور ارتقا دونوں لحاظ سے بہت اہم ہے۔

اردو زبان میں ترجمے کی روایت کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ روایت اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ خود اردو زبان یعنی اس زبان کی تشکیل ہی ترجمہ کی مرہون منت ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود حتمی طور پر یہ بات ثابت نہیں تھی کہ پہلا ترجمہ یعنی اردو زبان میں سب سے پہلے کس کتاب کا ترجمہ کیا گیا؟ اس سلسلے میں محققین نے اردو زبان میں ترجمہ نگاری کے حوالے سے جس پہلی کتاب کا ذکر کیا ہے وہ ''نشاۃ العشق'' ہے جسے ایک صوفی بزرگ عبداللہ حسینی (جو حضرت بندہ نواز گیسودراز کے پوتے تھے) نے اردو زبان میں منتقل کیا تھا؛ لیکن اس سے بھی بعض محققین سخت اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ کہنا اور ثابت کرنا قدرے مشکل ہے کہ اردو میں پہلا ترجمہ کون سا ہے۔ ان کے خیال میں شاہ میراں جی خدا نما نے ابوالفضائل عبداللہ بن محمد عین القضاۃ ہمدانی کی تصنیف ''تمہیداتِ ہمدانی'' کا عربی سے اردو میں جو ترجمہ کیا تھا، وہ اردو کا پہلا ترجمہ ہے۔ بعض اس کو بھی تسلیم نہیں کرتے، ان کا خیال ہے کہ ملا وجہی، محمد قلی قطب شاہ کے عہد کا بہت اعلیٰ پائے کا نثر نگار اور شاعر تھا جس نے ۱۶۳۵ء میں اپنی شہرہ آفاق داستان ''سب رس'' لکھی جو فارسی سے اردو کا ایک ترجمہ تھا۔ اس

---

[91] عربی ادبیات کے اردو تراجم، مقدمہ

کا اسلوب مقفیٰ ہونے کے باوجود سادہ ودلکش تھا۔ لہٰذا اس ترجمہ کے متعلق ڈاکٹر سید عابد حسین عابد کچھ اس طرح اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:

''ترجمے کو ادبی قدر و قیمت اس وقت حاصل ہوتی ہے، جب ایک زبان سے دوسری زبان میں مفہوم کے ساتھ وہ آب ورنگ، وہ چاشنی، وہ خوش بو، وہ مزا بھی آجائے، جو اصل عبارت میں موجود تھا''۔[92]

مترجمین کی ترجمہ سے اس درجہ دلچسپی اور اس کے تئیں ان کی محنت ومشقت اور عرق ریزی اور دوسرے وہ سارے عوامل جن کی بدولت ترجمہ کا اہم فریضہ انجام پاتاہے وہ دراصل فن ترجمہ اور علم ترجمہ سے گہری وابستگی کی بین دلیل ہوتی ہے اور اسی کی روشنی میں مترجم عمدہ اور ایک بہترین ترجمہ کو وجود بخشتاہے۔ فن ترجمہ اور بالخصوص ادبی وفنی ترجمے کے گہربار مرحلہ کا ذکر آتاہے تو اس ضمن میں پروفیسر مسکین علی حجازی کی یہ عبارت اس پر بالکل صادق آتی ہے:

''علمی ادبی اور فنی مواد کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا خاصا دشوار کام ہے، یہ کام وہی شخص صحیح طور پر کر سکتاہے جو متعلقہ علم، صنفِ ادب یا فن کا ماہر ہونے کے علاوہ دونوں زبانوں پر مکمل طور پر قادر ہو''۔[93]

معلوم ہوا کہ مترجم کی دونوں زبانوں پر گرفت کے علاوہ ترجمہ کے تئیں اس کی دل چسپی اور اس کے لیے اس کا عرق ریزی کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ کیوں کہ ہر ترجمہ مترجم سے دوران ترجمہ موضوع کے تئیں مہارت اور محنت ولگن کا طالب ہوتا ہے۔ چنانچہ جب مطلوب کے مطابق فریضہ ترجمہ ادا کیا جاتاہے تو قارئین کی جانب سے داد وتحسین سے بھی نوازا جاتاہے۔

اردو زبان کے حوالے سے ہندوستان میں ترجمہ نگاری کے اس فن کو اُس وقت ایک نئی جہت ملی

92مشمولہ بیاض مبارک، مرتبہ سید زوار حسین زیدی، ص56

93مسکین علی حجازی، ڈاکٹر، صحافتی زبان، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 2007، ص73)

جب یہاں انگریزوں کی آمد ہوئی۔ انگریزی سے اردو میں ترجمہ شدہ پہلی کتاب بنجامن شلز کا 'انجیلِ مقدس' ہے جس کی اشاعت ۱۷۴۸ء میں ہوئی تھی۔

انگریزوں کی آمد کے بعد انگریزی زبان سے مقامی زبانوں میں ترجموں کا سلسلہ شروع ہوا۔ جب 1800ء میں فورٹ ولیم کالج کا قیام ہوا تو تراجم کے منظم سلسلے بھی شروع ہوئے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کالج نے انگریزی کی کسی کتاب کا اردو زبان میں ترجمہ نہیں کیا، بلکہ ان کے پیش نظر عربی، فارسی اور سنسکرت زبانیں رہیں اور اردو میں انہی زبانوں کی معروف کتابوں کو ترجمے کے ذریعے منتقل کیا جاتا رہا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس کالج نے زیادہ تر ایسی ادبی کتابوں کو اردو زبان میں منتقل کیا جو لوگوں کے لیے مفید ہو، ان میں داستان، کہانیاں و قصے شامل ہیں۔ یہاں خالص ادبی تصانیف جیسے شاعری وغیرہ کی کتابوں پر بہت کم توجہ دی گئی۔

گرچہ فورٹ ولیم کالج میں خالص ادب پر بہت زیادہ توجہ نہیں دی گئی لیکن یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ انہوں نے بکھرے ہوئے علوم کو عام فہم زبان میں ترجمے کر کے بہت اہم کارنامہ انجام دیا۔ فورٹ ولیم کالج میں لفظی تراجم پر زور نہیں دیا گیا بلکہ مفہوم کو اردو کا جامہ پہنانے کی سعی کی گئی۔ چنانچہ مترجمین متبادل الفاظ کے انتخاب میں نہ صرف آزاد رہے بلکہ تخلیقی تسلسل کو برقرار رکھنے اور قصے کو ہندوستانی معاشرت کا نمائندہ بنانے کے لیے روز مرہ کو ملحوظِ نظر رکھنے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ میر امن کی باغ و بہار، حیدر بخش حیدری کی طوطا کہانی، نہال چند لاہوری کی مذہبِ عشق وغیرہ کے تراجم میں زبان لڑکھڑانے کے بجائے رواں دواں نظر آتی ہے۔

ترجمے کی روایت کو ایک نئے موڑ سے آشنا کرانے میں دلی کالج (1825ء) نے بھی نمایاں کام انجام

دیا۔ یہاں ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی قائم کی گئی اور علوم جدیدہ کی کتابوں کے تالیف و ترجمے کے ذریعے ہندوستانی زبانوں کو ترقی دینے کی کوشش کی گئی۔اس سوسائٹی نے انگریزی سے ترجمہ کرنے پر زور دیا اور آزاد ترجمے کو ترجیح دی۔ فورٹ ولیم کالج کے مقابلے میں یہاں زیادہ وسیع پیمانے پر ترجمے کے کام انجام دیے گئے بالخصوص یہاں مختلف علوم کے تراجم پر زیادہ توجہ دی گئی۔

ترجمے کی اس روایت میں سر سید کی تحریک نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ سر سید کی سائنٹفک سوسائٹی نے ترجمے کی اس روایت کو آگے بڑھایا لیکن سیاسی اختلافات کے سبب بہت زیادہ تراجم نہیں ہوسکے۔ لیکن اس کے باوجود چند عمرانیات، تاریخ جیسے موضوعات کی بعض اہم علمی کتابیں یہاں ترجمہ ہوئیں۔ میر حسن اپنے مضمون 'اردو زبان میں وضع اصطلاحات کے مسائل' میں یوں رقم طراز ہیں:

> ''سر سیّد کی سائنٹفک سوسائٹی قائم شدہ 1863ء کو مغربی علوم اور سائنس کے تراجم اور اصطلاح سازی کے اعتبار سے کافی اہمیت حاصل ہے اس سوسائٹی نے چھوٹی بڑی تقریباً چالیس انگریزی کتابیں انگریزی سے اردو میں ترجمہ کراوئیں''۔[94]

1865ء میں جب انجمن پنجاب لاہور کا قیام عمل میں آیا تو اس کے تحت بھی ترجمے کے عمل کو فروغ دینے کی کوشش کی گئی لیکن یہاں بھی ادبی کتب میں زیادہ دلچسپی نہیں لی گئی اور سائنسی کتب کے ترجمہ پر زیادہ زور دیا گیا۔ 1865ء میں ہی روہیل کھنڈ میں ایک لٹریری سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا جس میں علمی اور مغربی علوم کی کتابوں کو اردو میں ترجمہ کیا گیا۔ اسی طرح چھوٹی چھوٹی انجمنوں کے تحت بھی ترجمے کی روایت کو آگے بڑھانے کی کوشش کی جاتی رہی۔ 1903ء میں انجمن ترقی اردو کے قیام سے اردو ترجمے کی روایت کو ایک نئی جہت ملی یہاں ادبی تراجم کے ساتھ ساتھ وضع اصطلاحات پر زیادہ توجہ

---

[94] مضمون مشمولہ ترجمہ کا فن اور روایت، مرتب ڈاکٹر قمر رئیس ص:222

صرف کی گئی۔تاریخ ادبیاتِ ایران، خطباتِ گارساں دتاسی،تاریخ عہد انگلشیہ، مشاہیر یونان وروم وغیرہ اس انجمن کے یادگار تراجم ہیں۔اردو میں ترجمے کی اس روایت کو منظم بنانے میں جامعہ عثمانیہ کا خاصا اہم کردار رہاہے۔ مختلف لوگوں کی تحقیق کے مطابق یہاں تقریباً 500 کتابوں کے ترجمے کئے گئے۔اس کے متعلق شہباز حسین رقم طراز ہیں:

> ''دراصل اردو میں سب سے منظم اور باضابطہ کوشش جامعہ عثمانیہ کے 1917ء میں قیام کے بعد شروع ہوئی، کیوں کہ جامعہ عثمانیہ نے ذریعہ تعلیم اردو کو قرار دیا تھا۔ جامعہ عثمانیہ میں ''سررشتہ تالیف وترجمہ'' قائم ہوا جس کے تحت پانچ سو(500) کے قریب کتابیں ترجمہ ہوئیں۔یہ کتابیں آرٹس اور سائنس، انجنیئرنگ اور میڈیسن تقریباً تمام جدید علوم پر حاوی تھیں۔ہندوستان کی کسی زبان میں اعلیٰ تعلیم دینے کا یہ پہلا تجربہ تھا جو بحیثیت مجموعی کامیاب رہا''۔[95]

مختصراً یہ کہ اردو زبان میں ترجمے کی روایت اتنی ہی قدیم ہے جتنی اردو کی قدامت۔اچھی بات یہ ہے کہ اس وقت بھی برصغیر میں ترجمے کا کام سرکاری اور نجی دونوں سطحوں پر جاری وساری ہے، گرچہ اس کی رفتار ابھی کافی سست ہے۔ضرورت اس بات ہے کہ اس میدان میں علمی مضامین کے ترجمے کا کام ماہرین کے سپرد کیا جائے تاکہ مستقبل قریب میں مختلف علوم کی کتابیں اردو زبان میں بہ آسانی دستیاب ہوسکیں۔اور دنیا بھر کی مختلف زبانوں کے ادب کو ماہرین ادب اردو میں منتقل کریں تاکہ اردو کا ادبی سرمایہ مزید ثروت مند ہوسکے۔

[95] ترجمہ کا فن اور روایت، ص نمبر 190

اردو میں ادبی ترجمے کی روایت

اردو میں ترجمے کی روایت کے متعلق محققین کے اکثریتی گروہ کا یہ ماننا ہے کہ اردو میں ترجمے کی روایت زبان کی قدامت کے ساتھ ساتھ ہے لیکن اس زبان میں ادبی تراجم کی روایت اور اس کے آغاز وارتقاء کے متعلق ابھی تک یہ بات وثوق کے ساتھ نہیں کہی گئی کہ اردو زبان میں سب سے پہلا ادبی ترجمہ کون سا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس موضوع پر عملی تحقیق کی ضرورت ابھی بھی درکار ہے۔ حالیہ تحقیق وطلب کے بعد یہ بات سامنے آئی ہے کہ اردو زبان میں تراجم کی نوعیت مختلف اور جداگانہ ہے، جن میں مذہبی، ادبی، سائنسی وغیرہ شامل ہیں۔ جہاں تک ادبی تراجم کا تعلق ہے تو اس سے قبل یہ بات کہی جاچکی ہے کہ اردو زبان میں ابتداءً ترجمے عربی اور فارسی زبان سے کیے گئے۔ جن میں قطب شاہی دور کے شاعر اور نثر نگار ملّا وجہی (متوفی ۱۶۵۶-۷۱ء) نے فتاحی نیشاپوری کے فارسی قصّہ 'حسن ودل' کا اردو ترجمہ 'سب رس' کے نام سے کیا تھا۔ اس کے علاوہ ملّا وجہی کے ہی ایک معاصر شاعر غواصی نے عربی کے مشہور ومعروف قصّہ 'الف لیلیٰ' کا منظوم ترجمہ 'سیف الملوک وبدیع الجمال' کے نام سے کیا۔ ان کی ایک اور مثنوی 'مینا ستونتی' ہے۔ اسی دور کا ایک اور شاعر ابن نشاطی تھا جس نے مثنوی 'پھول بن' لکھی۔ اس مثنوی کو ایک فارسی قصہ 'بساتین الانس' سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اسی دور میں غلام علی نے 'پدماوت' کا ترجمہ اردو میں کیا۔ سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں بھی عربی، فارسی اور سنسکرت کے قصّے اردو میں ادبی ترجمے کے مرکز بنتے رہے۔ 'الف لیلیٰ' عربی زبان کی داستان تھی جو فارسی کے توسط سے اردو میں آئی۔ بیتال پچیسی، سنگھاسن بتیسی، گل بکاؤلی وغیرہ اپنی اصل کے اعتبار سے سنسکرت کی ہی داستانیں ہیں جو اردو میں ترجمہ ہوئیں۔ داستان امیر حمزہ، طلسمِ ہوش ربا، قصہ چہار درویش وغیرہ اپنی اصل کے اعتبار سے فارسی کی داستانیں ہیں جو اردو میں منتقل ہوئیں۔

اسی طرح 59-1732ء کے درمیان عیسوی خاں نے ملّا واعظ کاشفی کے 'اخلاقِ محسنی' کو 'قصہ مہر افروز ودلبر' کے نام سے ترجمہ کیا۔ محمد حسین عطا خاں تحسین نے 75-1768ء کے درمیان فارسی قصہ 'چہار درویش' کا اردو ترجمہ 'نوطرزِ مرصع' کے نام سے کیا۔ اسی زمانے میں ملّا حسین واعظ کاشفی کی فارسی

تصنیف 'روضتہ الشہدا' کا اردو ترجمہ فضل علی فضلی نے 'کربل کتھا' کے نام سے کیا۔ پھر جب ہندوستان میں انگریزوں کی آمد ہوئی تو اس کے بعد ترجمہ نگاری کے فن کو ایک نئی جہت ملی۔ انگریزی سے اردو میں ترجمہ شدہ پہلی کتاب بنجامن شلز کی 'انجیلِ مقدس' ہے جس کی اشاعت 1748ء میں ہوئی تھی۔

مغرب سے اردو میں ادب کے اولین ترجمے کے متعلق یہ بات طے نہیں ہے کہ ادب کی کون سی کتاب سب سے پہلے اردو میں منتقل کی گئی، لیکن مرزا حامد بیگ نے مغرب سے ہونے والے ادبی تراجم کے ذیل میں پہلے ترجمے کا ذکر کیا، جو پہلی دفعہ کتابی شکل میں سامنے آیا۔ وہ رقم طراز ہیں:

> ''ہمارے ہاں ادبی تراجم کی تاریخ میں ڈاکٹر سیموئیل جانسن کے ترجمہ 'تواریخ راسلس' اور سید محمد میر لکھنوی کے ترجمہ 'شہزاد جیش کی' مطبوعہ آگرہ، طبع اول 1939 کی اہمیت اسے ہے کہ بلا کسی شک وشبہ کے مغرب کے کسی بھی زبان سے اردو میں ہونے والا، کتابی صورت میں پہلا ادبی ترجمہ ہے''۔[96]

ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کے بعد جب انگریزوں کی آمد کا سلسلہ دراز ہوا تو غیر منظم طریقے سے ہی انگریزی زبان سے مقامی زبانوں میں ترجموں کا سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن فورٹ ولیم کالج کا قیام (1800) کے بعد تراجم کا سلسلہ بہت ہی منظم طرز پر شروع ہوا۔ جہاں نہ صرف انگریزی کی کسی کتاب کا ترجمہ اردو زبان میں کیا بلکہ ان کے پیش نظر عربی، فارسی اور سنسکرت زبانیں رہیں اور اردو میں انہی زبانوں کی معروف کتابوں کو ترجمے کے ذریعے منتقل کیا جاتا رہا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فورٹ ولیم کالج نے اردو کے تخلیقی ادب میں تصنیف و تالیف کا کوئی اہم کارنامہ سرانجام نہیں دیا اور ڈاکٹر گلکرسٹ نے کالج کے طلباء کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے زیادہ تر کلاسیکی زبانوں کی مشہور اور معروف کتابوں کو ہی اردو میں منتقل کرنے کی کوشش کی۔ تاہم اس

---

[96] تراجم کے مباحث، ص نمبر 261

حقیقت کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں کہ گلکرسٹ نے پہلے پہل اردو کا نثری ادب پیدا کیا۔ میر امن کے الفاظ میں کہ گلکرسٹ نے کہا تھا:

> "قصے کو ٹھیٹ ہندوستانی زبان میں جو اردو کے لوگ، ہندو، مسلمان، عورت، مرد، لڑکے، بالے، خاص وعام، آپس میں بولتے چالتے ہیں ترجمہ کرو۔ موافق حکم حضور کے میں نے بھی اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے"۔ [97]

گلکرسٹ سے پہلے اردو نثر کی باقاعدہ روایت موجود نہیں تھی۔ بلاشبہ کچھ تراجم بکھری ہوئی صورت میں ضرور ملتے ہیں لیکن ان میں سے بیشتر تراجم زبان کی پیچیدگی کا شکار رہے۔ نیز فورٹ ولیم کالج کے کارناموں میں لفظی تراجم پر زور نہیں دیا گیا بلکہ مفہوم کو اردو کا جامہ پہنانے کی سعی کی گئی۔ چنانچہ مترجمین متبادل الفاظ کے انتخاب میں نہ صرف آزاد رہے بلکہ تخلیقی تسلسل کو برقرار رکھنے اور قصے کو ہندوستانی معاشرت کا نمائندہ بنانے کے لیے روزمرہ کو ملحوظِ نظر رکھنے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ میر امن کی باغ و بہار، حیدر بخش حیدری کی طوطا کہانی، نہال چند لاہوری کی مذہبِ عشق وغیرہ کے تراجم کی زبان میں جابجا روانی وسلاست نظر آتی ہے۔

دلی کالج (1825ء) نے بھی ادبی ترجمے کے میدان میں کچھ کام کیا ہے، گرچہ اس کا اصل میدان علمی ترجمہ ہی تھا۔ لیکن اس سے وابستہ کچھ اہل علم نے ادبی ترجمے بھی کیے۔ دلی کالج سے وابستہ افراد کی جانب سے کیے گئے چند معروف ادبی تراجم میں امام بخش صہبائی کا ترجمہ 'حدائق البلاغت' ماسٹر پیارے لال کا ترجمہ 'دربارِ قیصری' اور ان کے علاوہ دیگر ادباء کے تراجم میں قصہ چہار درویش، کلیلہ ودمنہ، شکنتلا، بدرِ منیر وغیرہ اہم ہیں۔ سید اعظم علی اکبر آبادی جو مرزا غالب کے دوستوں میں سے تھے، انہوں نے بھی

---

[97] مضمون، فورٹ ولیم کی اردو خدمات از شجاعت علی سندیلوی

'سکندر نامہ' کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اسی زمانے میں خواجہ امان نے 'بوستانِ خیال' کے نام سے میر تقی خیال کی فارسی داستان کی دس جلدوں میں سے پانچ جلدوں کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اردو میں انگریزی کی منتخب نظموں کا پہلا ترجمہ 'جواہرِ منظوم' کے نام سے قلق میرٹھی نے اسی زمانے میں کیا۔ اسی زمانے میں گارساں دتاسی کے خطبات کا بھی اردو میں ترجمہ کیا گیا۔

ادبی ترجمے کی اس روایت میں تحریک سرسید سے کبھی انکار نہیں کیا جاسکتا کیوں اس تحریک کے زیر اثر سائنٹفک سوسائٹی نے ترجمے کی اس روایت کو آگے بڑھایا۔ تحریک سرسید کے متاثر افراد کی جانب سے مختلف ادبی تصانیف کو اردو میں منتقل کرنے کی کوششیں ہوئیں، لیکن سیاسی اختلافات کے باعث یہ کوششیں بہت زیادہ وسیع نہیں ہو سکیں۔ چند ادبی تراجم جنہیں قبولِ عام حاصل ہوا جس میں دانتے کی ڈیوائن کامیڈی اور شیکسپیئر کے ڈرامے وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

1930ء کے بعد بہت بڑے پیمانے پر دوسری زبانوں سے ادب کے ترجمے شروع ہوئے اور اس دور کے تقریباً تمام ادیبوں نے فرانسیسی، روسی، ترکی، اطالوی، چینی اور امریکی ادب کے شاہکاروں کو اردو زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کی۔ اس دور میں ترجمہ بطور فن اپنی جڑیں مضبوط کر چکا تھا۔ چنانچہ مشرق و مغرب کی بیشتر زبانوں کے تراجم ہوئے جو آج ہمارے ادبی سرمایے کا بڑا ہی قیمتی حصہ ہیں۔ لیکن ترجمے کی اس پوری تحریک اس کا ایک کمزور پہلو بھی ہے۔ ہندوستان میں مختلف علاقائی زبانیں بولی جاتی ہیں جن کی اپنی ایک تاریخ و تہذیب اور اپنا ایک ادب ہے۔ ان علاقائی زبانوں کے ادبیات کے تراجم پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی، شاید اس عمل کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ہم دیگر ممالک کی تہذیب اور ان کے ادبیات سے جس قدر واقف ہیں اپنے ملک کے دوسرے علاقوں کی تہذیب اور

ادبیات سے واقف نہیں ہیں۔ گرچہ آزادی کے بعد اس سلسلے میں بعض کوششیں کی گئی ہیں مثلاً نیشنل بک ٹرسٹ، ساہتیہ اکادمی اور دیگر اداروں نے علاقائی ادب کے کچھ شہ پاروں کے تراجم شائع کئے ہیں۔

1936ء کے بعد اردو میں ادبی اور تنقیدی تراجم میں اضافہ ہوا۔ مغربی تنقید کی کتابوں کے بہت سے ترجمے اردو زبان میں پیش کئے گئے۔ عزیز احمد نے ارسطو کی بوطیقا کا ترجمہ 'فنِ شاعری' کے نام سے کیا جس کو انجمن ترقی اردو نے 1941ء میں شائع کیا۔ 1968ء میں محمد ہادی حسن نے مغرب کی ایک تنقیدی کتاب کا ترجمہ 'مغربی شعریات' کے نام سے کیا۔ ارسطو کی کتاب بوطیقا کا ترجمہ شمس الرحمن فاروقی نے بھی 'شعریات' کے نام سے 1978ء میں کیا۔ 1976 میں جمیل جالبی کی ترجمہ شدہ کتاب 'ارسطو سے ایلیٹ تک' شائع ہوئی۔ 'ایلیٹ کے مضامین' کے نام سے جمیل جالبی نے ایلیٹ کے انگریزی مضامین کو اردو میں منتقل کیا جو 1978ء میں شائع ہوئی۔ 1977ء میں ہڈسن ولیم ہنری کی ادبی کتاب کا ترجمہ عصمت جاوید نے کیا جو اردو رائٹرز گلڈ الہ آباد سے شائع ہوا۔ اس دور میں ترجمے کی رَو پہلے سے کہیں زیادہ تیز ہوگئی۔ نیاز فتح پوری نے گیتانجلی کا ترجمہ 'عرضِ نغمہ' کے نام سے کیا۔ سجاد حیدر یلدرم اور حامد اللہ افسر کے چند ترجمہ شدہ افسانے شائع ہوئے۔ جلیل قدوائی، صادق الخیری، منصور احمد، حامد علی خان، محمد مجیب، فضل حق قریشی، خواجہ مہدی علی خان وغیرہ نے مغربی افسانوں کو اردو میں ترجمہ کرنے کی اہم ذمہ داری نبھائی۔

ل۔احمد نے فرانسیسی ادیبہ کی خود نوشت 'کیسانونا' کو 'نئی صبح' کے نام سے ترجمہ کیا۔ گوپی ناتھ امن 1961ء میں راجندر پرساد کی خود نوشت کو اردو میں 'اپنی کہانی' کے نام سے ترجمہ کیا۔ ان کے علاوہ محمد علی صدیقی نے 'کروچے کی سر گزشت 'اور اختر حسین رائے پوری نے 'گورکی کی آپ بیتی' کے نام سے ترجمہ کیا۔ ابوالکلام قاسمی نے ای ایم فاسٹر کی کتاب کا اردو ترجمہ ناول کا فن کے نام سے شائع کیا۔

علاوہ ازیں دارالمصنفین اعظم گڑھ، ہندوستانی اکیڈمی الٰہ آباد اور اردو اکیڈمی جامعہ ملیہ نے بھی مغربی علوم اور ادب کے گراں قدر ترجمے شائع کئے اور آزادی کے بعد نیشنل بک ٹرسٹ، ساہتیہ اکیڈمی اور ترقی اردو بورڈ موجودہ فروغ اردو کونسل نے ادبی و علمی کتابوں کے تراجم شائع کئے ہیں۔

ادبی تراجم کے ضمن میں دینی مدارس کی خدمات کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، جن میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، دارالعلوم دیوبند، جامعہ سلفیہ بنارس، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور اعظم گڑھ، جامعہ الفلاح، بلریا گنج اعظم گڑھ اور مدرستہ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ سر فہرست ہیں، مذکورہ مدارس میں عربی اور فارسی سے مذہبی اور ادبی کتابوں کے ترجمے کئے گئے، جن کے مطالعہ سے ادبی اور مذہبی ترجموں کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ترجمہ کے ضمن میں ان انفرادی کوششوں سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا ہے جن میں بالخصوص اردو شعراء واد باء نے اپنی گراں قدر خدمات انجام دیں، جن میں محمد حسین آزاد، سر عبد القادر، عبدالحلیم شرر، ہادی رسوا، سجاد حیدر یلدرم، پریم چند، حسرت موہانی، ظفر علی خان، رتن ناتھ سرشار، مولوی عبدالحق، عزیز لکھنوی، تلوک چند محروم، منشی عنایت اللہ، نادر کاکوروی، حافظ محمود شیرانی، میراجی، سعادت حسن منٹو، ن۔ م راشد، علی سردار جعفری، احمد علی، فیض احمد فیض، عزیز احمد، محمد حسن عسکری، ڈاکٹر جمیل جالبی، مجنوں گورکھپوری، احسن فاروقی، انتظار حسین، ابن انشاء، فہیم اعظمی، رضیہ سجاد ظہیر، قراۃ العین حیدر، کشور ناہید کے علاوہ سید کاشف رضا، آصف فرخی، نگہت رضوی، محسن بھوپالی، حسن عابدی، حیدر جعفری ارمان نجمی، وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ موجودہ دور میں ڈاکٹر سہیل احمد فاروقی، ڈاکٹر سید محمود کاظمی، ڈاکٹر فہیم الدین احمد، پروفیسر رضوانہ معین، ڈاکٹر میمونہ حمزہ، خالد حامد، ڈاکٹر صفوان احمد، پروفیسر سفیان اصلاحی وغیرہ جیسے بے شمار مترجم اردو زبان کو مزید ثروت مند بنانے میں اپنی ترجمہ نگاری کے ذریعہ اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

اردو میں عربی ادب کے ترجمے کی روایت

اقوام عالم کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ زندگی کی دوڑ اور اس کی رفتار میں ہمیشہ دوسروں کے ساتھ مل کر چلنے اور اپنے تہذیبی ورثہ سے دوسری اقوام کو واقف کروانے میں سر گرم عمل رہی ہیں۔ قومیں اپنے تعلقات استوار کرنے اور معاملات کو فروغ دینے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے بھی مستقل تگ ودو میں لگی رہتی ہیں۔ان تمام چیزوں میں جہاں دوسرے بہت سارے عوامل اپنا کردار ادا کرتے ہیں تو وہیں اقوام عالم کی زبان کا بہت اہم کردار ہوا کرتا ہے۔ہم جانتے ہیں کہ عربی زبان میں ایک طرح کی آفاقیت پائی جاتی ہے اور اس کے وارث ہمیشہ اپنی اس آفاقی زبان کی بقاء واستحکام کے لیے رسائل و جرائد اور کتابوں کی اشاعت کے ذریعہ اس کی نوک پلک درست کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔زمانہ جاہلیت سے لے کر اب تک عربی زبان کی تاریخ اور اس میں پوشیدہ علوم کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ عربی زبان کے چاہنے والوں نے کس درجہ اپنی زبان کی حفاظت واشاعت کی ہے اور اس کے اندر مختلف النوع علوم کو کس حد سمویا ہے۔عربی زبان سے اس لگاؤ نے جہاں اس زبان کو مختلف علوم سے ثروت مند بنایا تو وہیں عربی ادب کو بھی خوب سے خوب ترقی ہوئی۔تاریخ ادب عربی میں احمد حسن زیات اس کے متعلق کچھ یوں رقم طراز ہیں:

> ”عربی ادب کا سرمایہ متعدد وجوہ کی بناء پر بڑی وسعت اور عظیم اہمیت رکھتا ہے۔اس نے قدیم زمانہ میں دنیا کی تمام ترقی پسند اقوام کے علوم وفنون وآداب کو نہایت کشادہ ظرفی سے اپنے اندر محفوظ کر لیا تھا اور آج بھی یہ دنیا کی جدید علمی تحقیقات اور ادبی تصانیف کو اپنے اندر جذب کر لینے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کر رہا ہے۔اس طرح دنیا کی تمام زبانوں میں صرف عربی زبان ہی کو یہ مقام حاصل ہے کہ وہ بیک وقت علوم قدیمہ وجدیدہ کا تمام ضروری وکارآمد سرمایہ اپنے اندر رکھتی ہے“۔[98]

---

[98] تاریخ ادب عربی،(سورتی صاحب کا ترجمہ)،ص نمبر 17

زمانہ جاہلیت سے لے کر اب تک جہاں عربی ادیبوں، شاعروں، انشاءپردازوں اور نثر نگاروں نے اس زبان کی حفاظت وصیانت کا اہم فریضہ انجام دیا ہے وہیں دوسری طرف وہ ممالک جہاں کی زبان عربی نہیں ،وہاں کے ماہرین نے عربی ادب کی عظمت اور اس کے اندر موجود جاذبیت سے روشناس کروانے کے لیے اس کے ادب کو اپنی زبان میں ترجمہ کے ذریعہ منتقل کر کے اپنے ہم زبان افراد کو اس عظیم ادب سے روشناس کرایا ہے۔ یہاں زیر نظر موضوع اردو زبان میں عربی ادب کے تراجم کی روایت ہے جس کے تحت تحقیق کی جارہی ہے۔ یہ بات اس سے قبل واضح کی جاچکی ہے کہ اردو زبان میں عربی ادب کے تراجم کی روایت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ انہی تراجم نے اردو کی تشکیل و تعمیر میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ قدیم زمانے میں شروع کردہ تراجم کا یہ سلسلہ آج بھی کسی نہ کسی حیثیت میں جاری ہے۔ وہ اہل علم حضرات جو عربی اور اردو دونوں زبانوں کے رموز واو قاف سے گہری واقفیت رکھتے ہیں انہوں نے عربی ادب کے شہ پاروں کو اردو زبان کا جامہ پہنا کر قابل قدر کارنامہ انجام دیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ برصغیر کے علماء نے جہاں عربی زبان میں مختلف علوم جیسے قرآن وحدیث، فقہ، لغات ومعاجم، تاریخ وفلسفہ وغیرہ میں طبع آزمائی کی تو وہیں عربی میں موجود شعر وشاعری، ادب وصحافت اور رسائل وجرائد کے میدان میں بھی تخلیقی کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔

عربی زبان میں بحیثیت زبان وادب برصغیر کے علما کے کارناموں کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ، جن میں عربی قاموس ولغات، علوم حکمت وفلسفہ کی کتب کی تصنیفات، شعر و شاعری، عربی صحافت وغیرہ کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ لیکن جہاں تک اردو میں عربی ادب کے ترجمے کی روایت کا معاملہ ہے تو وہ دراصل اردو زبان کے وجود کے ساتھ جڑی ہے۔ کیوں کہ اس زبان کا وجود بنیادی طور پر فارسی اور عربی زبان کے وسیلے سے ہوا۔ یہی وجہ رہی کہ ابتداءً جب اردو زبان میں عربی سے تراجم کا سلسلہ شروع ہوا تو ان تراجم میں عربی وفارسی کے ثقیل اور بھاری الفاظ سے اردو قارئین کو گذرنا پڑا۔

برصغیر سے عربی زبان وادب کا تعلق کافی قدیم رہا ہے، تجارتی، سماجی، ثقافتی اور تہذیبی اعتبار سے اس زبان کی جڑیں برصغیر میں بالخصوص ہندوستان کے ساتھ کافی مضبوط رہی ہیں۔ ہندوستان میں عربی زبان کو سرکاری سطح پر فارسی کی طرح کا مقام ومرتبہ نہیں ملا لیکن اس کے باوجود یہ زبان یہاں کی تہذیب پر کافی اثر انداز ہوئی ہے۔ ہندوستان میں عربی ادب کے شہ پاروں کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور ساتھ ہی عربی ادب کے خزانے میں ہندوستانی علماء نے مختلف اضافوں کے ذریعہ اسے مزید مستحکم اور ثروت مند بنایا۔ ہندوستان کی تاریخ میں عربی ادب کو سیراب کرنے کا سلسلہ گرچہ دوسری اور تیسری صدی ہی شروع ہو گیا جس میں ابوالعطا فلح بن یسار سندھی، منصور ہندی، ہارون بن موسی ملتان وغیرھم کے نام قابل ذکر ہیں۔[99]

الغرض عربی ادب کے سرمایے کی تاریخ میں ہندوستان کی ہر صدی اس بات کی شاہد ہے کہ یہاں عربی ادب کی ترویج واشاعت مسلسل جاری رہی ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہاں کے لوگوں، بالخصوص مسلمانوں، نے زبان وادب کے ساتھ اہم علمی ورثے اور قدیم ترین ثقافت کو ہر سطح پر اجاگر کیا۔

عربی زبان وادب سے گہری وابستگی کے باعث برصغیر کے علماء وفضلاء نے اردو زبان میں عربی ادب کی کتابوں کی منتقلی کا فریضہ بھی بحسن وخوبی انجام دیا اور آج بھی وہ سلسلہ جاری ہے۔ ہندوستان کی نامور شخصیات میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا اعزاز علی، مولانا وحید الزمان کیرانوی، مولانا ذوالفقار دیوبندی، مولانا وحید الدین فراہی، علامہ شبلی نعمانی وغیرہم کے نام قابل ذکر ہیں جنہوں نے عربی ادب میں اضافے کے ساتھ ساتھ عربی ادب کے اردو تراجم، اردو- عربی لغات وقاموس وغیرہ کی ترتیب کے میدان میں اہم کام انجام دیے اور اردو زبان کے قارئین کے لیے آسانیاں اور مطالعے کا سامان فراہم کیا۔

---

[99] ہندوپاک میں عربی ادب۔ ص15-14

عربی ادب کے اردو تراجم کے ضمن میں دیکھا جائے تو ہندوستانی مدارس کے نصاب میں شامل نصاب عربی ادب کی مختلف کتابوں کے متعدد اردو تراجم اردو داں طلبا کو عربی سکھانے کے لیے کیے گئے، جن سے ضمنی طور پر قارئین کو عربی ادب سے واقفیت ہوئی۔ تو وہیں عربی زبان کے مختلف قدیم و جدید ادباء، شعراء، ناول نگاروں اور افسانہ نگاروں کی کتابوں کے بھی اردو تراجم کر کے اردو زبان کو ثروت مند بنایا گیا۔ عربی ادباء و شعراء میں سے احمد امین، طہ حسین، مصطفی المنفلوطی، محمود العقاد، علی طنطاوی وغیرہ کے ادبی شاہکار اور ناولوں کی اردو میں منتقلی کا فریضہ انجام دے کر جہاں اردو داں طبقے کو عربی ادب و ثقافت سے واقفیت بہم پہنچانے کی کوشش کی گئی وہیں اس سے خود اردو زبان کے ادب بھی مالا مال کیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ عربی ادب کی مختلف اصناف میں کافی ترقی ہوئی ہے چنانچہ ادب کے اس فروغ کے باعث ترجمے کی اہمیت بھی روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ پروفیسر محمد حسن فرماتے ہیں کہ:

> "اس میں کوئی شک نہیں کہ آج جب دنیا کی طنابیں کھینچ رہی ہیں اور علم عالمگیر سطح پر ایک اکائی بنتا جارہا ہے۔ کوئی زبان بھی ترجمے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی کہ جب تک نئے خیال کا خون اور نئی آگہی کا نور رگ وریشے میں سرایت نہ کرے زندگی دشوار ہے۔ یہی نہیں بلکہ آج کی دنیا میں زبانوں کی مقبولیت کا پھیلاؤ اور اہمیت کا دارومدار بڑی حد تک ان کے مفید ہونے پر ہے اور افادیت کا پیمانہ یہ ہے کہ کوئی زبان اپنے زمانے کے علمی سرمائے اور ادبی ذخیرے کو کس حد تک اپنے پڑھنے والوں تک پہنچانے کی اہل ہے۔ اردو زبان کی خوش بختی ہے کہ اس نے ترجموں کی روایت کو ابتداء ہی سے اپنایا۔ اپنے دریچے باہر سے آنے والی ہواؤں کے لیے کھولے۔ اور بین الاقوامی کلچر کے نقوش سے اپنی محفل کو آباد کیا۔ اس دور تک آتے آتے وہ پرانی روایت بھی ناکافی ہوگئی اور نئی دنیا کے تہذیبی سیاق وسباق نے برق رفتاری کے ساتھ ترجمے کے کام کو پھیلانے کو ناگزیر بنادیا"۔[100]

عربی مدارس کے نصاب میں داخل کتابوں میں مقاماتِ حریری، دیوان حماسہ، سبعہ معلقہ، دیوان

---

[100] پروفیسر محمد حسن، ترجمے کے بنیادی مسائل، ترجمے کا فن اور روایت ص: 97-80

المتنبی، کلیلۃ ودمنۃ، نفحۃ العرب، قصص النبیین وغیرہ کے متعدد اردو تراجم منظر عام آچکے ہیں اور خوش آئند بات یہ ہے کہ ایک ہی کتاب کے کئی تراجم مختلف ماہر مترجمین کے وسیلے سے قارئین کے مطالعے کے لیے میسر ہو رہے ہیں۔

عربی ادب بہت ساری کتابوں کے تراجم میں مقامات حریری کا ترجمہ و تشریح شامل ہے جو درس نظامی کے ادب عالیہ میں شامل ہے۔ عربی ادب میں اس کتاب کو جو مقام حاصل ہے وہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کتاب کے کئی اردو تراجم منظر پر آچکے ہیں جن کی مدد سے اردو طلباء اپنی ادبی تشنگی بجھا رہے ہیں۔ مقامات کے سلسلے میں مشہور نحوی عالم ابوالفتح مطرزی کہتے ہیں:

> "زبان وادب کی کتابوں اور عرب کی تصانیف میں میری نظر سے کوئی ایسی کتاب اب تک نہیں گذری جو مقامات حریری کے مقابلہ میں تالیف و تصنیف و ترتیب کے لحاظ سے زیادہ حسین اور عجیب وغریب ہو یا عربی عجائب اور ادبی نوادرات کو زیادہ جامع ہو، مقامات ایک فخریہ پیشکش، ایک مشہور کتاب اور ایک معجزانہ تصنیف ہے"۔[101]

اسی طرح عربی زبان کا ایک شاہکار ادبی شہ پارہ "السبع المعلقات" ہے۔ یہ کتاب ادب کے ان اعلیٰ اشعار کا مجموعہ ہے جو بعثت نبوی سے قبل کے زمانے میں کہے گئے ہیں، جس وقت عرب کا بچہ بچہ برجستہ اشعار کہنے پر قادر تھا، ان کا ادبی ذوق زندہ تھا اور ذہن کے جھروکوں میں ہزاروں قصیدے بہ آسانی سما جاتے تھے۔ یہ معلقات دراصل حرم مکی میں واقع کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کیے جاتے تھے، اسی باعث یہ معلقات (لٹکائے ہوئے) سے موسوم ہوئے۔ سبعہ معلقہ اسی زمان ومکان کے سات اعلیٰ شعری شاہکاروں کا مجموعہ ہے۔ ان

[101] درس مقامات، مقدمۃ العلم، ص 26

معلقات میں عربی الفاظ کا عظیم ذخیرہ،اچھوتے اسالیب، منفرد طرز بیان اور تشبیہات واستعارات کے حسین امتزاج پائے جاتے ہیں جو عربی کے جدید دور میں بھی موضع استدلال واستشہاد ہیں۔

معلقات کے برصغیر میں کئی تراجم منظر عام پر آچکے ہیں۔جس میں قاضی سجاد حسین کا ترجمہ ''عربی ادب کے سات منظوم شاہکار'' کے نام سے موجود ہے،اس کے علاوہ مولانا عتیق الرحمن کا ترجمہ 'تصریحات' (جس میں لغوی، صرفی، نحوی تحقیق اور قرآنی استشہادات کو بھی پیش کیا گیا ہے)مولانا محمد ناصر کا ترجمہ 'تسھیلات'اور ایک ترجمہ ''التوشیحات'' کے نام سے موجود ہے۔

اسی طرح درس نظامی میں داخل نصاب فن ادب پر عربی کی مشہور ومعروف کتاب ''دیوان حماسۃ'' ہے۔جو ہمہ جہت خوبیوں سے مالامال ہے۔یہ منظوم عربی ادب کی ایک نمایاں کتاب ہے،جو زمانے سے درس نظامی میں داخل نصاب ہے۔اس کتاب کی مختلف لوگوں نے تشریح وتوضیح کی ہے جن میں مولانا عبدالخالق سنبھلی کا ترجمہ 'مفتاح الفراسۃ'ابوالحسن قادری بن محمد صادق کا ترجمہ 'اتقان الفراسۃ شرح دیوان حماسۃ' مولانا ذوالفقار علی کا ترجمہ 'تسھیل الدراسۃ'ابن الحسن عباسی کا ترجمہ 'توضیح الدراسۃ' مولانا محمد نور حسین اور مولانا صدیق ارکانی کا ترجمہ 'مطرالسماء شرح باب الحماسۃ' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اسی طرح ''دیوان المتنبی''،جو درس نظامی میں درجہ عربی پنجم میں پڑھائی جاتی ہے۔اس کے کئی اردو تراجم اور تشریحات وتوضیحات کی گئی ہیں۔جن میں مولانا اعزاز علی کا ترجمہ 'ترجمہ دیوان المتنبی'،مولانا ذوالفقار علی دیوبندی کا ترجمہ 'تسہیل البیان'محمد امین کھوکھر اور محمد یٰسین قصوری کا 'ترجمہ دیوان متنبی'،مفتی محمد یار خان قادری کا ترجمہ 'شرح دیوان المتنبی'اور نظام الدین اسیر ادروی(المعروف بہ اسیر ادروی)کا ترجمہ 'شرح اردو دیوان متنبی' قابل ذکر ہے۔ان تراجم میں اسیر ادروی نے دیوان متنبی اور خود متنبی پر بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے۔اسیر ادروی صاحب کتاب کے متعلق کچھ اس طرح گویا ہیں:

''متنبی درحقیقت غزل کا نہیں قصیدے کا شاعر ہے اوراس کی ساری زندگی مداحی میں گذری

ہے۔لیکن اس کی فکر فلک پیمانے قصائد کی تشبیب میں غزل کے جتنے خوب صورت اشعار پیش کیے ہیں اس وقت کی عرب شاعری میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔اس نے عروس غزل کی نوک پلک کو اپنے موئے قلم سے جس طرح سنوارااورآراستہ کیاہے کہ آج تک اس کا رنگ وروپ دھندلا نہیں ہوا ہے۔اس کی آب وتاب آج بھی قائم ہے"۔[102]

اس کے علاوہ مولانااعزاز علی کی عربی ادب کی مشہور کتاب ''نفحۃ العرب''،سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ''مختارات''اور مشہور مصری ادیب طٰہٰ حسین کی کتاب الوعد الحق،الأیام وغیرہ اور دوسرے ادیبوں کی کتابوں کے اردو تراجم منظر عام پر آچکے ہیں۔

اردو زبان میں عربی ادب کے شہ پاروں کے مختلف تراجم ہوئے ہیں جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ عربی علماء وفضلاء اردو زبان کی ترویج واشاعت میں کسی قدر پیچھے نہیں ہیں۔اس ضمن میں ہندوستانی مدارس وجامعات کے اساتذہ سرفہرست ہیں۔نیز آج بھی ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں شعبہ عربی سے منسلک اساتذہ وپروفیسران عربی ادب کی ترویج واشاعت بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔جن میں جامعہ ملیہ اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، دہلی یونیورسٹی، جواہر لال نہرو یونیورسٹی،الٰہ آباد یونیورسٹی ، انگلش اینڈ فارن لینگویج یونیورسٹی (حیدرآباد) اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی وغیرہ قابل ذکر ہیں،اور وہیں دوسری طرف عربی ادب کے اردو تراجم میں مدارس اسلامیہ کے اساتذہ اردو زبان کو عربی ادب کے تراجم کے ذریعہ فروغ دینے میں کوشاں وسرگرداں ہیں اوراس کا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

ادبی ترجمہ:اصول ونظریات

اقوام عالم کے درمیان باہمی رفاقت میں اضافے کی بنیادی کڑی ترجمہ ہی ہے۔ہم آج ساری دنیا کی تاریخ سے واقفیت پر فخر کرتے ہیں تو اس کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ ابتداء سے ہی ہمارے اکابرین نے ترجمے کی روایت کو قائم رکھا اور پوری دنیا کے نادر ونایاب شہہ پاروں کو اردو زبان میں منتقل کرکے بیش

---

[102] شرح دیوان المتنبی،اسیر ادوری، ص25-26

بہا خزانہ ہماری زبان میں فراہم کردیا۔ ترجموں کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ دوسری زبانوں کے افکار وخیالات سے آگاہی ہوتی ہے بلکہ اس زبان میں رائج اسلوب اور صنف سے بھی دوسری زبان مستفید ہوتی ہے۔اخذ واستفادہ کا یہ عمل اس قدر مشہور اور مستعمل ہے کہ اردو زبان میں اس کے بیش بہا نمونے دیکھنے میں آتے ہیں۔ نثر ہو یا شاعری، ان کی وہ تمام اصناف جس کی بنیاد پر اردو ادب قائم ودائم ہے ،وہ سب کی سب دوسری زبانوں سے ہی ہماری زبان میں داخل ہوئی ہیں؛ گرچہ ان میں بہت ساری اصناف سے اخذ واستفادہ نہیں ہو سکا جس کے باعث وہ اصناف ہمارے یہاں چل نہیں سکیں، لیکن کچھ اصناف ایسی بھی ہیں جنہوں نے اردو زبان کی آبرو کی حیثیت اختیار کرلی۔ غزل کی مثال ہمارے سامنے ہے جو فارسی سے ہوتی ہوئی ہمارے یہاں آئی، لیکن یہاں موجود دوہے سے الگ رہ کر ایسی پذیرائی حاصل کی کہ اردو غزل کا دامن وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔اور بہت سارے شعراء فارسی میں غزل گوئی کو ترک کرکے اردو میں غزل کہنے لگے۔ غالب ؔاس کی بڑی مثال ہیں۔ غالبؔ کے کلام کی پذیرائی صرف اس لیے ہوئی کہ وہ فارسی زبان میں غزل کی روایت سے واقف تھے۔انہوں نے اس روایت میں اضافے بھی کئے اور اس کے دامن کو وسیع بھی کیا۔ ترجمے کی اپنی ایک قدیم تاریخ اور روایت ہے، لیکن اس سلسلے میں ادبی ترجموں کو خاص اہمیت یوں حاصل ہے کہ ادب میں ایک مخصوص عہد کے تمام سماجی لوازمات بدرجۂ اتم موجود ہوتے ہیں۔ ادبی ترجمے میں اگر ہم صرف نثری ترجمے کا ذکر کریں تو اندازہ ہوگا کہ ''الف لیلہ'' کے ترجمے سے ہی ہماری زبان میں کہانیوں کا کتنا بڑا سلسلہ قائم ہوگیا اور پھر ناول یا افسانوں کے معاملے میں مغربی ناولوں اور شارٹ اسٹوریز کے ترجموں نے جو انقلاب پیدا کیا اس کی مثال دینے کی ضرورت نہیں۔ ترجمے کے ذریعہ ہم نے روس، انگلینڈ اور امریکہ ہی نہیں ایران اور عرب کی طرز معاشرت سے بھی آگاہی حاصل کی۔اردو میں ترجمے کی یہ تاریخ بہت قدیم ہے اور ہمارے ماہرین نے اسے باضابطہ ایک فن کا درجہ دے رکھا ہے۔

فن ترجمہ ایک ایسا فن ضرور ہے جس کے معیار کے تعین کے لیے کوئی اصول مقرر نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس فن کی قدر و قیمت کا ٹھیک سے جائزہ نہیں لیا جاسکتا۔ ماہرین اگر بطور خاص اردو زبان میں ترجمے کی روایت کے شاکی ہیں تو وہ صرف اس لیے کہ ہمارے یہاں شعری اور نثری سرمائے کی طرح ترجمہ نگاری کے اصول وضوابط باضابطہ مقرر نہیں کئے گئے ہیں۔ جس سے ایک بڑی خرابی یہ آئی کہ ہمارے تراجم کے ذخیرے میں بہت ساری اچھی چیزوں کے ساتھ کچھ خراب ترجمے بھی شامل ہوگئے، کیوں کہ جب تک کسی بھی فن کے لیے کوئی احتسابی اصول مقرر نہ کیا جائے اس فن کی اہمیت وافادیت میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ دیگر زبانوں کے مقابلے اردو زبان میں ماہر مترجمین اردو کی بڑی فہرست قائم نہیں ہوسکی۔ انگریزوں نے اس کی شروعات ضرور کی اور اس سے اردو زبان وادب کے دامن میں چاند ستارے بھی ٹانکے گئے لیکن ایک خاص عہد کے بعد ترجمے کی اہمیت کو پس پشت ڈال دیا گیااور نتیجہ یہ ہوا کہ زبان میں جس تیزی سے وسعت آئی تھی اس تیزی سے کمی آتی گئی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوئی کہ ہم رفتہ رفتہ کلاسیکی روایت سے دور ہوتے چلے گئے اور بطور خاص اردو زبان کے تعلقات جن خاص زبانوں، یعنی عربی اور فارسی، سے تھے ہم نے ان زبانوں کو پڑھنا ہی ترک کردیا نتیجہ یہ ہوا کہ جتنی ترقی زبان اردو کو ہونی تھی ہوچکی اور اس میں کسی اضافے کی اب کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ ترجمے کی روایت کو اگر باقی رکھا جاتا تو آج اردو کا دامن جس قدر وسیع ہے اس میں خاطر خواہ اضافہ ہی ہوتا۔ لیکن ایک خوش آئند بات یہ ہے حالیہ دنوں میں یہ دیکھا جارہا ہے کہ برصغیر میں ذاتی اور شخصی طور یوروپین ادب کے اردو تراجم بڑی تیزی سے منظر عام پر آرہے ہیں، جو اردو زبان وادب کے لیے بڑی خوش آئند بات ہے۔

فن ترجمہ کے اصول و قواعد، طریقہ کار کے حوالے سے شروع ہی سے اختلاف رہا ہے۔ تاہم ناقدین اور مترجمین نے اپنے اپنے نقطۂ نظر سے وضاحتیں کیں جس کے نتیجے میں چند اصول و قواعد سامنے آئے ہیں

گرچہ جنھیں حتمی نہیں کہا جا سکتا البتہ یہ بنیادی اصول ترجمہ کرنے میں ضرور معاونت کریں گے۔

سید باقر حسین نے الفاظ اور عبارت کا ترجمہ کرنے کے لیے علیحدہ علیحدہ اصول بیان کیے ہیں اور ان کے مطابق الفاظ کا ترجمہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ :

۱۔ ترجمہ صحیح ہونا چاہیے۔

۲۔ حتی الامکان عام فہم ہونا چاہیے۔

۳۔ سبک اور خوبصورت ہونا چاہیے۔

جبکہ عبارت کا ترجمہ کرنے کے لیے انہوں نے پانچ بنیادی اصول بتائے ہیں۔

۱۔ ترجمہ حتی الامکان تحت اللفظ ٗ اصل عبارت کا محض خلاصۂ مطلب نہیں ہونا چاہیے۔

۲۔ ترجمہ حتی الامکان محاورۂ زبان کے مطابق ہونا چاہیے۔

۳۔ الفاظ کے وزن اضافی کا خیال رکھنا چاہیے تاکہ اصل عبارت میں ان کی جو اضافی اہمیت ہے وہ ترجمے میں باقی رہے۔

۴۔ حتی الامکان ایسے الفاظ کے ترجمے سے گریز کرنا چاہیے جن کے مترادفات اردو میں پہلے سے موجود نہ ہوں۔ زبان کو وسعت دینے کا طریقہ یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہر لفظ کا مترادف تلاش کرنے کی کوشش کی جائے خواہ وہ مترادف نامانوس ہی کیوں نہ ہو۔

۵۔ اصل عبارت میں جملہ اگر اس قدر پیچیدہ اور لمبا ہو کہ اس کے تحت اللفظ ترجمہ کرنے سے معنی میں الجھاؤ پیدا ہو تو ایسی صورت میں جملے کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر لینا چاہیے۔[103]

جیسا کہ ہم کہتے ہیں ترجمہ ایک زبان میں موجود مواد کو ہدفی زبان میں منتقل کرنا ہے، لیکن کیا صرف

---

[103] باقر حسین، سید، ترجمے کے اصول، ترجمہ روایت اور فن، ص 63

ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقلی کہنا کافی ہے،اس سلسلے میں پروفیسر محمد حسن رقم طراز ہیں:

"ضرورت اکثر برائیوں کو اچھائیوں میں بدل دیتی ہے۔ ایسی ہی ایک برائی ترجمہ بھی ہے۔ Translatorکو Traitorاور مترجم کو گندم نما جو فروش کہا گیا ہے۔ ترجمہ اگر اصل کا کام دینے لگے تو ترجمہ کیوں کہلائے۔ لازمی طور پر یہ اصل سے کمتر ہوگا اور جو کمتر ہو وہ برائیوں میں کیوں نہ گنا جائے۔ مگر ضرورت کہتی ہے کہ عالمگیر آگہی کا نور اور سرور ایک زبان کے دامن میں تو سمٹنے سے رہا۔ جب تک ایک زبان کے بولنے والے دوسری زبانوں کے علم و آگہی، جذبے اور شعور، فکر و احساس تکنیک اور سائنس تک پہنچنا چاہیں گے ترجمے کا سہارا لیں گے"۔[104]

مذکورہ بالا عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ترجمہ صرف مواد کی منتقلی کا نام نہیں بلکہ دوسری زبان میں موجود علم و آگہی، جذبے، شعور اور فکر و احساس وغیرہ کی منتقلی کا نام ہے، گرچہ ترجمہ اصل کے مقابل نہیں ہو سکے گا۔ مذکورہ امور ایک عمومی اصول کی نشاندہی کرتے ہیں تو اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ادبی تراجم کے ضمن میں ان کا خیال از حد ضروری ہو جاتا ہے کیوں کہ ان کے ذریعہ دو تہذیبوں اور ثقافتوں کی منتقلی کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے لہذا ادبی تراجم میں ان اصول و نظریات کو بروئے کار لانا بیحد ضروری ہے۔

جہاں تک ادبی ترجمہ کے اصول و نظریات کی بات ہے تو وہ سارے اصول جسے فرانسیسی شاعر اور مترجم ڈولیٹ ایٹنِ نے فن ترجمہ نگاری کے لیے وضع کیے وہ اصول ادبی ترجمہ کے لیے بالکل مناسب اور موزوں معلوم ہوتے ہیں۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کس طرح سے ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمے کا عمل بہتر ہو سکتا ہے، ذیل میں انہیں درج کیا جاتا ہے:

ا۔ مترجم کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے وہ اصل متن کے خیال (Sense) اور مطالب (Meaning) کا بغور جائزہ لے۔

---

[104] پروفیسر محمد حسن، ترجمہ نوعیت اور مقصد، ترجمہ کا فن اور روایت، پروفیسر قمر رئیس ص نمبر 96

۲۔مترجم کے لیے ضروری ہے کہ دونوں زبانوں اصل زبان اور ہدفی زبان – Source Language
Target Language پر مکمل عبور رکھتا ہو۔

۳۔مترجم کو لفظی ترجمے (Word for word Translation) سے گریز کرنا چاہیئے۔

۴۔مترجم کو چاہیئے کہ وہ روزمرہ کی زبان کو استعمال کرے۔

۵۔مترجم کو آزادی ہونی چاہیئے کہ وہ درست آہنگ (Correct tone) کے لیے مناسب الفاظ کا چناؤ کرے۔[105]

پروفیسر عنوان چشتی نے ادبی تراجم کے سلسلہ میں نہایت بلیغ بات کہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ :

> ’’ابلاغ کا نقطہ عروج وہ منزل ہے جہاں قاری کے ذہن پر ایک سے زیادہ معنی کا انکشاف ہوتا ہے اور اس کو ایک شعر میں بہت سے جوالہ ہائے معانی نظر آتے ہیں مثلاً غالبؔ کے بہت سے شعر معانی کے اعتبار سے ایک سے زیادہ امکانات کے حامل ہیں۔ یہ امکانات کبھی ایک ہی مفہوم کے مختلف پہلو ہوتے ہیں اور کبھی ایک دوسرے سے متضاد ہوتے ہیں۔ معانی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا مترجم کا نہیں بلکہ تشریح نگار کا کام ہے۔ ایسے موقعوں پر مترجم ہجوم معانی سے ایک کا انتخاب کرکے دوسرے معانی کو چھوڑ دیتا ہے۔ انتخاب واحتساب کا یہ عمل ایک شعوری عمل اور مصنف کے فلسفہ زندگی، انداز نگارش موضوع کی مناسبت اور عبارت کے سیاق وسباق کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ مفہوم کے انتخاب کی کامیابی کا معیار یہ ہے کہ وہ کل مفہوم کے ایک ہنر کی حیثیت سے کل سے کتنا قریب ہے۔ یعنی وہ منتخب مفہوم کل کا لازمی، منطقی اور فطری حصہ ہے کہ نہیں۔ دراصل انتخاب مفہوم کا مسئلہ کلیتاً مترجم پر منحصر ہے کہ وہ آئینہ کس رخ سے پکڑتا ہے اور شاہد معنی کا کون سا جلوہ دیکھتا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں جب

[105] (Etienne Dolet, Extracts from (“on the way of translating well from one language into another”) Published in 1540, Coated: by Andre Lefevere, “Translation History of Culture.” Published 1992 by Routledge 11 new Fitter Lane London P:27)

پیکر نگاروں، علامت پسندوں اور داخلیت کے علمبرداروں کی تخلیقات کے تراجم پر تنقیدی نظر ڈالی جاتی ہے۔ تو بعض تراجم میں اصل کی رمق بھی نظر آتی ہے۔ مترجم کے لیے ابلاغ کے مسائل اس وقت زیادہ پریشان کن ہوتے ہیں۔ جب وہ مصنف کے کسی نازک اور نادر خیال، نیم محسوس حقیقت، خالی خیال آرائی، ذاتی اور اچھوتے تجربے، دور رس، افکار اور وجدانی کیفیتوں کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بعض اوقات شاعری میں ایسے نازک مقام آجاتے ہیں جہاں اصل خیال سطور میں نہیں بلکہ بین السطور یا ماورائے ستور ہوتا ہے۔ کبھی کبھی الفاظ محض ایسے پلیٹ فارم کا کام کرتے ہیں جہاں سے معنی کی ایک ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے۔ شعری ترجموں کی ان ہی دقتوں کے پیش نظر انگریزی کے شاعروں نے کہا تھا کہ شاعری کا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس دور کے نااہل مترجمین کے ناقص ترجموں نے معترضین کی رائے پر مہر تصدیق ثبت کردی تھی"۔[106]

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے 'فن ترجمہ اور اس کے بنیادی اصول' کے ذیل میں ادبی ترجمے کے کچھ اصول اخذ کیے ہیں جو درج ذیل ہیں:

- دونوں زبانوں اور ان کے ادب پر کامل دسترس۔
- ترجمہ نگار کا اس زبان سے جن میں ترجمہ کیا جارہا ہے جذباتی اور علمی واقفیت اور ہم آہنگی۔
- زبان کے ساتھ ساتھ جس موضوع پر کتاب لکھی گئی ہے مترجم کا اس علم اور فن پر بھی کامل دسترس ہونا۔
- دونوں زبانوں کے ساتھ ادبی مساوات اور ادبی رنگ برقرار رکھنا۔
- اصل کتاب کے مصنف کے لب ولہجہ کی کھنک کا باقی رکھنا جو کہ بہت ضروری ہے۔
- مترجم کی تحریر پر انشاپردازی بھی بنیادی ضرورت میں شامل ہے۔[107]

تراجم میں ادبی ترجمے کے متعلق یہ بات مسلم رہی ہے کہ ادبی ترجمہ مشکل کام ہے کیوں کہ ادبی ترجمے کے دوران اصل زبان کے مصنف کی فکر اور طرز بیان کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوتا ہے۔ یہاں اس بات کا خیال رکھنا

---

[106] منظوم ترجمے کا عمل پروفیسر عنوان چشتی، ترجمہ کا فن اور روایت پروفیسر قمر رئیس، صفحہ نمبر: 941-841

[107] فن ترجمہ اور اس کے بنیادی اصول، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

ضروری ہوتا ہے کہ محاورہ، ضرب الامثال، تشبیہات واستعارات وغیرہ کا خاص خیال رکھا جائے تاکہ ہدفی زبان میں مواد کی منتقلی میں ادبی جھلک اور اسلوب بیاں صاف نظر آئے۔ ہاشمی فرید آبادی لکھتے ہیں:

" انگریزی سے سلیس اردو میں ترجمہ کرنے کا ایک یہ گر مترجم کو سیکھنا لازم ہے کہ جو جس اور جن سے فقرے کو پیچیدہ نہ بنایا جائے۔ ان کی انگریزی میں بڑی کثرت سے ہوتی ہے۔ ہماری زبان میں ربط وضبط کی دوسری تدبیریں کام میں لائی جاتی ہیں۔ بیان کے متن شگفتہ اور متعدد پیرائے اردو میں موجود ہیں۔ سوائے فنی اصطلاحات کے بلیغ اور پر معنی الفاظ کا ذخیرہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ البتہ انہیں برتنے کے لیے مترجم کی علمی استعداد بلند اور اپنے معیاری ادب سے خوب واقفیت ہونی چاہیے"۔ [108]

اس سے معلوم ہوا کہ ادبی ترجمے کے دوران مترجم کو اس بات کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے کہ اصل زبان کے موجود مواد میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہ آئے، نیز ترجمہ بامحاورہ اور خاص اسلوب کے ساتھ ہو، کیوں کہ انہی امور کی انجام دہی سے ادبی ترجمہ اپنے اصل مقاصد کو پورا کرے گا اور اصل زبان میں موجود تمام چیزیں ہدفی زبان کے قارئین کے مابین کھل کر سامنے آئیں گی۔

ڈاکٹر امتیاز احمد (شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی) نے اپنے ایک مضمون میں ادبی ترجمہ اور ادب کے مترجمین کے متعلق ایک مضمون تحریر کیا ہے، جس میں وہ کہتے ہیں کہ:

" اگر کوئی مترجم ادب کی قدروں اور ادب وزندگی کے گہرے رشتوں سے ناواقف ہے تو وہ اس ادب کی زیریں سطح کو دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا جس کا وہ ترجمہ کر رہا ہے اور نہ ہی وہ اس ادب کی اصل روح تک رسائی حاصل کر سکے گا۔ اس لیے ایک اچھے ترجمہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں زبانوں کے الفاظ، محاورے اور تراکیب پر اپنی گہری نظر رکھے"۔ [109]

علاوہ ازیں انہوں نے مترجم کے لیے کچھ ایسے اصول بھی مرتب کیے ہیں، جن کا پاس ولحاظ رکھتے

---

[108] ڈاکٹر مسکین حجازی، فن ادارت، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، 296

[109] مضمون، اردو میں ادبی ترجمہ کی روایت، ڈاکٹر امتیاز احمد

ہوئے ترجمہ کے فرائض کو بحسن وخوبی انجام دیا جاسکتاہے۔مترجم کو درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا ازحد ضروری ہے:

- کامیاب مترجم وہی ہے جو غیر زبان کے شاعر اور ترجمے کے قاری کے مابین براہ راست تعلق پیدا کردے اور ترجمہ کو پڑھتے وقت قاری کو مترجم کا وجود نہ کھٹکے۔
- کامیاب ترجمہ وہی ہے جو مفہوم اور تاثیر کے لحاظ سے اصل سے قریب تر ہو۔اگر ترجمہ مفہوم اور تاثیر میں اصل سے آگے بڑھ جاتا ہے تو یہ ترجمہ کی خامی ہوگی اور پیچھے رہ جانا بھی خامی ہے اور ہو بہو ہونا انتہائی مشکل ہے۔
- ترجمے کا ہر قاری کچھ نئے پن کا متلاشی ہوتاہے اور ہر لمحہ وہ چاہتاہے کہ یہ مال 'درآمد' کیا ہوا ہے۔اس کا احساس اسے ہوتا رہے لہذا ہر ترجمے میں مفہوم اور تاثیر میں ایک لطیف سی اجنبیت کا ہونا لازمی ہے۔
- اگر کسی ایک ہی شاعر کی کئی نظموں کا ترجمہ کرنا ہو تو مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کے کلام سے مخصوص اندازِ فکر کی نظموں کا ترجمہ کرے تاکہ اس کی انفرادیت ترجموں میں بھی متحرک دکھائی دے۔
- شعری اصناف کا تعلق احساس سے ہوتا ہے اور اس کی تاثیر کا زیادہ تر انحصار وقتی ذہنی رجحان اور ماحول پر ہوتا ہے۔ایک ہی شعر ایک خاص ذہنی کیفیت اور ماحول میں جتنا متاثر کرتا ہے اگر کسی دوسرے ماحول میں پڑھا جائے تو اس کی تاثیر کی شدت میں زبردست فرق پڑھ جاتا ہے۔اس لیے ایک ہی شعر کا الگ الگ ماحول اور کیفیت میں الگ الگ مفہوم نکالا جا سکتا ہے۔مترجم کے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ وہ کس مفہوم کا ترجمہ کرے کہ قاری اس سے محظوظ ہوسکے

۔اس سلسلے میں مترجم کا اوّلین فرض یہ ہے کہ وہ ترجمہ کئے جانے والے شاعر کے الفاظ سے اپنے ترجمے کو قریب رکھے اور اصل متن سے جو مفہوم نکلتا ہو قریب قریب وہی مفہوم اپنے ترجمے کے الفاظ سے بھی ظاہر کرے۔[110]

مذکورہ بالا سطور میں ماہرین کے متنوع تجربے کو پیش کرنے کے ساتھ ان کی روشنی میں ترجمہ کے اصول بیان کیے گئے ہیں، جب ہم ان تمام اصولوں پر نظر کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ تقریباً تمام ماہرین کو دوران ترجمہ جو مسائل سامنے آئے ،ان کو انہوں نے قلم بند کردیا، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ پیش کردہ بیشتر اصول و نظریات میں یکسانیت جھلکتی ہے لیکن وہ تمام متنوع اصول و نظریات اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں۔ان سب باتوں سے قطع نظر راقم نے یہ بات اخذ کی ہے کہ ترجمہ کے لیے اب تک جو بھی اصول مرتب کیے گئے ہیں ان کی روشنی میں مترجم ترجمے کے فرائض بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے لیکن یہ سارے اصول و نظریات حتمی و کلی نہیں ہیں کہ صرف اسی کو آخری مان لیا جائے، عین ممکن ہے کہ دوران ترجمہ درپیش مسائل کی روشنی میں ماہر مترجم مزید اصول اخذ کرے۔

---

[110] مضمون، اردو میں ادبی ترجمہ کی روایت، ڈاکٹر امتیاز احمد

باب سوم

عربی ادب کی نثری کتب کے تراجم کا جائزہ

اردو زبان وادب کی ترویج واشاعت میں جہاں بہت سارے عوامل کارفرما رہے ہیں، وہیں دوسری زبانوں کے ادب کو اردو زبان میں منتقل کرکے ترجمے نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ ترجمے کے باعث اردو قارئین کو دنیا بھر کی تہذیب وثقافت سے کو جاننے اور سمجھنے کے مواقع فراہم ہوئے۔اس ضمن میں ام اللغات یعنی عربی زبان کے ادب میں موجود تہذیبی وثقافتی،اسلوبی، موضوعاتی خوبیوں کو عربی کے ماہرین السنہ نے اردو زبان میں منتقل کرکے بہت ہی اہم کارنامہ انجام دیا ہے، ساتھ ہی اردو زبان کو جلا بخشی، جس میں ترجمہ نے بحیثیت فن کافی کارگر ثابت ہوا۔ڈاکٹر جمیل جالبی ترجمہ کو بحیثیت فن کچھ یوں سمجھتے ہیں کہ :

ترجمے کا کام یقیناً ایک مشکل کام ہے اس میں مترجم، مصنف کی شخصیت، فکر واسلوب سے بندھا ہوتا ہے۔ایک طرف اس زبان کا کلچر، جس کا ترجمہ کیا جارہا ہے، اسے اپنی طرف کھینچتا ہے اور دوسری طرف اس زبان کا کلچر، جس میں ترجمہ کیا جارہا ہے، یہ دوئی خود مترجم کی شخصیت کو توڑ دیتی ہے۔[111]

برصغیر ہندوپاک میں عربی ادب کی اردو زبان میں منتقلی میں مترجمین نے اپنی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ 1857سے 1947کے درمیانی عرصے میں اردو زبان وادب نے جو انقلابی تبدیلیاں اور ترقی کی منزلیں طے کی ہیں وہ ادبی تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔ہند کی سرزمین پر مسلمانوں کی آمد 6ھ سے شروع ہو جاتی ہے لیکن یہ آمد ایک طویل عرصے تک تبلیغ دین اور تجارت تک محدود رہی۔اسلام کی اخلاقی اور معاشرتی تعلیم سے یہاں کی فضا ہموار ہوتی رہی۔اس سرزمین کو علمی، تہذیبی، تمدنی، ثقافتی، سیاسی اور معاشرتی استحکام شرقی سلطنت، لودی حکومت اور تیموری حکومت کے زیر سایہ ملا۔ان حکمراں طبقے کی زبان ترکی، عربی اور فارسی

---

111 ڈاکٹر جمیل جالبی،ارسطو سے ایلیٹ تک، ص 13

تھی۔ کیونکہ ان کا تعلق انھیں علاقوں سے تھا جہاں یہ زبانیں اپنے عروج و کمال کا سکہ رائج کر چکی تھیں۔ اس طرح عربی، فارسی اور ترکی کا اثر دربار سے لے کر عوام و خواص تک رہا اور یہ حقیقت ہے کہ اکبر کے عہد حکومت کے بعد تک عربی اور فارسی کا ہی غلبہ رہا۔ اردو کی آبیاری اور پرورش عربی اور فارسی کے زیر سایہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو نے ادبی سطح پر جو پہلا اثر قبول کیا وہ انہی زبانوں کا اثر ہے۔ عربی سے استفادے کا دائرہ بہت حد تک مذہبی نوعیت کا رہا ہے، جس میں قرآن و حدیث، تصوف، اسلامی تاریخ، فقہ، اسلامی فلسفہ وغیرہ کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے، ایسا لگتا ہے کہ اس کے علاوہ کسی دوسری زبان میں ترجمے کا اتنا عظیم کام انجام دیا گیا ہو۔

زیر نظر بحث عربی ادب کی نثری کتب کے تراجم کے ضمن میں ہے، چنانچہ اس میں عربی زبان میں موجود امثال و حکم، تحریری قصے، خطوط، سیر و سوانح اور ادبی مقالات کی کتابوں کے اردو تراجم زیر تحقیق ہوں گے۔ ذیل میں نثری کتب کے اردو تراجم کی فہرست درج کی گئی ہے، ان میں دستیاب اردو تراجم کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔ اردو تراجم کی تفصیل درج ذیل ہے:

عربی ادب کی نثری کتب کے اردو تراجم کی فہرست

اسمائے کتب	مصنف	ترجمہ/شرح	مترجم
مقامات حریری	علامہ ابو محمد قاسم بن علی بن عثمان الحریری	درس مقامات حریری	ابن الحسن عباسی
//		الافاضات	افتخار علی
----------	----------	الکمالات الوحیدۃ	افادات وحید الزماں کیرانوی، مرتب ومترجم: جمشید احمد قاسمی
----------	----------	المرآۃ لکشف معانی المقامات	افادات: اعزاز علی، مرتب ومترجم: میاں حکمت شاہ کاکاخیل
----------	----------	مقامات خمسۃ حریری	غلام رسول کوکب
----------	----------	تشریحات	محمد نور حسین قاسمی
----------	----------	تیسیر مقامات	عبد الغفور
----------	----------	دروس مقامات	صادق الامین
----------	----------	افادات شبیری	حافظ شبیر حسین
----------	----------		محمد شیخ صدیق احمد انوروی
الایام	طٰہٰ حسین	الایام	حکیم عبد الباقی شطاری
حیاتی	أحمد أمین	زندگی میری	محمد عارف الدین فاروقی
----------	----------	میری زندگی	پروفیسر احسان الرحمن (جے این یو)
--------	--------	سرگذشتِ حیات	شیخ نذیر حسین
خمس دقائق فقط	ھبۃ الدباغ	صرف پانچ منٹ	ڈاکٹر میمونہ حمزہ
کلیلۃ ودمنۃ	عبد اللہ ابن المقفع	دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں	خورشید انور ندوی مدنی
----------	----------	کلیلۃ ودمنۃ	مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی
----------	----------	کلیلہ ودمنہ	ارشد رازی
--------	--------	فرد افروز	شیخ حفیظ الدین احمد
نفحۃ العرب	مولانا اعزاز علی	اشرف الادب	عبد الحفیظ

--------	--------	تحفۃ الادب	محمد حنیف گنگوہی
--------	--------	تکمیل الادب	مصلح الدین قاسمی
الوعد الحق	طہٰ حسین	خدائی وعدہ	معراج محمد بارق
--------	--------	وعدہ برحق	عبدالمجید حریری
مختارات	مولانا علی میاں ندوی	انوارات	محمد خالد محمود
-----(جلد اول)	--------	لمعات الذہب	عتیق الرحمن سیف 1426ھ
----(جلد اول)	------	مبشرات---	اسامہ عبدالرحمن 2006ء
الف لیلۃ ولیلۃ	نامعلوم	الف لیلہ و لیلہ	ابوالحسن منصور احمد
--------	--------	ہزار داستان	منشی حامد علی خان/طوطا رام شایاں
-------	--------	حکایات الجلیلہ	شاکر علی/شمس الدین احمد
---------	--------	شبستان سرور	مرزا رجب علی بیگ سرور
--------	------	الف لیلہ نو منظوم	منشی طوطا رام، مرزا اصغر علی نسیم دہلوی، شادی لال چمن
		سرخ کتاب (عربی افسانوں کا ترجمہ)	ضیاءالحسن
أنا (خود نوشت)	عباس محمود عقاد	آپ بیتی	ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری
ایام من حیاتی	زینب الغزالی	زندان کے شب وروز	خلیل حامدی
أیامی	احمد السباعی	میرے شب وروز	عذرا نقوی
الأجنحۃ المتکسرۃ	خلیل جبران	ٹوٹے ہوئے پر	حبیب اشعر دہلوی
-------	-------	شکستہ پر	کوثر مظہری
الأرواح المتمردۃ	خلیل جبران	سرکش روحیں	ابوالعلاء چشتی
من فوق سبع سماوات	علی أحمد باکثیر	عالم بالا کے سائے میں	پروفیسر قلب بشیر خاور بٹ
لحظۃ ضعف	فواد صادق مفتی	نازک لمحہ	نامعلوم
ماجدولین	مصطفی لطفی منفلوطی	شہناز	حبیب اشعر دہلوی
-------	--------	ماجدولین	حکیم رشید احمد معتصم

القاہرۃالجدیدۃ	نجیب محفوظ	آئین نو	ڈاکٹر فیضان بیگ
---------	---------	------	پروفیسر سفیان اصلاحی
افراح القبہ	نجیب محفوظ	شادیانے	فہمیدہ ریاض
السکریۃ	نجیب محفوظ	شوگر اسٹریٹ (انگریزی سے)	ظفر امام
ثرثرۃ فوق النیل	نجیب محفوظ	آب نیل پر آوارگی (انگریزی سے)	عباس زیدی
الحب تحت المطر	نجیب محفوظ	بارش تلے محبت	ڈاکٹر عائشہ کمال
اللص والکلاب	نجیب محفوظ	چور اور کتے	سید علاؤالدین
الخباء	میرال طحاوی	خیمہ	اجمل کمال
الذی اقترب ورأی	علاء اسوانی	جو قریب آیا، جس نے دیکھا	محمد عمر میمن
عمارۃ یعقوبیان	علاء اسوانی	عمارت یعقوبیان	محمد عمر میمن
الوقائع الغریبۃ فی اختفاء سعید ابی النحس المتشائل	امیل حبیبی	سعید کی پراسرار زندگی (سعید بد قسمت قنوطی)	انتظار حسین (انگریزی سے اردو)
اخرج منھا یا ملعون	صدام حسین	ملعون کا انجام	عبدالقیوم فہمید
عرس الزین	طیب صالح	زین کی شادی	راشد مفتی
الرجل الوحید علی الارض	نوال سعداوی	آخری مرد کی موت	مسعود اشعر
موسم الہجرۃ الی الشمال	طیب صالح	شمال کی جانب ہجرت کا موسم	ڈاکٹر ارجمند آراء
اجنحۃ الفراشۃ	محمد سلماوی	تتلی کے پر	ڈاکٹر محمد قطب الدین
صلاح الدین ومکائد الحشاشین	جرجی زیدان	سنہری گیسو (نامکمل)	اختر شیرانی
حقیقۃ الخلاف	محمد حامد ابوالنصر	وادی نیل کا قافلہ سخت جاں	حافظ محمد ادریس

ڈرامہ

کتاب	مصنف	مترجم کتاب	اصل زبان	مترجم
شہرزاد	توفیق الحکیم	شہرزاد	عربی سے	پروفیسر اسلم اصلاحی
سلیمان الحکیم	------	سلیمان حکیم	عربی سے	---------
12ڈراموں کا مجموعہ	مختلف رائٹرس	جدید عربی ڈرامہ	عربی سے	ڈاکٹر شبیر احمد صدیقی
اہل الکہف	توفیق حکیم	اصحاب کہف	عربی سے	نیاز فتح پوری
----------	---------	-------	-----	پروفیسر اسلم اصلاحی
---------	--------	جاں کنی کے بعد	----	اسلم قاسمی
قطط وفیران	علی احمد باکثیر	رشتوں کے رنگ	----	ڈاکٹر عبید الرحمن طیب

قصہ/افسانہ/کہانی

کتاب	مصنف	مترجم کتاب	اصل زبان	مترجِم
العبرات	مصطفی لطفی منفلوطی	موج نیل	عربی	قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی
13 فلسطینی کہانیاں	مختلف رائٹرس	گونگی توپ	عربی	قطب اللہ
14افسانے	-------	عربی زبان کے منتخب اور نمائندہ افسانے	عربی	رفعت حجازی
21افسانوں کا ترجمہ	----------	منتخب عربی افسانے	عربی	ڈاکٹر رضوان الرحمن
الضحیۃ	مصطفی لطفی منفلوطی	رخسانہ	عربی	حبیب اشعر دہلوی
نجیب محفوظ کی کہانیاں	نجیب محفوظ	نجیب محفوظ کی کہانیاں	عربی	پروفیسر عبد الحق شجاعت
ضوء یذہب للنوم	ابتسام عبد اللہ المعلا	روشنی کا سفر تمام ہوا	عربی	پروفیسر ذکر الرحمن
مریم والحظ السعید	مریم الساعدی	بڑھیا	عربی	---------
وجہ ارملۃ فاتنۃ	فاطمہ المزروعی	دلربا بیوہ	عربی	---------
باض القیامۃ	روضۃ البلوشی	قیامت کی بس	عربی	مترجم: عمیر منظر، تصحیح: پروفیسر ذکر الرحمن
الوظیفۃ	عبد الحمید جودہ سحار	نوکر شاہی	عربی	ڈاکٹر ثمامہ فیصل

مندرجہ بالا عربی ادب کی نثری کتب کی ایک اچھی فہرست تیار کی گئی ہے تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ عربی ادب کے کتنے شہ پارے اردو زبان وادب کی زینت بنے ہیں، گرچہ بہت سے ان میں سے تراجم دستیاب نہیں ہوسکے۔ ذیل میں دستیاب تراجم کا مختصراً جائزہ پیش کیا جائے گا، تاکہ یہ پتہ چل سکے عربی ادب کے تراجم کے سلسلے میں اردو مترجمین اور شارحین نے کن کن امور کا لحاظ کرتے ہوئے ترجمہ نگاری کا فریضہ انجام دیا ہے۔ ذیل میں اصل عربی کتب کا تعارف اور اس کے تراجم وشروحات کے متعلق بحث کی جائے گی۔

مقامات حریری:

اس کتاب کے مصنف کا نام قاسم، کنیت ابو محمد، والد کا نام علی، دادا کا نام محمد اور پردادا کا نام عثمان ہے۔ سلسلہ نسب یوں درج کیا گیا ہے: ابو محمد قاسم بن علی بن محمد بن عثمان حریری بصری۔ اور خلیفہ مسترشد باللہ کے عہد خلافت میں شہر بصرہ کے قریب قصبہ مشَان کے اندر آپ کی ولادت 446ھ میں ہوئی (دوسرے قول کے مطابق بصرہ ہی میں پیدا ہوئے) اور بصرہ کے محلہ بنی حرام میں سکونت اختیار کی۔ آپ کی وفات 6، رجب 515ھ یا 516ھ کو بصرہ کے محلہ بنی حرام میں ہوئی۔ آپ نے زندگی کی 69 یا 70 بہاریں دیکھیں۔[112]

افادات شبیری میں حریری لکھنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ عربی زبان میں حریر "ریشم" کو کہتے ہیں اور چونکہ آپ ریشم کا کاروبار کرتے تھے اسی نسبت کے سبب آپ کو حریری کہا جاتا ہے۔[113] علامہ حریری نہایت ہی ذہین وفطین اور بہت ہی فصیح وبلیغ شخصیت کے مالک تھے۔ مقامات حریری ان کی ذہانت وفطانت بہترین نمونہ ہے۔

---

[112] تشریحات، ص 32

[113] افادات شبیری۔ ص، ۱۱)

مقامہ کسے کہتے ہیں؟اس کے متعلق مختصراً کچھ بحث کی جائے گی۔ مقامہ ویسے کئی معنوں میں مستعمل ہے جس میں ایک مجلس کے معنی میں آتا ہے اور اسی معنی میں یہ لفظ بکثرت مستعمل ہے، درس مقامات میں مقامہ کے کئی معانی بنای کیے گیے ہیں۔[114]

1۔ مشہور حماسی شاعر قتال کلابی کا شعر ہے:

نشد تُ زياداً و المقامۃ بيننا وذکر تُ ہ أرحا مَ سِعر وھيثم

یعنی میں نے زیاد کو اللہ کا واسطہ دیا، حالانکہ ہمارے درمیان ہم نشینی تھی اور سعر ھیثم کی قرابت بھی یاد دلائی۔

مذکورہ شعر میں مقامہ مجلس کے معنی میں مستعمل ہے۔

2۔ مقامہ کے معنی جماعت کے بھی آتے ہیں عربی شاعر لبید کا شعر ہے:

ومقامۃ غُلب الرقاب کأنھم جِنٌّ،لدی باب الحصير، قيا م

یعنی کئی موٹی گردن والی جماعتیں بادشاہ کے دروازہ پر کھڑی ہیں اور یوں لگ رہا ہے کہ جیسے کہ وہ جنات ہوں۔

3۔ مقامہ موضع المقام کے معنی میں آتا ہے یعنی وہ جگہ جہاں آدمی کھڑا ہوتا ہے۔

4۔ مقامہ وعظ و نصیحت اور تقریر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے مقامات الز ھّاد "زاہدوں کی نصیحتیں"

5۔ مقامہ ایک خاص ادبی صنف میں لکھی گئی کہانی یا لطیفہ کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کی عبارت مقفی اور مسجع ہوتی ہے اور یہاں یہی پانچواں معنی مراد ہے۔[115]

المقامات الحریری کی اردو شرح تشریحات میں صاحب کتاب مقامے کی پہچان کی خصوصی علامت کے بارے لکھتے ہیں کہ کیسے ہم پہچانیں گے کہ کس مقامے میں کیا بیان کیا گیا ہے، چنانچہ وہ تحریر کرتے ہیں:

---

[114] درس مقامات، ص:ظ

[115] درس مقامات، ص:ظ-ع

"جو مقامہ ہر دہائی کا اول ہو گا مثلاً پہلا، گیارہواں، اکیسواں، اکتیسواں، اکتالیسواں ان مقاموں میں مواعظ وپند کی باتیں ہوں گی اور ہر وہ مقامہ جو دہائی کے پانچویں درجہ میں ہو گا یعنی دہائی کے بعد درجہ میں پانچواں ہو گا جیسے دسواں، پندرہواں، بیسواں، پچیسواں، تیسواں۔اس میں تمسخر آمیز باتیں ہو گی اور جو مقامہ دہائی کے چھٹے درجہ میں ہو گا جیسے چھٹا، بارہواں، اٹھارہواں وغیرہ اس میں ادب کی باتیں ہوں گی"۔[116]

المقامات الحریری کے اردو مترجمین نے بالعموم مذکورہ بالا مقامہ کی پانچویں تعریف و معنی کو مراد لیا ہے کہ مقامہ دراصل ایک ادبی صنف ہے جس کی عبارت مقفی و مسجع ہوتی ہے۔صاحب درس مقامات کے بموجب مقامہ کی اس خاص ادبی صنف کو سب سے پہلے پانچویں صدی کے مشہور ادیب علامہ بدیع الزماں همدانی نے متعارف کرایااور انہوں نے چار سو مقامات لکھے جن میں 53 مقامات ہم تک پہنچےاور شائع ہوئے ہیں، پھر علامہ حریری نے پچاس مقامے لکھےاور حقیقت یہ ہے کہ حریری ہی کے پچاس مقاموں نے اس صنف ادب کو دوام بخشااور ان ہی کا قلم فنِ مقامہ کی آبرو بنارہا،ان کے بعد کئی دوسرے لوگوں نے بھی اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے چنانچہ علامہ زمخشری، علامہ ابن الجوزی، علامہ سیوطی، احمد بن ابی بکر رازی اور ابن الوردی جیسے اساطین علم نے بھی مقامے لکھے لیکن معیار و مقبولیت کی اس بلندی کو کوئی چھو نہیں سکا جس پر حریری فائزہوئے۔[117]

اس ادبی کتاب کی اہمیت اور اس کے مقام و مرتبہ کے متعلق معروف و مشہور مفسر قرآن اور ادیب علامہ زمخشریؒ کی رائے نقل کی جاتی ہے جسے اردو مترجمین نے نقل کیاہے۔چنانچہ علامہ زمخشری کشف الظنون میں مقامات حریری کے متعلق یہ اشعار رقم کیے ہیں:

اقسم باللہ و آیاتہ ومشعر الحج ومیقاتہ

---

[116] تشریحات، ص،91

[117] درس مقامات، ص:ع

ان الحريرى حرى بان تكتب بالتبر مقاماته

یعنی میں اللہ تعالی کی اور اس کی نشانیوں، مشعر حج کی اور میقات حج کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حریری کے مقامات اس کے مستحق ہیں کہ ان کو سونے سے لکھا جائے۔

اسی طرح ساتویں صدی کے مشہور نحوی عالم ابوالفتح مطرّزی المقامات الحریری کے متعلق فرماتے ہیں:

”إنی لم أر فی کتب العربیۃ و الادب و لا فی تصانیف العجمم والعرب کتابا أحسن تالیفا، وأعجب تصنیفا، وأغرب ترصیفا و أشمل العجائب العربیۃ، وأجمع للغرائب الأدیبیۃ۔۔من المقامات التی أنشأها الحریری إنشاءٌ فاخرٌ، وکتابٌ باهر وتصنیف عجیب معجز۔“ [118]

زبان وادب کی کتابوں اور عرب کی تصانیف میں میری نظر سے کوئی ایسی کتاب اب تک نہیں گذری جو مقامات حریری کے مقابلہ میں تالیف وتصنیف وترتیب کے لحاظ سے زیادہ حسین اور عجیب وغریب ہو یا عربی عجائب اور ادبی نوادرات کو زیادہ جامع ہو، مقامات ایک فخریہ پیشکش، ایک مشہور کتاب اور ایک معجزانہ تصنیف ہے۔

صنف مقامہ میں سارا زور الفاظ کے زیر وبم، عمدہ تعبیرات، مسجع ومقفی عبارت، روزمرہ اور ضرب الامثال کے استعمال پر ہوتا ہے۔ مختصراً یوں کہہ لیں کہ مقامہ خالص لفاظی کا ایک ادبی اور لغوی نمونہ ہوتا ہے جس میں پر تکلف انداز میں گفتگو ہوتی ہے۔

المقامات الحریری میں علامہ حریریؒ نے دو کردار رکھے ہیں، جس میں حکایت، کہانی بیان کرنے والے کا نام حارث بن ھمام ہے اور کہانی، قصہ کا ہیرو اور مرکزی کردار کا نام ابوزید سروجی ہے۔ ناموں کے انتخاب میں مختلف اقوال ہے کوئی حقیقی تو کوئی فرضی قائل ہے، طوالت سے بچتے ہوئے ہم اس بحث سے گریز کرتے ہیں۔

علامہ حریری دونوں کرداروں کی گفتگو کو بڑے ہی بلیغ انداز میں پیش کرتے ہیں جو اعلیٰ قسم کی ادبی صنعت کا نمونہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں ایک جگہ علامہ حریری نے لکھا ہے جس کے پہلے کلمہ کے تمام

[118] کشف الظنون۔ ج2، ص1786

حروف غیر منقوط (بغیر نقطہ والے) اور دوسرے کلمہ کے سارے حروف منقوط (نقطہ والے) ہیں، مثال ملاحظہ ہو:

الکرم- ثبّت الله جیش سعودک-یزین

واللؤم-عض الدهر جفن حسودک-یشین

اسی طرح مقامہ میں علامہ نے ایک اور ادبی صنعت کی شکل میں ایک خط لکھا ہے جس میں ہر کلمہ کا ایک حرف نقطوں والا اور دوسرا حرف بغیر نقطے والا، مثال کے طور پر چند کلمات ملاحظہ ہوں:

اخلاق سیدنا تحب، وبعفوته یُلَبُّ، و قُربه تُحَف، و نأیه تلف، وخلته نسب، وقطیعته نصب، وعزه ذلق، وشهبه تأتلق۔

مقامہ کے ادبی نمونوں میں ایسے اشعار شامل ہیں جن میں کچھ صرف نقطوں والے اور کچھ بغیر نقطوں کے ہیں، مثال ملاحظہ ہو:

بغیر نقطے والے اشعار:

أعــد لحســادک حــد الســلاح   وأورد الآمـــل وِردَالسَّـــماح

وصــارم اللهــو، وَصــل المهــا   واعمـل الكـوم وسُـمرالرماح

واســع لادراک محــل ســما   عمـــاده، لا لادراع المـــراح

نقطے والے اشعار:

فَتَنَتنِـــــی فَجَنَّتنِـــــی تَجَنّـــــی   بِـــتَجَنّ یَفْـــتَنُّ غِـــبّ تَجْنـــی

شَـغَفَتْنی بجَفْـن ظَبـی غَضِـیض   غَـنِج یَقتَضِـی تَغَـیُّضَ جَفْنـی

مذکورہ بالا مثالوں کے علاوہ بہت ساری مثالیں ہیں لیکن انہیں پر اکتفا کرتے ہیں، مذکورہ مثالوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ پہلے کلمہ کے تمام حروف غیر منقوط جبکہ دوسرے کلمہ کے تمام حروف منقوط ہیں تو کہیں تمام حروف غیر منقوط ہیں جو مقامات کے ادبی شہ پارے کی شان میں اضافے کا باعث ہیں تو وہیں ہمیں علامہ حریری کے اعلیٰ ادبی کمال اور ان کی غیر معمولی ادبی صلاحیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

المقامات الحریری مدارس اسلامیہ میں ابتداء ہی سے داخل نصاب رہی ہے اور بڑے مشاق اساتذہ اس کا درس دیتے رہے ہیں۔فی زمانہ کتاب نہایت اعلی ادبی نمونہ اور کثیر الاستعمال ادبی صنعتوں، الفاظ مترادفہ، مشکل تعبیرات وغیرہ کے باعث طلباء کے لیے لیاقت کی کمی کے باعث مزید گنجلک اور مشکل ہو گئی ہے حتی کہ اس کے داخل نصاب رکھنے پر بہت ساری باتیں ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ آج کے طلباء کی لیاقت کے پیش نظر خارج نصاب کر دینا چاہیے تو بعض اس کے داخل نصاب ہونے کے حق میں ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ خارج نصاب کرنے سے طلباء کی لیاقت کی کمی میں مزید اضافہ ہو گا، راقم کے مطابق آخر الذکر زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

المقامات الحریری علامہ حریری کے پچاس مقاموں کا مجموعہ ہے لیکن چونکہ عربی مدارس میں 10 ہی مقامے داخل نصاب اور پڑھائے جاتے ہیں، اسی وجہ سے بالعموم جو تراجم و شروحات پائی جاتی ہیں وہ 10 ہی مقامے پر مشتمل ہیں معدودے چند کے۔اس کتاب کی مختلف فضلائے مدارس نے درسی ضرورت اور طلباء کی آسانی کے لیے شرحیں تیار کیں۔

راقم کو المقامات الحریری کی درج ذیل اردو شروحات و تراجم موصول ہوئے ہیں، ذیل میں ان کے جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی۔اردو شروحات و تراجم درج ذیل ہیں:

درس مقامات حریری	مولانا ابن الحسن عباسی
الافاضات	مولانا افتخار علی
الکمالات الوحیدۃ	افادات: مولانا وحید الزماں کیرانوی، مرتب و مترجم: مولانا جمشید احمد قاسمی
المرآۃ لکشف معانی المقامات	افادات: مولانا اعزاز علی، مرتب و مترجم: میاں حکمت شاہ کاکاخیل
مقامات خمسۃ حریری	غلام رسول کوکب

تشریحات	مولوی محمد نور حسین قاسمی
تیسیر مقامات	مفتی عبد الغفور
دروس مقامات	مولانا صادق الامین
افادات شبیری	علامہ مولانا حافظ شبیر حسین
	مولانا محمد شیخ صدیق احمد انوروی
تحفۃ المشتاق لمن یقرء المقامات	مولانا سید مشتاق احمد

درس مقامات حریری

مترجم وشارح ابن الحسن عباسی ہیں جو رفیق شعبہ تصنیف واستاد جامعہ فاروقیہ کراچی، پاکستان رہے ۔بمطابق پیش لفظ یہ ترجمہ وشرح ابن الحسن عباسی کے درس کے دوران الیاس احمد نامی شاگرد نے ابتدائی چار مقامے کو قلمبند کیا، جن میں بعد ازاں مترجم وشارح نے حذف واضافہ کیااور بعد کے پانچویں سے آخر تک کے مقامے بذات خود لکھے۔یہ کتاب تقریباً 450سے زائد صفحات پر مشتمل ہے،ابتداءً پیش لفظ، مقدمۃ العلم جس میں ادب اور علم ادب، فن مقامہ، المقامات الحریری کے متعلق اہم باتیں درج کی گئی ہیں،اور مقدمۃ الکتاب درج کیا گیاہے،اس کے بعد دس مقامات کا ترجمہ، تشریح، لغوی تحقیق وغیرہ کو بیان کیا گیاہے۔

یہ ترجمہ و شرح کتاب کے ٹائٹل پیج کے مطابق المقامات الحریری کے ابتدائی دس مقاموں کی جدید شرح جو سلیس ترجمہ،الفاظ کی لغوی تحقیق،ان کے جدید اصطلاحی معانی،اشعار کی ترکیب اور ہر مقامہ کے خلاصہ کے ساتھ ساتھ لغوی نودرات،امثال وحکایات اور ادبی لطائف پر مشتمل ہے۔

صاحب کتاب نے درس مقامات کے متعلق کچھ اہم باتیں جس کا انہوں نے التزام کیاہے وہ درج ذیل ہیں:

- عربی متن کا لفظی ترجمہ کیا گیا ہے،اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ خوبصورت بھی اور لفظی و عام فہم بھی۔
- ہر مقامہ کی ابتداء میں اس مقامہ کا ما حصل اور خلاصہ، کہانی کا اجمالی خاکہ اور اس میں مذکور اشعار کی تعداد درج کی گئی ہے تاکہ پڑھنے کے دوران اس مقامہ میں مذکور قصہ کا اجمالی تصور ذہن میں قائم ہو جائے۔
- طلباء کی ضروریات کے پیش نظر اشعار کی نحوی ترکیب بڑی استیعاب کے ساتھ کی گئی ہے۔
- الفاظ کی لغوی تحقیق میں اسم مفرد کی جمع اور جمع کا مفرد درج کیا گیا، فعل مجرد کا باب اور اس کے معانی بیان کیے گیے ہیں، بعد اس کے مجرد سے بھی اس کا باب، مصدر اور معنی لکھے گئے البتہ اس بات کا خیال رکھا گیا ہے مکررہ کلمات کو پیش نہ کیا جائے۔
- بہت سارے الفاظ کے جدید ترین معانی بھی بیان کیے گیے ہیں نیز مختلف معانی میں مستعمل الفاظ کے معانی ابن فارس کی مشہور لغت ''معجم مقاییس اللغۃ'' سے بیان کیے گیے ہیں۔
- بعض مقامات پر ادبی واقعات کو ضبط تحریر میں باقاعدہ حوالے کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔
- محاورے اور ضرب الامثال کا پس منظر اور معانی و مطالب بیان کیے گیے ہیں۔
- مختلف مقامات یعنی شہروں، شخصیات کے تذکرے میں تاریخی اور جغرافیائی تعارف پیش کیا گیا ہے۔
- دوران تشریح بعض چیزوں کو بیان اور واضح کرنے کے لیے بطور استشہاد قرآنی آیات کو پیش کیا گیا ہے۔

اس کتاب پر غائر نظر ڈالنے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم و شارح نے موجودہ زمانے کے طالب علموں کی ضرورتوں اور صلاحیتوں کا خیال رکھتے ہوئے بڑی عمدگی اور مہارت کے ساتھ اس کتاب کو تیار

کیا ہے، جس سے طالب علموں کی صلاحیت اور ان کی معلومات میں اضافہ کے ساتھ ساتھ بڑی آسانی کے ساتھ دوسری مفید باتیں بھی ان کے علم میں آجائیں گی۔

مقدمۃ الکتاب سے ترجمہ و تشریح شروع ہوتی ہے جس میں مترجم و شارح نے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے لے کر مقدمہ کی آخر تک 56 صفحات پر مشتمل بڑی گنجلک بحث کی اور ہر ہر لفظ کی لغوی تحقیق کے ساتھ علماء کے اقوال اور دوسری کتابوں کے حوالے درج کیے ہیں، یہاں ان کا ذکر کرنا خارج از بحث ہے اس لیے اس سے احتراز کیا جاتا ہے۔

پہلا مقامہ صنعانیہ سے شروع ہوتا ہے۔ مترجم نے پہلے مقامہ کی شروعات میں علامہ حریری کے مقامات کے بیان کرنے طرز و طریقہ کے متعلق اہم تحریر درج کی ہے:

"علامہ حریری کے مقامات کی ہر دہائی کا پہلا مقامہ وعظ و نصیحت اور زہد و تقوی کی ترغیب پر مشتمل ہے، انکا یہ پہلا مقامہ بھی ایک ولولہ انگیز تقریر پر مشتمل ہے اور یہی تقریر اس مقامہ کے عروسِ الفاظ کا حسین زیور ہے، جس میں انسان کی غفلت، آخرت کی تیاری اور دنیا کی بے ثباتی کو بڑے پر شکوہ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے"۔[119]

مذکورہ کتاب کے ترجمے کا اندازہ بعض مقامات کے ترجمے سے لگایا جاسکتا ہے بطور مثال کچھ عربی متن اور اس کے اردو تراجم کو درج کیا جاتا ہے۔

حدث الحارث بن همام قال: لما اقتعدت غارب الاغتراب، وأنأتنى المتربة عن الأتراب، طوّحت بى طوائح الزمن، إلى صنعاء اليمن، فدخلتها خاوى الوفاض، بادِىَ الإنفاض، لا أملك بُلغةً، ولا أجِدُ فى جِرابى مضغةً.

ترجمہ: حارث بن ہمام نے بیان کیا جس وقت میں سفر کے کاندھے پر سوار ہوا اور فقر نے مجھے ہم عمروں سے دور کردیا تو زمانے کے حوادثات نے مجھے صنعاء یمن کی طرف پھینکا پس اس میں داخل ہوا اس حال

[119] درس مقامات، ص۔58

میں کہ میرا توشہ دان خالی تھا، اور میرا فقر ظاہر تھا، میں تھوڑے سے توشے کا بھی مالک نہ تھا اور اپنے توشہ دان میں ایک لقمہ بھی نہیں پاتا تھا۔[120]

درج بالا ترجمے پر نظر ڈالی جائے تو متن کے الفاظ کے اردو ترجمہ میں بہت حد تک لفظی ترجمہ کی رعایت کی گئی ہے لیکن اس لفظی ترجمہ کی بڑی خوبی یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کی قرأت میں بڑی روانی ہے اور معنی و مفہوم بہت واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔

مترجم نے لفظی ترجمہ کے دوران اگر کسی قسم کی ضرورت محسوس کی تو وہاں قوسین کے اندر تھوڑی بہت وضاحت کر دی ہے، اس کی مثال ذیل میں درج کی جاتی ہے:

”واستسرَّ عنی حیناً، لاأعرف لہ عریناً، ولا أجدُ عنہ مُبِیناً، فلمّا أبتُ مِن غُربتی، إلی مَنبِتِ شُعبَتی،حَضَرْتُ دَارَ کتُبِھا التی ھِیَ مُنتَدی المتأدِّبین، ومُلْتقی القاطِنینَ مِنھم والمُتَغرِّبین، فدَخلَ ذُولحیۃٍ کثَّۃٍ ، وھیئَۃٍ رَثَّۃٍ، فسلّم علی الجلّاس، وجَلَسَ فی أخْرَیَاتِ النّاسِ۔

ترجمہ: وہ مجھ سے ایک زمانہ تک بالکل چھپا رہا، میں اس کا ٹھکانہ نہیں جانتا تھا اور نہیں پاتا تھا اس کے بارے میں کسی ظاہر کرنے (اور بتلانے) والے کو، چنانچہ جب میں لوٹ آیا اپنے سفر سے اپنی شاخ (قرابت) کے اگنے کی جگہ طرف (یعنی اپنے وطن اصلی کی طرف) تو میں اس کے اس کتب خانہ میں حاضر ہوا جب ادیبوں کے جمع ہونے کی جگہ اور ان میں سے مقیم، مسافر لوگوں کی ملاقات گاہ تھا تو ایک گھنی داڑھی اور بوسیدہ حالت والا شخص داخل ہوا، اس نے بیٹھنے والوں پر سلام کیا اور لوگوں کے پیچھے بیٹھ گیا۔[121]

درج بالا ترجمہ میں بوقت ضرورت قوسین میں مطلوب وضاحت کو درج کر کے ترجمہ لائق فہم بنانے کی کوشش کی ہے، مترجم کا یہ طریقہ ترجمہ نگاری میں کسی بات کی وضاحت کے لیے اپنایا جاتا ہے۔

علامہ حریری کی فن بلاغت پر فوقیت کا اندازہ لگانے کے لیے ان کے ان اشعار کو بطور استشہاد پیش کیا جا سکتا ہے جس میں بڑی عمدگی کے ساتھ تشبیہ وغیرہ کا استعمال کیا ہے، علامہ حریری نے محبوبہ کی جدائی کے

---

[120] درس مقامات، ص59

[121] درس مقامات، ص،108

دن زیب تن کیے ہوئے لباس کا کس انداز میں نقشہ کھینچتے ہیں، عربی متن اور اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

وأقبلتْ يومَ جَدَّالبينُ فى حُلَلٍ سودٍ تعضُّ بنانَ النادِمِ الحَصِرِ

فلاحَ ليلٌ على صُبحٍ أقلّهُما غُصنٌ وضرَّستِ البِلّورَ بالدُّررِ

ترجمہ: (1) وہ سادہ لباس میں سامنے آئی جس دن جدائی واقع ہوئی اس حال میں کہ وہ پشیمان، گفتگو سے عاجز آدمی کی طرح (شرمندگی کی حالت میں) انگلیوں کے پوروں کو کاٹ رہی تھی۔

(2) چنانچہ رات صبح پر ظاہر ہوئی، ان دونوں (رات و صبح) کو ایک ٹہنی نے اٹھایا ہوا تھا اور وہ بلور کو موتیوں سے کاٹ رہی تھی۔

مذکورہ اشعار میں سیاہ زلفوں کو رات کے ساتھ، چہرے کو صبح کے ساتھ اور قد کو شاخ کے ساتھ، اسی طرح انگلیوں کے پوروں کو بلور کے ساتھ اور دانتوں کو موتی کے ساتھ تشبیہ دی ہے، اور اس کی زلفیں رات کی طرح تاریخ اور اس کا چہرہ صبح کی طرح درخشاں تھا، بطور تشبیہ بیان کیا ہے۔

جیسا کہ اوپر درج کیا گیا کہ یہ ترجمہ و شرح طالب علموں کی درسی ضروریات کو پوری کرنے کے لیے انجام دیا گیا چنانچہ مترجم و شارح ترجمہ کے ساتھ تھوڑی بہت تشریح بھی کرتے ہیں اور یہ امر اشعار کے ساتھ اپناتے ہیں تاکہ بات طالب علموں کے ذہن میں واضح ہو کر اچھی طرح بیٹھ جائے چنانچہ درج بالا اشعار کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

"محبوبہ جدائی کے سوگ اور غم کے سیاہ کپڑوں میں ملبوس ہو کر سامنے آئی انگلیاں منہ میں دبائے ہوئی، بالکل خاموش کھڑی رہی، اس کی سیاہ زلفیں اس کے چمکتے چہرے پر لہلہا رہی تھیں اور درخت کی شاخ کی طرح نرم و نازک اور لمبا قد لیے وہ اس حال میں کھڑی رہی کہ بلور کی طرح سفید انگلیوں کو اس نے موتی کی طرح حسین دانتوں میں دبائے رکھا تھا"۔[122]

اس تشریح کے بعد طالب علموں کے سامنے معنی و مفہوم بالکل واضح طور پر سامنے آجاتا ہے۔ مترجم کا یہ طریقہ ترجمہ نگاری کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ترجمہ سے الگ ایک تشریح کے زمرے میں آتا ہے، جو

---

[122] درس مقامات، ص125

درسی ضرورت کے لحاظ موزوں ومناسب بھی ہے، لیکن ترجمے کے نقطہ نظر سے نہیں۔

مختصر طور پر درس مقامات کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں مترجم کی جانب سے عربی متن کا جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ گرچہ لفظی ہے لیکن قوسین کی مدد سے مطلوب ومقصود مقامات پر وضاحت سے طالب علموں کی ضرورت اچھی طرح پوری ہو رہی ہے۔

تشریحات

مترجم وشارح کا نام مولوی محمد نور حسین قاسمی ہے۔یہ کتاب تقریباً 550 صفحات پر مشتمل ہے، سابق الذکر کے بالمقابل اس میں عربی متن کا سلیس اردو ترجمہ کیا گیا ہے، اس کے علاوہ الفاظ لغوی ونحوی تحقیق اور ضرب الامثال، محاورات، قرآن وحدیث سے استشہاد اور ادبی لطائف ومترادفات کو سابق کی طرح بیان کیا گیا ہے۔اس کتاب کو بھی مدارس کے طلباء کی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تیار کیا گیا ہے۔

سابق کی طرح اس کے مؤلف نے بھی ٹائٹل صفحہ پر کتاب کے بارے میں مختصر طور پر خاص چیزوں کا ذکر کر دیا ہے جس سے اولِ وہلہ میں کتاب کے بارے میں ایک خاکہ سامنے آجاتا ہے۔ٹائٹل صفحہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

> ”مقامات حریری کی ایک عام فہم، آسان شرح جس میں سلیس اردو ترجمہ، ہر لفظ کی لغوی ونحوی تحقیق اور مختلف ابوابِ صرفیہ کی تحقیق کے علاوہ بعض اہم مواضع کی تراکیب نحوی، جدید اصطلاحی معانی اور ہر مقامہ کے شروع میں اس کا خلاصہ درج ہے۔اس کے ساتھ ہر لفظ کی تحقیق کے علاوہ استشہاد کے لیے ہر لفظ کی قرآنی آیات یا حدیثِ نبویہ ﷺ اور عربی امثال وادبی لطائف کے ساتھ الفاظِ مترادفہ کے فروق کا بھی التزام کیا گیا ہے۔نیز شروع میں علمِ ادب ، مقامات اور صاحبِ مقامات پر سولہ، سترہ صفحات کا ایک طویل مقدمہ شامل ہے۔اس طرح یہ کتاب علماء اور طلباء کے لیے ایک علمی سرمایہ کی

حیثیت اختیار کر گئی ہے۔"[123]

مؤلف کتاب کے مقدمے میں سابق الذکر کی طرح علم کے مبادی: تعریف، موضوع، غرض وغایت، لفظ مقامہ، اس کی مختصر تاریخ، مقامات حریری اور علامہ حریریؒ، عربی ادب اور عربی ادب میں مقامات حریری کا مقام و مرتبہ وغیرہ کو ذکر کیا ہے۔ ترجمہ و تشریح کی ابتداء مقامات حریری کے مقدمے سے کی گئی ہے۔ جس میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھا گیا ہے:

- ❖ عربی متن کا بامحاورہ اور سلیس ترجمہ متن سے قریب تر ہو
- ❖ حسب سابق ہر مقامہ کے شروع میں خلاصہ
- ❖ قرآنی آیات واحادیث سے استشہاد
- ❖ الفاظ کی لغوی، نحوی وصرفی تحقیق
- ❖ الفاظ مترادفہ کے مابین فرق کی وضاحت

درج بالا باتوں کے علاوہ بھی اور بھی باتوں کا خیال رکھا گیا ہے، اگر کوئی ایسی بات سامنے آتی ہے تو اسے پیش کیا جائے گا۔ ذیل میں مختلف مقامات کے چیدہ عربی متون اور اس کے اردو تراجم کو پیش کر کے جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ سلیس ترجمہ کا اندازہ بالکل پہلے مقامہ کے عربی متن کے اردو ترجمہ کو دیکھ کر لگایا جاسکتا ہے جس میں مترجم نے عربی متن میں موجود الفاظ کے علاوہ سلیس ترجمہ کے لیے کچھ اردو الفاظ کا اضافہ کیا ہے:

المقامۃُ الأولیٰ الصّنعانیۃ حدثَ الحارثُ بنُ ھَمّام

اردو ترجمہ: پہلا مقامہ (پہلی مجلس) جو (شہر) صنعاء کی طرف منسوب ہے، حارث بن ہمام نے بیان کیا ہے کہ۔[124]

---

[123] تشریحات، ٹائٹل صفحہ

[124] تشریحات، ص91

اوپر لفظ مقامہ کا ترجمہ مترجم نے مجلس سے کیا جیسا کہ مقامہ کی تعریف و تشریح میں مجلس معنی کا ذکر آیا یہاں مترجم نے قوسین میں رکھ کر مقامہ کے ترجمہ کو بیان کیا ہے، نیز الصنعانیۃ کی وضاحت کرتے ہوئے ''جو شہر صنعاء کی طرف منسوب ہے''، سلیس ترجمہ کیا گیا ہے۔

لیکن مترجم کے بعض عربی متن کے لفظی و سلیس دونوں ترجمے بھی ہمیں نظر آتے ہیں، مثلاً

فرأيتُ فِی بُهرةِ الحلقَۃِشخصاً شَختَ الخِلقَۃِ علیہ أُهْبَۃُ السِّیاحۃِ ولہُ رنّۃُ النِّیاحَۃِ۔

ترجمہ: پس دیکھا میں نے اس حلقہ کے بیچ میں۔ایک ایسے ضعیف الخلقت شخص کو، جس پر سفر کا سامان تھا اور وہ زار و قطار رو رہا تھا۔[125]

مذکورہ عربی متن کے اردو ترجمہ میں شروع میں لفظی ترجمہ سے کام لیا گیا جب کہ آخر میں سلیس ترجمہ کو برتا گیا۔ حالاں کہ اس کا سلیس ترجمہ اگر کیا جائے تو اس طرح کر سکتے ہیں کہ ''میں اس حلقہ کے بیچوں بیچ ایک ایسے ضعیف الخلقت شخص کو دیکھا جو سامان سفر لیے زار قطار رو رہا تھا''۔ اب مندرجہ بالا کے عربی متن کے اردو ترجمہ میں لفظی و سلیس دونوں اسلوب کیوں اپنایا گیا، اس کی وجہ مترجم ہی بتا سکتے ہیں، راقم کو ایک وجہ جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ گرچہ مترجم نے سلیس اردو ترجمہ کا دعوی کیا ہو لیکن ساتھ ہی انہوں نے اس کتاب کی تیاری کا مقصود و مطلوب طلباء کی ضرورت کو پورا کرنا ہے، ممکن ہے کہ مترجم نے اس کے پیشِ نظر یہ طریقہ اپنایا ہو۔

نیز مترجم عربی متن کے حصے کے انتخاب میں کچھ عجیب سا طریقہ اپناتے ہیں جس کا ترجمہ پڑھ کر عبارت بے ربط سی معلوم ہوتی ہے، ممکن ہے کہ یہ طریقہ طلباء کی آسانی کے لیے اپنایا گیا ہو اور متن کی ربطگی کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو۔

---

[125] تشریحات، 100

تشریحات میں منتخب عربی متن اور اردو ترجمہ

فسمِعْتُہ یقولُ حینَ خبَّ فی مجالہِ وھدرتْ شقاشق اِرْتِجالہ ایّھا السّادرُ فی غُلوائِہ السادلُ ثوبَ خُیلائہ۔

پس میں نے فی البدیہ فصیح تقریر کرتے ہوئے سنا،جس وقت وہ اپنی جولانگاہ میں جولانی(گشت) کر رہا تھا۔اے بے باک! حد سے تجاوز کرنے میں اور غرور کے کپڑے کو لٹکانے والے۔[126]

مذکورہ دونوں مثالوں سے انتخاب متن کا اختلاف بالکل واضح طور پر نظر آتا ہے۔راقم کو درس مقامات میں انتخاب متن کا اسلوب زیادہ موزوں و مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ذیل میں کچھ عربی اشعار کے اردو تراجم کا جائزہ لیتے ہیں کہ مصنف نے اشعار کے تراجم میں کس طرح ترجمہ نگاری کا فریضہ انجام دیا ہے۔اشعار چھٹے مقامے کے ہیں جب وہ خط سے فارغ ہوتا ہے، مجمع اس کی فصاحت و بلاغت دیکھ ششدر ہو جاتا ہے،ساتھ یہ سوال ہوتا ہے کہ تم کس قبیلے اور خاندان سے ہو،جواب اشعار کی صورت میں دیتا ہے،ذیل میں اشعار درج کیے جاتے ہیں:

غَسّانُ اُسْرَتِی الصمیمۃ وسَرُوجُ تُربتی القدیمۃ

فالبیتُ مثْلُ الشمسِ اِش راقاًو مَنزِلۃً جسِیمۃ

ترجمہ: قبیلہ غسان میرا اصل خاندان ہے،اور مقام سروج،میری پرانی مٹی ہے(میرا قدیمی وطن سروج ہے یا جائے پیدائش)۔

پس میرا گھر مثل سورج کے ہے باعتبار چمکنے کے اور بڑے مرتبے کے(یا میرا گھر اور میرے باغیچے مقام و مرتبہ کی وجہ سے سورج کے مانند ہیں)۔[127]

اشعار کی صورت میں غمِ زندگی کے متعلق کچھ اس طرح نقشہ کھینچتا ہے:

---

[126] تشریحات،ص104

[127] تشریحات،ص،378

فلو اَنَّ کرْبامُتلِفٌ لتَلِفتُ مِن کُربِی المُقِیمہ

اَو یُفتدِی عیشٌ مَضَی لَفَدَتْہ مُھجَتِی الکرِیمہ

ترجمہ: پس اگر معلوم ہو کہ تحقیق کوئی سخت تکلیف ہلاک کرنے والی ہے تو میں ہلاک ہو جاتا اپنے غموں سے جو دائمی ہے (تو میں یقینا دائمی تکلیف کی وجہ سے ہلاک ہو جاتا)۔

یا اگر فدیہ دیا جاسکتا گذشتہ زندگی کا تو میں البتہ فدیہ کردیتا اپنی عزیز جان کو (یا میں اپنی عزیز جان کو اس کے فدیے میں دے ڈالتا)۔[128]

مذکورہ بالا اشعار کے اردو ترجمہ پر جب نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے مترجم نے کس قدر سلیس ترجمے سے کام لیا ہے، مترجم کے مطابق سلیس ترجمہ نگاری سے کام لیا گیا ہے لیکن ترجمہ پر سرسری نظر ڈالتے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ترجمہ نگار نے بھلے ہی سلیس ترجمہ کا دعوی کیا ہو لیکن ترجمہ اور بین القوسین میں وضاحت سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ ترجمہ سلیس نہیں ہے، اگر ترجمہ سلیس ہوتا ہے تو بین القوسین اتنی وضاحت کی ضرورت پیش نہ آتی۔ جبکہ یہی ترجمہ ہم سابق میں مذکور کتاب کا دیکھتے ہیں جس میں مترجم نے لفظی ترجمہ کی بات کہی ہے وہاں ان اشعار کا ترجمہ سلیس اور رواں معلوم ہے۔

غسان میرا اصلی خاندان ہے اور سروج میرا پرانا وطن ہے۔

چنانچہ (وہاں) میرا گھر چمک اور بلندی کے اعتبار سے سورج کی طرح تھا۔

پس اگر کوئی مصیبت ہلاک کرنے والی ہوتی تو میں اپنے مقیم (اور دائمی) مصائب سے ہلاک ہو جاتا ہے۔

یا اگر گذری ہوئی زندگی کا فدیہ دیا جاسکتا تو میری شریف جان اس پر فدا ہو جاتی (یعنی اگر گذری ہوئی حسین زندگی کو فدیہ دے کر لوٹایا جاسکتا تو میں جان بھی اس کو لوٹانے کے لیے قربان کردیتا)۔[129]

اسی طرح الافاضات کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

میرا خالص خاندان قبیلہ غسان ہے اور میری قدیمی وطن شہر سروج ہے اور میرا گھر روشنی اور عمدہ مرتبہ

---

[128] تشریحات، ص381-382

[129] درس مقامات، ص391-393

بزرگی وشرف کی وجہ سے شمس کی طرح روشن ہے۔[130]

خلاصہ یہ کہ تشریحات کے اردو ترجمے کو سلیس کے بجائے قدرے لفظی کہنا زیادہ مناسب وموزوں ہوگا، جس کا اندازہ مذکورہ بالا دوسرے تراجم سے بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن ساتھ راقم کا یہ ماننا ہے کہ مولف کتاب کی یہ خدمت جس مقصد کو سامنے رکھ انجام دی گئی ضرور بالضرور ان کے لیے مدد ومعاون ہوئی ہوگی۔

افادات شبیری اردو شرح مقامات حریری

مؤلف کتاب کا نام شبیر حسین ہے جو کہ کتاب پر القابات کے ساتھ علامہ مولانا حافظ شبیر حسین مد ظلہ العالی درج کیا گیا ہے۔ مؤلف جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کے فاضل نیز جامعہ کے مدرس رہے ہیں۔ زیر نظر کتاب جو راقم کے پاس موجود ہے، کی اشاعت جولائی 2015ء، مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور ہے۔ صفحات کی تعداد کتاب کے اندرونی صفحہ پر 304 درج ہیں جبکہ ہندسے کے اعتبار سے کتاب کے آخری صفحہ پر 364 درج ہے۔ اس کتاب میں پانچ مقامات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ صاحب کتاب نے طریقہ ترجمہ وتشریح کے متعلق کچھ بھی ذکر نہیں کیا، نصف صفحہ پر مشتمل انتسابی تحریر کے بعد ادب، علم ادب، ادب اور علم ادب میں فرق، علوم ادبیہ کی تعداد، مقامات حریری، علامہ حریری اور لفظ مقامہ کے متعلق کچھ باتیں دس صفحات پر تحریر کی ہیں، بعدہ مقامات حریری کے مقدمے سے اصل ترجمہ وتشریح ''ترجمہ مع مطالب'' کی ہیڈنگ کے ساتھ آغاز کیا ہے۔ دوسرے مترجمین کی طرح انہوں بسم اللہ الرحمن کی بحث میں طوالت سے گریز کرتے ہوئے محض دو صفحے میں بسم اللہ کی بحث ہے جبکہ دوسرے حضرات نے کافی مفصل گفتگو کی ہے۔

---

[130] الافاضات، ص238-239

صاحب کتاب کا اسلوب کچھ یوں ہے کہ وہ عربی متن کو معرب کرنے کے بعد ترجمہ مع مطالب اور کہیں ترجمہ مع التوضیح کی ہیڈنگ کے ساتھ عربی عبارت کی اردو میں منتقلی کا فرئضہ انجام دیتے ہیں ساتھ ہی ساتھ مطالب بھی بڑے ایجاز کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں، اس کے بعد عربی الفاظ کے معانی، لغوی تحقیق پیش کرتے ہیں۔ نیز سابق کی طرح صاحب کتاب نے بھی ہر مقامہ کے ابتداء میں اس کا مختصر ساخلاصہ پیش کیا ہے۔ صاحب کتاب نے مختصر عربی متن کا ایک پیرا گراف کے بجائے صرف مختصر جملہ منتخب کر کے اردو ترجمہ مع مطالب تحریر کیے ہیں۔ جیسے

طَالَما اَيْقظکَ الدَّهرُ فتَناعَستَ وجذَبَک الوَعْظُ فتقاعَستَ۔

ترجمہ مع التوضیح: زمانہ تجھے بیدار کرتا رہا پس تو بتکلف سویا رہا اور وعظ اور تقریریں تجھے کھینچتی رہیں پس تو بتکلف پیچھے ہٹتا رہا (مطلب یہ کہ تو نے وعظ و نصیحت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا)۔[131]

لَااَمْلِکُ بُلغَۃً، ولا اَجِدُ فِی جِرابی مضغۃً۔

ترجمہ مع التوضیح: میں قلیل روزی کا بھی مالک نہ تھا، اور میں اپنے توشہ دان میں قوت لایموت بھی نہیں پاتا تھا، (مطلب یہ ہے میرے پاس کھانے پینے کی چیزیں بالکل ختم ہو چکی تھی اور میرے پاس اتنی چیز بھی موجود نہ تھی جو مجھے زندہ رکھ سکے)۔[132]

تَأْمُرُ بالعُرفِ وتنتَھک حَماہُ وتَحمِیْ عَنِ النُّکرِ ولَا تَتَحاماہُ۔

ترجمہ مع التوضیح: تو دوسروں کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور خود اس کی چراگاہ کی بے حرمتی کرتا ہے، اور تو لوگوں کو برائی سے منع کرتا ہے اور خود اس سے باز نہیں آیا۔[133]

مذکورہ ترجموں سے صاحب کتاب کے طریقہ ترجمہ نگاری کا اندازہ ہوتا ہے، ترجمہ سلیس اور رواں ہے۔ عربی متن کے الفاظ کی رعایت کرتے ہوئے بغیر کسی وضاحت کے بھی ترجمہ کیا گیا جیسے:

وَرُبَّ مَذّاقِ الھَویٰ خالَنِی　　　اَصْدُقُہ الوَدَّ علیٰ لَبْسِہ

---

[131] افادات شبیری، ص108

[132] افادات، ص91

[133] افادات شبیری، ص113

ترجمہ مع التوضیح: اور بہت سارے محبت میں منافقانہ چال چلنے والے میرے بارے میں خیال کرتے ہیں میں ان کی گڑ بڑ اور نفاق کے باوجود ان سے سچی محبت کرتا ہوں۔[134]

مذکورہ شعر کے ترجمہ میں مترجم بغیر کسی قوسین میں وضاحت کے عربی متن کے الفاظ کی رعایت کرتے ہوئے سلیس ترجمہ کا فریضہ انجام دیا ہے۔ تو کہیں مطالب کے ساتھ بامحاورہ ترجمہ کیا گیا ہے، جیسا کہ اوپر کے عربی متن میں ''تأمُرُ بالعُر فِ'' کا لفظی ترجمہ کریں تو ''تو نیکی کا حکم کرتے ہو یا نیکی کا حکم دیتے ہو'' ہو گا جبکہ مترجم بامحاورہ ترجمہ کرتے ہوئے اس میں ''دوسروں کو'' اضافہ کر کے بامحاورہ بنا دیا جس سے بات مزید واضح ہو گئی۔ مترجم کا یہ طریقہ تقریباً پوری کتاب میں جابجا نظر آتا ہے۔ اشعار کے تراجم میں بھی مترجم یہ طریقہ اختیار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جیسے:

عَلىٰ اَنَّنِیْ لَمْ اَهَبْ صَرفَہ وَلَا نَبَضَتْ لِی منہُ فَرِیصَہْ

ترجمہ مع التوضیح: اس کے باوجود میں حوادثاتِ زمانہ سے نہیں گھبرایا اور نہ ہی حوادثاتِ زمانہ کی وجہ سے میرے شانے کے گوشت نے حرکت کی (مطلب یہ ہے کہ جب انسان پر کوئی خوف اور دہشت طاری ہوتی ہے تو وہ گھبراتا ہے تو اس شانے کا گوشت حرکت کرتا ہے اور شاعر یہ بتلانا چاہتا ہے کہ میں کبھی بھی خوف زدہ نہیں ہوا)۔[135]

مذکورہ بالا شعر کے ترجمے پر نظر کرنے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم نے بڑے عمدگی کے ساتھ بامحاورہ تکنیک کو بروئے کار لاتے ہوئے ترجمے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اردو ترجمے میں ہم دیکھتے ہیں کہ مترجم نے ''مع التوضیح'' کے لیے قوسین کا استعمال کر کے مزید وضاحت کر دی ہے۔ مترجم کا یہ طریقہ طالب علموں کی درسی ضرورت کے لیے بہت ہی مناسب و موزوں ہے۔

---

[134] افاداتِ شبیری، ص 244

[135] افادات شبیری، ص 124

الافاضات

کتاب کے ٹائٹل صفحہ پر صاحب کتاب کے نام مولانا محمد افتخار علی (سابق مدرس دار العلوم دیوبند) کے ساتھ شارح درج ہے۔ راقم کے زیر نظر کتاب کا ٹائٹل اور ایک داخلی صفحہ کمپوزنگ ہے جبکہ مابقیہ کی کتابت کی گئی ہے۔ حسینیہ پریس ملتان سے شائع شدہ، پہلی طباعت 2004 درج ہے۔ فہرست کے بغیر کتاب کے آغاز میں شارح کا عربی زبان میں پیش لفظ درج ہے، جس میں حمد وثناء کے بعد عربی ادب کے متعلق بہت ہی مختصر بحث رقم ہے۔ اس کے بعد حالات علامہ حریری، مقامات حریری اور صنائع وبدائع کے متعلق اردو میں بڑی اچھی بحث پیش کی گئی ہے، جس میں اشعار کے ساتھ مثالیں بھی درج کی گئی ہیں۔ کتاب کی دو جلدیں ایک ہی ساتھ مدغم ہیں، فہرست کے نہ ہونے کی وجہ سے مقامات کی تلاشی میں دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کتاب میں کل 30 مقامات کا احاطہ کیا گیا، اس کتاب کا آخری مقامہ ''الصُّورِیَّۃُ'' ہے۔

ترجمہ کی ابتداء حسب سابق مذکور مقامات حریری کے مقدمے سے ہوتی ہے۔ کتاب میں عربی متن کو معرب کرنے کے بعد ''الترجمہ والمطالب'' کی ہیڈنگ دے کر اردو ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی تشریح لغات دے کر عربی الفاظ کی تحقیق کی گئی ہے۔ اس کتاب میں ہر مقامہ کے آغاز میں خلاصہ درج نہیں کیا گیا ہے۔ اس کتاب کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم وشارح کا الترجمہ والمطالب کی ہیڈنگ دیکر اردو زبان میں جو منتقلی فریضہ انجام دیا ہے وہ طلباء کے لیے بہت موزوں و مناسب ہے کیوں کہ اس میں طوالت سے بیشتر اجتناب کیا گیا ہے۔ ذیل میں عربی متون کے اردو تراجم ذکر کیے جاتے ہیں:

> '' قالَ فی النسبِ فَرْجِی۔ وقالَ فِی المُکْتَسَبِ فخِّیْ۔ قُلتُ فَهَلّا اَکتَفیتَ بِمحاسِنِ فِطرَتِہ وکَفَیتَ والوَالِی الاِفتِنانَ بِطُرَّتِہ۔ فقالَ لَو تُبْرِزْ جَبْهَتہ السِّینَ۔لَمَا قَنفْشتُ الخمْسِینَ ثم قالَ بِتِ اللیلۃَ عِندِی۔لِنُطفِی نَادَ الجَوی۔وَنُدیلَ الھَوٰی مِن النوٰی۔ فقدْ اَجمعتُ علیٰ اَنّ اَنسلَّ بِسُحرَۃِ۔واُصْلِیَ قَلبَ الوالِی نارَ حَسْرَۃٍ، قَالَ: قضیتُ اللیلۃَ معَہ فِی سَمَرٍ،انَقُ مِن حدیقۃِ زهرٍ، وَخَمِیلۃِشجَرٍ، حتی اِذا لألأْ الأُفُقَ۔ذنْبُ السِرْحَانِ، واٰنَ اِنبِلاجُ الفَجْرِ

وحَانَ۔''

الترجمۃ والمطالب: وہ بولا یہ نسب میں تو میرا بچہ ہے اور کمائی میں میرا جال ہے، میں نے کہا کہ تونے اس بچہ کے پیدائشی خوبیوں پر کیوں نہیں بس کیا؟ اور حاکم کو اس کے گیسوؤں سے کیوں مفتون کرایا (پھانسنے کی کوشش کی ؟اس پر بوڑھا بولا کہ اگر اس کی پیشانی سین جیسے گیسوؤں کو ظاہر نہ کرتی تو میں پچاس اشرفیاں نہ جمع کر سکتا۔ پھر بولا کہ آج رات تو ہمارے پاس رہ تاکہ ہم اندرونی آگ کو ٹھنڈا کریں اور ہم محبت کو جدائی کا بدلہ بنادیں کیونکہ ارادہ کرچکا ہوں کہ حاکم کے دل میں حسرت پشیمانی کی آگ لگا کر صبح کاذب سے پہلے دبے پاؤں چپکے سے چل بھاگوں (چلا جاؤں) حارث بن ہمام کہتا ہے کہ میں نے ابوزید کے ساتھ ایسے قصوں میں جو شگوفوں کے باغ اور درختوں کے باغ سے بھی زیادہ عمدہ تھے رات گذاری یہاں تک کہ جب آسمان کے کنارہ پر صبح کاذب ظاہر ہوئی اور طلوع فجر کا وقت آیا(آگیا)۔[136]

مذکورہ بالا ترجمہ دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صاحب کتاب نے نہایت بلیغ انداز میں بڑے ایجاز کے ساتھ ترجمہ اور مطلب کو ایک ساتھ جمع کر کے الگ سے تشریح وتوضیح کی ضرورت کو ختم کر دیا ہے، جو لائق ستائش ہے۔اسی طرح صاحب کتاب اشعار کا ترجمہ کچھ اسی طرح کرتے ہیں مثال ملاحظہ ہو:

لَا تزُرْ مَن تُحِبُّ فی کُلِّ شَہرٍ   غیرَ یومٍ و لا تَزِدْہُ عَلَیہِ

فَاجْتَلاءُ الھلالِ فی الشھرِ یومٌ   ثُمَّ لا تَنظُرُ العُیُونُ اِلَیہِ

الترجمہ والمطالب: تم اپنے دوست سے ہر مہینہ میں ایک دن سے زیادہ نہ ملو اس لیے کہ مہینہ میں صرف ایک بار ہی چاند کو دیکھا جاتا ہے پھر کوئی آنکھ اٹھا کر بھی اس کو نہیں دیکھتا۔[137]

مذکورہ ترجمہ پر نظر کی جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر اس کا لفظی ترجمہ یا لفظ کی رعایت کرتے ہوئے ترجمہ کیا جاتا تو بھی وضاحت مطلوب ہوتی لیکن مترجم نے ترجمہ ومطلب ایک ساتھ ملا کر بالکل سلیس و بامحاورہ

---

[136] الافاضات، ص317

[137] الافاضات، ص423-424

ترجمہ بنادیا ہے، جس کو پڑھنے کے بعد تشنگی باقی نہیں رہتی۔ لیکن پوری کتاب کے تراجم کا جائزہ لیتے وقت اس بات کا بھی احساس ہوا کہ مترجم لفظی رعایت کرتے ہوئے ترجمہ کا فریضہ انجام دیا اور بوقت ضرورت بین القوسین اس کی وضاحت بھی کی ہے۔

اسی طرح اپنے علاقے کے بارے کچھ یوں نقشہ کھینچتا ہے:

مَسقَطُ الرّاسِ سروجُ وبها كنتُ اَموجُ
بَلْدةٌ يُوجَدُ فيها كلُّ شيْءٍ ويَرُوجُ
وِردُها منْ سَلسبِيلٍ وصحارِيْها مُرُوجُ

الترجمہ والمطالب: میرے پیدا ہونے کی جگہ سروج ہے اور میں وہیں موج کرتا ہوں اور وہ ایسا شہر ہے جہاں ہر چیزیں موجود ہیں اور وہاں کا پانی سلسبیل (جنت کے پانی کی) طرح ہے اور وہاں کے جنگل سرسبز و شاداب ہیں۔[138]

اسی طرح اپنی وطن سے ہجرت کے بارے یوں گویا ہے:

ليتَ يومِی حُمَّ لمّا حُمَّ لِیْ منها الخروجَ

کیا اچھا ہوتا اس دن تو مجھے موت آجاتی، جس دن میرے مقدر میں وہاں سے نکلنا لکھا تھا۔[139]

الغرض کتاب ہذا کے مترجم کے ترجمے پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ مترجم نے بہت حد تک طلباء کی آسانی کے لیے سلیس ترجمہ پر زور دیا اور جہاں کہیں ضرورت پیش آئی وہاں بین القوسین تھوڑی سی وضاحت کر کے اردو عبارت کو آسان بنادیا ہے۔

---

[138] الافاضات، ص698

[139] الافاضات، ص700

الکمالات الوحیدیۃ

مرتب کتاب کا نام مولانا جمشید احمد، زیر اہتمام مولانا شفیق احمد خان بستوی کتاب تیار کی گئی ہے۔ یہ کتاب دراصل شیخ الادب مولانا وحید الزمان کیرانویؒ کے درسی اسباق کے افادات ہیں، بقول مولانا شفیق احمد خان مرتب نے دوران درس وحید الزمان کے درس کو اہتمام ودلچسپی کے ساتھ قلمبند کیا کرتے تھے، اور خود بقول مولانا جمشید دورانِ درس کچھ چیدہ چیدہ باتیں نوٹ کر لیا تھا، اگر اس وقت یہ شعور ہوتا کہ اس پر کچھ لکھنے کی توفیق ہو سکتی ہے تو بالاستیعاب لکھ لیتا، چیدہ باتیں اب کتابی شکل میں سامنے موجود ہے۔

صفحات کی تعداد شروع میں 378 درج ہے جبکہ پیش لفظ، انتساب وغیرہ کے ساتھ کتاب تقریباً 500 صفحات پر مشتمل ہے، اس میں 15 مقامات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ دوسرے تراجم وشروحات کی طرح اس کتاب میں بھی پہلا مقامہ "الصنعانیۃ" سے شروع ہوتا ہے جبکہ اس کتاب کا اختتام "المقامۃ الفرضیۃ" پر ہوتا ہے۔

صاحب کتاب نے زیر نظر کتاب کی کچھ خصوصیات ذکر کی ہیں، ترجمے سے متعلق جو باتیں ہیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

- ہر مقامے کے ابتداء میں پورے مقامے کو اجمالاً پیش کیا گیا ہے تاکہ قاری کے ذہن میں مکمل خاکہ بن جائے۔
- ترجمہ سلیس، بامحاورہ کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ الفاظ سے قریب تر رہے۔
- ترجمہ کرتے وقت ترکیب کا خاص خیال رکھا گیا ہے، اگر کسی جگہ کوئی عبارت یا لفظ محذوف ہے، تو بین القوسین اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔
- محاورات اور ضرب الامثال کا پس منظر بہ طور خاص بیان کیا گیا ہے۔

صاحب کتاب نے مذکورہ کتاب میں اساتذہ کرام کی تقریضات، پیش لفظ، کتاب کی خصوصیات، علامہ حریری کا مختصر تعارف، مقدمۃ العلم (جس علم، علم ادب پر گفتگو کی گئی ہے)، اور مقدمۃ الکتاب سے کتاب کے ترجمے و تشریح کا ابتداء کی ہے۔

جہاں تک ترجمے کی بات ہے تو اس کا اندازہ یا جائزہ مختلف مقامات کے ترجمے سے لگا سکتے ہیں، مثال کے طور پر عربی متن اور اس کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

> كيفَ حُكمُ سِيرَتِكَ، معَ جِيلكَ جيرَتِكَ؟ فقالَ: أرعىٰ الجارَ و لَوْ جارَ، وأبْذُلُ الوِصالَ لِمَنْ صالَ، وأحْتَمِلُ الخَليطَ، ولَوْ أبْدَى التَخْلِيطَ، وَ أوَدُّ الحَميمَ، ولَوْ جَرَّ عَنِى الحَمِيمَ، وَ أُفَضِّلُ الشَّفِيقَ علَى الشقِيقِ، وَأفِيٌّ للعَشيرِ، وَإِنْ لَمْ يُكافِئْ بالعشِيرِ۔
>
> ترجمہ: تیری عادت کا فیصلہ اپنے ہمعصروں اور پڑوسیوں کے ساتھ کیسا ہے؟ تو اس نے کہا کہ: میں پڑوسی کا خیال رکھتا ہوں؛ اگرچہ وہ ظلم کرے۔ اور میں اس شخص کے ساتھ تعلق کی کوشش کرتا ہوں، جو حملہ آور ہوتا ہے۔ اور میں ساتھی کو نبھاتا ہوں، اگرچہ وہ دھوکے کا اظہار کرے۔ اور میں رشتہ دار سے محبت کرتا ہوں، اگرچہ وہ مجھے گرم پانی کے گھونٹ پلائے۔ میں سگے بھائی پر مشفق دوست کو ترجیح دیتا ہوں۔ اور میں زندگی کے ساتھی کے لیے وفا کرتا ہوں، اگرچہ وہ دسواں حصہ بھی بدلہ نہ دے۔[140]

صاحب کتاب نے عربی متن کے طویل پیراگراف کے ترجمے کیے ہیں، مثال میں پورے پیراگراف کو پیش کرنا طوالت کا باعث ہوگا اسی لیے اس میں کچھ سطور بطور مثال پیش کی جائیں گی۔ ایک اور مثال درج کی جاتی ہے:

> قالَ الحارثُ بنُ همّام: طَحَابِى مرحُ الشبابِ، وهوَى الاكتِساب،إلىٰ أنْ جُبتُ مابينَ فَرغانةَ وَ غانَۃَ، أخُوضُ الغِمارَ لأجْنِىَ الثِّمارَ،وَ أقْتَحِمَ الأخْطارَ لِكَىْ أُدرِكَ الأوطارَ، وَكنتُ لقِفتُ مِن أفواهِ العُلَماءِ، وَثقِفْتُ مِنْ وَصاياالحُكَماءِ، أنّہُ يَلزِمُ الأديبَ الأرِيب، إذادَخَلَ البلَدَ الغرِيبَ، أنْ يستميلَ قاضِيۃَ، وَيَستخْلِصَ مَرَاضِيَہ، لِيَشْتَدَّ ظَهْرُہ عِندَ الخِصامِ، ويأمَنَ فِى الغُربَۃِ جَورَ الحُكّامِ؛ فاتَّخَذتُ هٰذا الأدَبَ إماماً، وَجَعَلْتُہ لِمَصالِحِى

[140] الکمالات الوحیدیہ، ص155-156

زِماماً۔

ترجمہ: حارث بن ہمام نے کہا کہ: مجھے جوانی کی مستی اور کمانے کی خواہش نے اس بات پر آمادہ کیا کہ شہر ''فرغانہ'' اور ''غانہ'' کے درمیان گشت کروں اور گہرے پانیوں میں پھل توڑنے کے لیے داخل ہوں، اور ضرورتیں پوری کرنے کے لیے خطرہ مول لوں، حالت یہ تھی کہ میں نے علماء کی زبانوں سے اخذ کیا تھا اور دانش مندوں کی وصیتوں میں سے یہ امر حاصل کیا تھا کہ عقل مند ادیب کو چاہیے کہ جب وہ اجنبی شہر میں جائے، تو اس کے قاضی کو اپنا لے اور اس کی خوشنودیاں مخصوص کرلے؛ تاکہ اس کی پیٹھ جھگڑے کے وقت مضبوط رہے اور وہ پردیس میں حاکموں کے ظلم سے محفوظ رہے۔ پس میں نے اس تعلیم کو امام بنایا اور اسے اپنی مصلحتوں کے لیے لگام یعنی مقتدا بنایا۔[141]

کچھ اشعار کے ترجمہ کو بطور مثال درج کیا جاتا ہے:

قُلْ لِوالٍ غادرتُہ بعد بینِي سادِماً نادِماً یَعَضُّ الیدَینِ

سَلَبَ الشَیخُ مَالہُ، وَفَتَاہُ لُبّہُ، فاصْطَلٰی لظٰی حسْرَتَینِ

جادَ بالعینِ حِینَ أعمیٰ ھَواہ، عینہ، فانثَنٰی بِلاعَینَینِ

ترجمہ: اس حاکم سے کہو جس کو میں نے اپنے دور ہو جانے کے بعد غمگیں اور شرمندہ چھوڑا، اس حالت میں کہ وہ اپنے ہاتھ چبا رہا ہے۔ شیخ نے اس کے مال کو لوٹا اور اس کے لڑکے نے اس کی عقل کو سلب کیا، پس وہ دو حسرتوں کی آگ میں جل گیا۔ اس نے عین (مال) کو لٹایا، جب کہ عشق نے اس کی آنکھ کو اندھا بنادیا؛ پس وہ مفقود العنین ہو گیا (مال اور آنکھ دونوں سے محروم ہو گیا)۔

مندرجہ بالا امثلہ سے اردو ترجمے پر نظر کرنے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم نے لفظ کی رعایت کرتے ہوئے ترجمے کا فریضہ انجام دیا ہے، راقم کے خیال میں طلباء کے ضرورت کی وجہ سے بہت زیادہ بامحاورہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ جہاں کہیں تھوڑی بہت وضاحت کرنے کی ضرورت پیش آئی مترجم نے بین القوسین

[141] الکمالات الوحیدیہ، ص319-320

اس کی وضاحت کر دی۔ جس ضرورت کے پیش نظر یہ ترجمہ کیا گیا ہے اس حساب سے موزوں و مناسب ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں ایک چیز جو دیکھنے کو ملی وہ یہ کہ مترجم نے ترجمے، الفاظ کی لغوی اور صرف اشعار کی تراکیب بھی درج کی ہے جو عربی ادب کے طلباء کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ امر انجام دیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ مترجم نے دوران ترجمہ اردو ترجمہ میں حتی المقدور روانی اور عمدہ اردو الفاظ و تعبیرات کو پیش کرنے کی بھی کوشش کی ہے جو لائق تحسین ہے۔ راقم کو لگتا ہے کہ اس ترجمے پر فی زمانہ اگر نظر ثانی کی جائے تو مزید ترجمے میں روانی لائی جاسکتی ہے۔

دروس مقامات

صاحب کتاب کا نام مولانا صادق الامین عزیزی ہے، جو جامعہ دارالعلوم کراچی کے فاضل اور معین مفتی واستاذ جامعہ عربیہ ریاض العلوم حیدرآباد رہے ہیں۔ ناشر مکتبہ الاسلام کراچی ہے، یہ کتاب القادر پرنٹنگ پریس، کراچی پاکستان سے شائع ہوئی ہے۔ سن اشاعت درج نہیں کیا گیا ہے۔ کتاب تقریباً 600 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں دوسری کتابوں کی طرح مقدمہ علم کے تحت ادب، علم ادب، علامہ حریری و مقامات حریری وغیرہ پر بحث درج کی گئی ہے۔ اس میں مقامات حریری کا مقدمہ اور اس کے ابتدائی دس مقاموں کا ترجمہ درج ہے۔

عرض مؤلف کے مطابق اس کتاب کے تالیف کرنے کا مقصد طلباء کی درسی ضرورت ہے۔ ترجمہ اور ضرب الامثال واضح کرنے میں شرح شریشی اور الافادات لتسھیل المقامات الحریری مؤلفہ: مولوی ظہور الدین احمد انصاری سے مدد لی گئی ہے۔ مؤلف نے کتاب میں درج ذیل امور خیال رکھتے ہوئے اس کتاب کو تیار کیا ہے

- بین السطور عربی الفاظ کے دائرے میں رہتے ہوئے سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ترجمہ سے زائد الفاظ کو ہلالین میں کر دیا گیا ہے۔

- ❖ ہر مقامہ کے آغاز میں اردو اور عربی زبان میں ایک ایک صفحہ پر مشتمل پس منظر اور خلاصہ درج کیا گیا ہے۔
- ❖ کلمات کی حل لغات اور لغوی نودرات، الفاظ کی لغوی تحقیق پیش گئی ہے۔
- ❖ ہر کلمہ کا مروجہ جدید استعمال مع مثال بیان کیا گیا ہے۔
- ❖ اشعار کی ترکیب نحوی درج کی گئی ہے۔
- ❖ ضرب الامثال وغیرہ کی وضاحت پیش کی گئی ہے۔
- ❖ شخصیات اور مقامات کا جغرافیائی اور تاریخی پس منظر بیان کیا گیا ہے۔
- ❖ مختلف المعانی الفاظ کے معانی کے ساتھ ساتھ اصل معنی بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ کی ابتداء مقامات حریری کے مقدمۃ الکتاب کے ترجمہ سے ہوتی ہے۔ کتاب پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ عربی متن کی ہر لائن کے ٹھیک نیچے اردو ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ ترجمہ کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ بہت حد تک تحت اللفظ رہتے ہوئے مختصر انداز میں سلیس ترجمہ کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، جائزہ کے لیے ذیل میں کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

فکنتُ بہ اَجْلُو ھُمُوْمِی وَ اجْتلِی　　　زَمَانی طَلْقَ الوَجْہِ مُلْتَعَ الضِّیَا

میں اس کے ذریعہ سے اپنے غموں کو دور کرتا اور اپنے زمانہ کو مسکراتا اور روشن دیکھتا تھا۔

اَریٰ قُربَۃَ قُرْبیٰ وَ مَغْناہ' غُنْیَۃ　　　وَرُؤْیَتہُ رِیّاً وَ مَحْیَاہُ لِيْ حَیَا

میں اس کے پاس رہنے کو قرابت داری اور کے گھر کو باعث استغنا اور اس کے دیدار کو سیرابی اور اس کی زندگی کو اپنے بارش خیال کرتا تھا۔[142]

ثُمَّ قالَ لِيْ: اِنْھضْ اِلیٰ المُخْدَعِ فأتِنِيْ بِغَسُولٍ یروقُ الطرفَ،وَیُنقی الکفَّ،

---

[142] دروس مقامات، ص172

وَ يُنَعِّمُ البشَرة، وَ يُعطِّرُ النّكهة، وَ يشُدُّ اللِّثَة،
پھر مجھ سے کہنے لگا، کمرہ میں جاؤ اور ایسا مسالہ لاؤ، جو نگاہ کو اچھا لگے، ہتھیلی کو پاک کرے، جلد کو صاف کرے، منہ کی بو کو معطر کرے، اور مسوڑھوں کو مضبوط کرے۔

وَيُقوّي المَعْدَةَ، وَ لْيكُنْ نَظِيفَ الظَّرفِ، أَرِيجَ العُرفِ، فَتَى الدَّقِ، ناعِمُ السَّحقِ، يَحْسَبُهُ اللاّمِسُ ذَرُوْراً، وَ يَخَالُهُ النَّاشِقُ كافُوراً۔
اور معدے کو قوت پہنچائے، اور چاہیے کہ وہ پاکیزہ برتن میں ہو، خوشبو مہکتی ہو، اور تازہ کٹا ہوا ہو، خوب باریک پسا ہوا ہو، چھونے والا اس کو ذرور (ایک قسم کی خوشبو) محسوس کرے اور سونگھنے والا کافور سمجھے۔[143]

بطور مثال اشعار اور ان کے اردو ترجمے ملاحظہ ہوں:

فَتَبَصَّرْ وَ لا تَشِمْ كلَّ بَرقٍ   رُبَّ بَرقٍ فِيهِ صَواعقُ حَيْنَ

لہذا تو اچھی طرح دیکھ اور ہر بجلی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ کیونکہ بہت سی بجلیوں میں ہلاکت پوشیدہ ہوتی ہے۔

واغْضض الطّرفَ تسترَحْ مِنْ غَرَامٍ   تَكْتَسِيْ فِيهِ ثَوبَ ذُلٍّ وَ شَينِ

نظر نیچے کو جھکالے، تکلیف عشق سے محفوظ رہے گا، جس کی بدولت تجھے ذلت اور عیب کے کپڑے پہننا پڑتے ہیں۔

فَبَلاءُ الفَتٰى اِتِّباعُ هَوى   النَّفْسِ وَ بَذْرُ الهَوىٰ طُمُوحُ العَين

نوجوان کی آزمائش، خواہشات نفس کی اتباع کرنا ہے اور خواہش نفس کا بیج آنکھ اٹھانا ہے۔[144]

مذکورہ بالا مثالوں پر صرف نظر کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف نے مندرج امور جو کتاب کے آغاز میں درج کیے تھے، بڑی عمدگی کے ساتھ ان کا لحاظ رکھتے ہوئے ترجمہ اور دوسرے امور انجام دیے ہیں۔ ترجمہ ایجازاً سلیس کیا گیا ہے اور عربی متن کے ٹھیک نیچے اردو ترجمے کو لکھا گیا ہے تاکہ طلباء کو آسانی کے

---

[143] دروس مقامات، ص467

[144] دروس مقامات، ص612-613

ساتھ عربی متن کے ساتھ اردو ترجمے کا اندازہ ہوسکے۔ مترجم نے ہر لفظ کے مختلف معانی اور جدید معنی بھی درج کیے ہیں، جس سے طلباء کو بہت فائدہ ہوگا۔ جیسے اوپر کی دوسری مثال میں لفظ 'غسول' آیا ہے، اس کے مختلف معانی اور جدید معنی یوں درج کیے ہیں:

غَسُول: دھونے کی چیز، گویا صابن، ابٹن، بیسن وغیرہ، زخم کی پیپ وغیرہ دھونے کی دوا، اور غاسول: صابن، غَسَّالۃ: واشن مشین، واشر، لانڈری، دھوبن اور جدید عربی: الغَسّالۃُ الآلِیّۃ: خودکار واشنگ مشین، غَسّالۃ کھربائیۃ: واشنگ الیکٹرک مشین۔[145]

اسی طرح پہلی مثال میں لفظ 'طلق' آیا ہے، اس لفظ کے مختلف معانی کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

طَلْق: ہنس مکھ، کرُم سے طُلوقا: خندہ رو ہونا، جدید عربی میں: اَطْلَقَ اِشارۃ تحذیرٍ: ہارن بجانا، اَطْلق بَندُوقِیۃ: شوٹ کرنا۔[146]

اسی طرح پوری کتاب میں مترجم نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے، ترجمہ دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شارح نے بڑی دیانتداری کے ساتھ اردو ترجمہ کا فریضہ انجام دیا ہے۔

تیسیر مقامات

صاحب کتاب کا نام مفتی عبدالغفور (استاذ جامعہ بنوریہ، سائٹ، کراچی) درج ہے، راقم کے پاس 2008ء شائع شدہ مکتبہ دارالقلم سائٹ کراچی کا نسخہ موجود ہے۔ اس کتاب میں پانچ مقامے کے ترجمے شامل ہیں، کتاب میں مقدمۃ العلم، مقدمۃ الکتاب اور پانچ پانچ مقامے دو حصوں میں ہیں، راقم کو یہ نسخہ آن لائن

[145] دروس مقامات، ص467-468

[146] دروس مقامات، ص173

دستیاب ہوا، ممکن ہو اسی باعث دو حصے ایک ساتھ مدغم ہیں۔ کتاب کی خصوصیات پیش لفظ میں کچھ یوں درج ہے:

- ❖ بامحاورہ عام فہم سلیس ترجمہ۔
- ❖ تشریح و تحقیق میں بلاضرورت زائد باتوں سے پرہیز۔
- ❖ طلبہ اور طالبات کی آسانی کے لیے بابوں کے صیغوں کو تلفظ کے ساتھ۔
- ❖ اکثر جگہوں میں صیغوں کی تعلیل اور قاعدہ کی طرف اشارہ۔[147]

کتاب پر صرف نظر کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مترجم و شارح نے دوسرے مترجمین کی طرح کی ہر مقامہ کا خلاصہ اردو زبان میں پیش کیا ہے تاکہ طلباء یا قاری کے ذہن میں اس مقامہ کا پورا خاکہ سامنے آجائے۔ ترجمہ پر نظر کریں تو ایسا لگتا ہے کہ مترجم کی عربی متن کی رعایت کرتے ہوئے کافی حد تک سلیس ترجمہ کا فریضہ انجام دیا ہے جو طلباء کو سامنے رکھ کیا گیا ہے، اگر انہیں مقامات کا صرف ترجمہ کرنا مقصود ہوتا تو عین ممکن ہے کہ اس سے زیادہ سلیس ترجمہ ہو سکتا تھا۔ ساتھ ہی صاحب کتاب نے تشریح و تحقیق کی ہیڈنگ دے کر الفاظ کی لغوی تحقیق مع معانی پیش کیا ہے۔ مثالوں سے اردو ترجمے کا جائزہ لیا جاسکتا ہے، بطور مثال عبارت مع ترجمہ درج کی جاتی ہیں:

فَحارَ الحاضِرونَ لبداهتہ وَ اَعْترَفوا بنَزَاهتہ، فلمّا اُنَسَ اِسْتِئْناسَهُم بكلامہ وَ اِنْصِبابَهُم اِلىٰ شِعْبِ اِكرامِہ اَطْرقَ كَطَرْفَةِ العَينِ ثُمَّ قَالَ دُونَكُم بَيْتَينِ اُخَرَينَ وَ انشدَ وَ اَقْبَلت يومَ جَدَّ البَيْنُ فِي حُلَلٍ، سُودٍ تعضُّ بَنَانَ النّادِمِ الحَصِرِ۔ فَلاحُ ليلٌ علىٰ صُبْحٍ اَقَلَّهُما غُصْنٌ وَ ضَرَّ سَتِ البِلَّوْرَ بالدُّرَدِ۔

ترجمہ: پس حاضرین اس کے فی البدیہ کلام سے حیرت میں پڑ گئے اور اس کی پاکیزگی کا انہوں نے اعتراف کیا۔ پس جب اس نے اپنے کلام کی وجہ سے قوم کے مانوس ہونے کو محسوس کر لیا ان کy میلان کو

[147] تیسیر مقامات، ص3

اکرام کی گھاٹی کی طرف (محسوس کر لیا) تو آنکھ کے جھپک کے برابر سر جھکایا پھر کہنے لگا لو مجھ سے اور دو شعر اور اس نے یہ شعر پڑھا: محبوبہ ظاہر ہوئی جس دن کے کالے لباس جدائی واقع ہو گئی عاجز اور نادم ہو کر پوروں کو کاٹ رہی تھی۔ پس رات صبح پر ظاہر ہوئی ان دونوں کو ایک ٹہنی نے اٹھایا ہوا تھا اور موتی کے ساتھ شیشے کو کاٹ رہی تھی۔[148]

وألٰ بنا الدهر الموقع والفقر المدقع الى ان احتذينا الوجى واغتذينا الشجىٰ و استبطنا الجوى وطوينا الاحشاء على الطوى واكتحلنا السهاد واستوطنا الوهاد واستوطأنا القتاد و تناسينا الا قتاد و استطبنا الحين المجتاح و استبطأنا اليوم المتاح فهل من حر آسٍ او سمح مواس فوالذى اسخرجنى من قيلة لقد امسيتُ اخاعيلة لأ املك بيت ليلة۔

ترجمہ: ہلاکت میں ڈالنے والا زمانہ اور مٹی میں ملانے والا فقر ہم پر لوٹ آیا حتیٰ کہ ہم نے ننگے پاؤں کو اپنا جوتا اور گلے میں پھنسنے والی ہڈی اپنا خوراک بنایا، سوزش غم کو پیٹ میں لیا اور آنتوں کو بھوک پر لپیٹا۔ بیداری کا سرمہ لگادیا اور گڑھوں کا اپنا وطن بنادیا کانٹے دار درختوں کو نرم سمجھا اور پالانوں کو بھلادیا اور مہلک ہلاکت کو اچھا سمجھا، مقررہ دن کو مؤخر پس کیا علاج کرنے والا کوئی شریف آدمی ہمدردی کرنے والا کوئی سخی آدمی ہے، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے قبیلہ سے پیدا کیا ہے تحقیق کہ میں فقیر ہوں میں رات کے کھانے کا بھی مالک نہیں ہوں۔[149]

فاليوم من يعلق الرجاء به
اكسد شيئ فى سوقه الادب

لاعرض ابنائه يصان و لا
يرقب فيهن ال و لا سبب

كانهم فى عراصهم جيف
يبعد من نتنها و يجتنب

فحار لى لما منيت به
من الليالى وصرفها عجب

[148] تیسیر مقامات، حصہ اول، ص 137
[149] تیسیر مقامات، حصہ اول، ص 151

وضاق ذرعی یضیق ذات یدی

و ساورتنی الهموم والکرب

ترجمہ:

پس آج کے زمانے میں کون ہیں جس کے ساتھ امید قائم ہے ان کے بارے میں علم سب سے خراب چیز ادب ہے۔

نہ تو ادب والوں کی عزت کی جاتی ہے اور ان کی رشتہ داری اور نسب کا خیال رکھا جاتا ہے۔

گویا کہ ادب والے ان کے صحن میں مردار ہیں جن کی بدبو سے دوری اختیار کی جاتی ہے اور بچا جاتا ہے۔

پس میری عقل حیران ہے ان حوادثات کی وجہ سے جن میں آزمایا گیا رات اور دن کا گردش بڑا عجیب ہے۔

میرا دل تنگ ہو گیا میرے ہاتھ کی تنگ دستی کی وجہ سے اور مجھ پر غم اور مصائب نے حملہ کیا۔[150]

مذکورہ بالا ترجمے کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ بامحاورہ، سلیس اور شستہ کیا گیا ہے۔ ترجمہ سے متعلق مترجم نے کتاب کے ٹائٹل صفحہ پر کچھ یوں درج کیا ہے کہ اس کتاب میں بامحاورہ عام فہم سلیس ترجمہ کیا ہے، تشریح و تحقیق میں بلاضرورت زائد باتوں سے پرہیز کیا ہے۔ طلبہ کی آسانی کے لیے بابوں کے صیغے کو تلفظ کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ اکثر جگہوں میں صیغوں کی تعلیل اور قاعدہ کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی روشنی میں مترجم کی ترجمے کے متعلق بیان کردہ باتیں بالکل صحیح معلوم ہوتی ہیں، کیوں کہ ترجمہ بامحاورہ، سلیس اور رواں ہے۔ نیز تشریح و توضیح کی خاطر زائد باتوں کے بیان کرنے حتی الامکان احتراز کیا ہے۔ اردو قاری ترجمے کو پڑھ کر مترجم کی زبان و بیان پر قدرت اور فن ترجمہ میں مہارت کا اندازہ لگا سکتا ہے، یہ ترجمہ طلباء کی درسی ضرورت کو بہت اچھی طرح پوری کرتا ہے۔

---

[150] تیسیر مقامات، حصہ اول، ص 144-142

المقامات الخمس للحریری (مقامات خمس حریری)

صاحب کتاب کا نام غلام رسول کوکب ہے۔کتاب پر سنہ اشاعت غیر مندرج ہے،آزاد بک ڈپو،اردو بازار،لاہور سے شائع ہوئی ہے۔اس کتاب میں پانچ مقامات کے اردو ترجمے کیے گئے ہیں۔یہ کتاب تقریباً100 صفحات پر مشتمل ہے، جس میں پیش لفظ،علامہ حریری اور مقامات حریری کے متعلق مختصر طور بحث کی گئی ہے۔ترجمہ کی ابتدا مقدمۃ الکتاب سے ہوتی ہے۔مقدمۃ کے صرف بامحاورہ ترجمے پر اکتفاء کیا گیا ہے جبکہ مقامہ کے ترجمے کے ساتھ الفاظ کی لغوی تحقیق مع اردو معانی بالاستیعاب درج کی گئی ہے۔مترجم کے بقول بامحاورہ ترجمے کا طریقہ اپنایا گیا ہے۔جس کا اندازہ ہم مثال دیکھ کر لگا سکتے ہیں:

وقع الشوائب شیب والدھر بالناس قلب

ان دان یوما لشخص ففی غد یتغلب

فلا تثق بومیض من برقہ فھو خلب

زمانے کے مصائب نے مجھے بوڑھا کر دیا اور زمانہ لوگوں کے لیے بہت ہی حیلہ گر ہے۔اگر کسی دن کسی کے سامنے زمانہ جھک جائے تو دوسرے دن اس پر غالب آجاتا ہے تو زمانہ کی بجلی کی چمک پر بھروسہ مت کر،بے شک وہ دھوکہ باز ہے۔[151]

علامہ حریری ایسا چربہ پیش کیا ہے کہ قاری پڑھ کر دنگ رہ جاتا ہے،ایک جگہ دینار کے متعلق کچھ یوں نقشہ کھینچا ہے:

اکرم بہ اصغر راقت صفرتہ جواب آفاق ترامت سفرتہ

ماثورۃ سمعۃ و شھرتہ قد اودعت سر الغنی اسرتہ

وقارنت نجح المساعی خطرتہ وحببت الی الانام غرتہ

[151] مقامات خمس حریری، ص52

کس قدر شاندار ہے یہ زر درواس کی زردی بھلی لگتی ہے کائنات میں دور دور کا سفر کرتا ہے۔اس کی نیک نامی اور شہرت مسلم ہے اور اس کے نقوش میں غنا کا راز رکھا گیا ہے۔اس کی حرکت کوششوں کی کامیابی کو قریب کر دیتی ہے اور اس کا چہرہ مخلوق کو بہت محبوب ہے۔[152]

ابوزید سروجی مخدوش حالت میں جب وہ رات کے وقت کسی دوسرے علاقے میں پہنچتا ہے اور قیام و بعام کی فرمائش قبول ہو جاتی ہے اور رات کے وقت اسے پہچان لیا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے اپنی کوئی کہانی بیان کرو، علامہ حریری اسے کچھ یوں درج کیا ہے:

مسرح مسراہ ۔ فقال ا مرامی الغربۃ لفظتنی الی ھذہ التربۃ و انا ذو مجاعۃ و بؤسٰی و جراب کفو آد اُم موسٰی۔ فنھضتُ حین سجا الدجٰی علی مابی من الوجٰی۔ لِأ رتاد مضیفا او اقتاد رغیفا فساقنی حاوی السخب والقضاء المکنی ابا العجب الی ان وقفت علی باب دار۔

اس نے کہا غربت کے اسباب نے مجھے ایک سرزمین کی طرف پھینکا، درآں حالیکہ میں بھوکا تھا اور ضرورتمند بھی اور میرا توشدان حضرت موسیٰؑ کی والدہ ماجدہ کے دل کی طرح خالی تھا۔جب تاریکی چھاگئی تو فرسودگی کے باوجود میں اٹھا تاکہ کسی میزبان کو تلاش کروں یا کوئی تلی ہوئی روٹی حاصل کروں۔تو مجھے بھوک کے حدی خوابوں اور تقدیر نے جس کی کنیت ابوالعجب ہے مجھے ہانکا۔یہاں تک کہ میں ایک گھر کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔[153]

مذکورہ عربی متن کے ترجمے کو دیکھنے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مترجم بڑے ہی مہارت کے ساتھ طریقہ ترجمہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے اردو میں منتقلی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ترجمہ میں سلیس اور رواں ہے ،مترجم نے بامحاورہ کی تکنیک کو اپنائے ہوئے ترجمہ نگاری کو انجام دیا ہے۔اردو عبارت میں اردو زبان کے اسلوب کا خاص رکھا گیا ہے،اس طرح کہ عربی متن میں موجود تمام تر احساسات وجذبات اردو کے قالب میں بالکل من وعن ڈھال دیا ہے۔مترجم کا یہ طرز ترجمہ اور طریقہ ترجمہ نگاری نہایت عمدہ اور شاندار ہے۔

---

[152] مقامات خمس حریری، ص62

[153] مقامات خمس حریری، ص107

المرآۃ لکشف معانی المقامات

مؤلف کتاب کا نام حکمت شاہ کاکاخیل فاضل دارالعلوم دیوبند ہے، کتاب کے سرورق پر من افاضات حضرت شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علیؒ درج ہے جس سے اس چیز کا پتہ چلتاہے کہ صاحب کتاب نے شیخ الادب کے درس کی روشنی اس سے استفادہ کرتے ہوئے اس کتاب کو تیار کیاہے۔راقم کے پاس 1999 کا نسخہ جو مکتبہ شاہ ولی اللہ نزد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع ہوا، موجود ہے۔ حکمت شاہ کی جانب سے کتاب کے ابتداء میں عربی زبان میں انتساب درج کیا گیاہے۔ ساتھ ہی کتاب کی وجہ تالیف، مقامات اور صاحب مقامات، مترجم کے احوال زندگی، عربی زبان اور اس کی اہمیت وغیرہ بھی عربی زبان میں ہی درج کیا گیاہے۔کتاب میں عربی متن کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ الفاظ کے معانی اور اس کی لغوی تحقیق درج کی گئی ہے جس کا پتہ کتاب کے عنوان سے اول وہلہ میں لگ جاتاہے۔دراصل یہ طلباء کو ذہن رکھتے ہوئے حل لغات پر اکتفا کیا گیاہے۔یہ نسخہ بیس سال قدیم ہے، عین ممکن ہے کہ کسی صاحب علم اس کو سامنے رکھتے ہوئے باقاعدہ طور پر ترجمہ کیا ہوا،اور اس کی بالکل گنجائش ہے،اسی بات کے پیش نظر اسے یہاں تھوڑی بہت وضاحت کے ساتھ بغیر مثال کے شامل کیا ہے،ورنہ یہاں اس کتاب میں ترجمہ نہ ہونے کی وجہ سے کوئی گنجائش نہیں تھی۔

تحفۃ المشتاق لمن یقرأ المقامات

مؤلف کتاب کا نام سید مشتاق احمد شاہ ہے،راقم کے پاس موجود کتاب ادارۃ التصنیف دارالعلوم عیدگاہ کبیر والا ضلع خانیوال سے 2005ء کی شائع شدہ ہے۔پوری کتاب 337 صفحات پر مشتمل ہے، جس میں عرض ناشر، تقریظات، صاحب کتاب کے مختصر گفتگو، پیش لفظ،'چند ضروری باتیں' عنوان کے تحت ادب علم ادب، مقامہ ،مقامات اور صاحب مقامات وغیرہ گفتگو کی گئی ہے۔ترجمہ کتاب کے مقدمۃ الکتاب سے ہوتاہے اور دس مقامات کا ترجمہ کیا گیاہے۔کتاب پر صرف نظر کرنے سے یہ پتہ چلتاہے کہ صاحب کتاب نے مقدمۃ الکتاب اور ابتداء کے پانچ

مقدمے کے ترجمے کے ساتھ الفاظ کی لغوی تحقیق بھی پیش کی ہے لیکن چھٹے مقامے سے دسویں مقامے تک تقریباً صرف ترجمہ اور تھوڑی بہت کہیں کہیں شخصیات، مقامات اور ضرب الامثال کی وضاحت کی ہے۔

ترجمہ کیسا ہے؟ کیا طریقہ اپنایا گیا ہے؟ اس کے متعلق صاحب کتاب کچھ یوں رقمطراز ہیں:

> "ترجمہ اس طرح کیا کہ بالکل لفظی بھی نہیں جس سے اصل مقصد کے سمجھنے میں صعوبت ہو اور نہ ہی اس قدر بامحاورہ کہ اصل عبارت کے ساتھ جوڑ لگانے میں دشواریاں پیش آئیں بلکہ بین بین راستہ اختیار کیا گیا تاکہ مستفیدین کے لیے ترجمہ کو عبارت پر منطبق کرنا آسان ہو نیز ہر مقامہ کے شروع میں شستہ اردو زبان میں اس کا خلاصہ بھی پیش کر دیا اور ہر مقامہ کے آخر میں تبصرہ جس میں اس کی فنی حیثیت اور حاصل ہونے والی نصائح کو توضیح کی گئی ہے"۔[154]

اس اقتباس سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ پیش نظر کتاب طلباء کی درسی ضروریات کی خاطر تیار کی گئی ہے کیوں کہ عربی اور اردو عبارت میں مطابقت کوئی عام قاری نہیں دیکھے گا بلکہ عربی ادب کا کوئی طالب علم ہی اسے تلاش کرنے کی کوشش کرے گا۔ راقم نے پوری کتاب پر صرف نظر کی۔ اس جائزہ لینے کی پوری کوشش کی، ذیل میں کچھ مثالیں پیش کر کے اس پر مختصر گفتگو کی جائے گی۔ ابتداءً مثالیں مع ترجمہ پیش کی جاتی ہیں۔

> و اکتحلنا السهاد و استوطنا الوهاد و استوطأ نا القتاد و تناسینا الاقتاد و استطبنا الحین المجتاح و استبطأنا الیوم المتاح فهل من حراس او سمح مواس فوالذی استخرجنی من قیلة لقد امسیت اخا عیلة لا املک بیت لیلة۔
>
> ترجمہ: اور سرمہ بنایا ہم نے بیداری کو، اور وطن بنایا ہم نے گڑھے کو، اور روندا ہم نے کانٹے دار درخت کو، اور بھول گئے ہم کجاؤوں کو، اور اچھا سمجھا ہم نے موت کو جو جڑ سے اکھیڑنے والی ہو، اور مؤخر سمجھا ہم نے آج تک اپنے مقدر کو۔ پس کیا کوئی شریف غم خوار یا سخی مددگار ہے قسم ہے اس ذات کی جس نے نکالا مجھے عربیوں کے قبیلے سے تحقیق کہ رات گزاری میں نے اس حال میں کہ میں بھوک کا بھائی تھا

[154] پیش لفظ کتاب (تحفۃ المشتاق لمن یقرء المقامات)، ص20

نہیں مالک میں رات کی روزی کا۔[155]

الکرم ثبت اللہ جیش سعودک یزین و اللوم غض الدھر جفن حسودک یشین و الاروع یثیب و المعور یخیب و الحلاجل یضیف و الماحل یخیف و السمح یغدی و المحک یقذی و العطاء ینجی والمطال یشجی والدعاء یقی والمدح ینفی والحُر یجزی والالطاط یخزی و اطراح ذی الحرمۃ غی و محرمۃ بنی الامال بغیٌ و ما ضن الا غبین و لا غبن الا ضنینٌ ولا خزن الا شقی ولا قبض راحہ تقی و ما فتی وعدک یفی۔

ترجمہ:۔شرافت ثابت رکھے اللہ تعالی تیری نیک بختیوں کے لشکر (شرافت جو مزین کرتی ہے اور کمینگی پست کرے زمانہ تیرے حاسدوں کی پلکوں کو (کمینگی) جو عیب دار کرتی ہے اور پرہیز گار بدلہ دیتا ہے۔اور عیب لگانے والا محروم کرتا ہے اور مہمان نواز مہمانی کرتا ہے اور بخیل آدمی ڈراتا ہے اور سخی غذا دیتا ہے اور بخیل آدمی پریشان کرتا ہے اور عطیہ دینا نجات دیتا ہے اور ٹال مٹول کرنا غمگیں کرتا ہے اور دعا حفاظت کرتی ہے اور تعریف کرنا عیب کو دھو دیتا ہے اور شریف آدمی بدلہ دیتا ہے اور حق سے انکار کرنا رسوا کرتا ہے اور عزت والے کو (اس کے مرتبہ سے) گران گمراہی ہے (عزت والے کا احترام نہ کرنا گمراہی) اور امید والوں کو محروم کرنا ظلم ہے اور نہیں بخل کرتا مگر ناقص العقل اور نہیں نقصان پہنچایا جاتا مگر بخیل آدمی اور نہیں خزانہ جمع کرتا مگر بدبخت اور نہیں روکتا اپنی ہتھیلی کو پرہیز گار اور ہمیشہ رہے تیرا وعدہ پورا ہوتا۔[156]

والذنب للایام لو لا شؤمھا لم تنب شیمہ

و لو استقامت کانت ال احوال فیھا مستقیمہ

ترجمہ:۔اور قصور زمانے کا ہے اگر نہ ہوتی اس زمانہ کی نحوست نہ مختلف ہوتیں طبیعتیں۔اور اگر صحیح ہو جائے زمانہ، ہو جائیں گے اب احوال اس میں درست۔[157]

---

[155] تحفۃ المشتاق، ص197

[156] تحفۃ المشتاق، ص273-274

[157] تحفۃ المشتاق، ص277-278

مذکورہ بالا مثالوں میں موجود ترجمہ پر نظر کی جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مؤلف کتاب نے ترجمہ میں کافی حد لفظی ترجمہ کیا ہے، کہیں کہیں تھوڑی بہت بین القوسین وضاحت بھی کی ہے۔ ترجمہ کو سلیس ترجمہ میں شمار نہیں کیا جائے گا، اس طرح ترجمہ کرنے کا مقصد درسی ضرورت ہے جو صحیح طور پر ایسے ہی ترجمے سے حاصل ہو گی۔ صاحب کتاب نے پیش نظر کتاب میں ہر مقامے کے ابتداء میں مقامہ کا خلاصہ اور آخر میں اسی مقامہ فنی حیثیت بیان کر کے بہت ہی عمدہ فریضہ انجام دیا ہے، اس سے عربی ادب کے طالب علموں میں اردو ادب سے رغبت پیدا ہو گی اور معلومات میں اضافہ بھی ہو گا۔

كليلة ودمنة:

یہ کتاب ''كليلة ودمنة'' عربی زبان و ادب کی شہرہ آفاق کتاب ہے۔ یہ اصلاً پنچ تنتر کا عربی زبان میں ترجمہ شدہ کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ اسے دوسری ہجری میں خلافت عباسیہ کے مشہور و معروف ادیب عبداللہ ابن المقفع نے ترجمہ کر کے عربی زبان میں منتقل کیا۔ عربی زبان و ادب میں اس کتاب کا ایک اعلیٰ مقام و مرتبہ ہے، اس کتاب سے جہاں ایک طرف زبان شناسی ہوتی ہے تو وہیں دوسری طرف زندگی گذارنے کے نت نئے طریقے، اخلاقی قدروں اور سیاسی حکمت مندیوں کو جانوروں کی زبانی آپسی بات چیت کے انداز میں بہت عمدہ طریقے سے پیش جاتا ہے۔ یہ کتاب مدارس اسلامیہ میں زمانہ قدیم سے داخل نصاب ہے۔ یہ کتاب نہایت ہی سلیس عربی میں ہے جس میں کسی قسم کا تصنع یا پیچیدگی نہیں ہے، عربی زبان وادب کے ہر طالب و قاری کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

بتایا جاتا ہے کہ ہزاروں سال قبل بید پائے (یا وشنو شرما) نامی پنڈت نے ایک کتاب لکھی جس کا نام 'پنچ تنتر' (پانچ شاستر) رکھا گیا۔ کتاب میں بڑے دلکش پیرائے میں سیاست 'اخلاق' جہاں بانی وعدل گستری جیسے اوصاف واصولوں پر روشنی ڈالی گئی۔ جس راجہ کے لیے یہ کتاب لکھی گئی اس کا نام ایک روایت میں 'امر شکتی' ملتا

ہے،تاہم کہانی کے اندر اسے 'دبشلیم' کے نام سے پکارا گیا۔ دبشلیم امورِ مملکت نمٹانے میں اس کتاب سے مدد لیا کرتا تھا۔اس کتاب کاادبی سفر حیران کن ہے۔

فارس کے نوشیر وانِ عادل نے کتاب کا شہرہ سن کر اپنے دربار کے 'ماہر السنہ'(زبانوں کے ماہر) حکیم برزویہ کو ہندوستان سے اس کی نقل لانے بھیجا۔ برزویہ نے 570ء میں اس کتاب کا پہلوی(فارسی) زبان میں ترجمہ کر کے نوشیر وان کی خدمت میں پیش کیا۔

بعد ازاں عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور (وفات 775ء) کے حکم سے ایک عالم، عبداللہ بن المقنع نے اسے عربی میں منتقل کیااور اپنی کتاب کا نام 'کلیلہ ودمنہ' رکھا۔ یہ دراصل دو گیدڑوں کے عربی نام ہیں جن کا قصہ کتاب میں بیان ہوا۔ سنسکرت میں ان کے نام 'کرتک' اور 'دمنک' ہیں جو پہلوی(فارسی) میں 'کلیلاگ' اور 'دمناگ' ہو گئے۔

ابن المقفع کی کلیلۃ ودمنۃ کو سامانی دور میں فارسی نظم ونثر کا جامہ بھی پہنایا گیا لیکن اب وہ ناپید ہے۔ موجودہ کلیلہ ودمنہ ابوالمعالی نصراللہ بن عبدالحمید کا ترجمہ ہے جسے 1143ءتا1144ء میں مرتب کیا گیا۔اس میں فارسی اور عربی امثال واشعار کا اضافہ بھی ہوا۔

بیان کیا جاتاہے کہ اس قصے کو مُلّا حسین بن علی الواعظ کاشفی نے امیر شیخ احمد سُہیلی کی فرمائش پر پندرھویں صدی میں دوبارہ مرتب کیااور اسے 'انوارِ سُہیلی' کا نام دیا۔ہندوستان میں اکبر بادشاہ کے حکم سے اس قصے کو ابوالفضل نے 'عیار دانش' کے نام سے تحریر کیا۔اردو میں اس کا پہلا ترجمہ میر بہادر علی حسینی نے ڈاکٹر گلکرسٹ کی فرمائش پر کیاجو ۱۸۰۲ء میں شائع ہوا۔جو راقم کو دستیاب نہ ہو سکا۔

آٹھویں صدی میں اس کتاب کو عباسی دور کے فارسی نژاد نامور ادیب وانشاءپرداز عبداللہ بن المقفع نے پہلوی(فارسی) زبان سے عربی زبان کے قالب میں ڈھالا تھا۔جب یہ عربی زبان میں ترجمہ ہو کر آیا تو عربی زبان کے

نثری ادب کو بیش قیمت ادبی تحفہ مل گیا،ابن المقفع نے اس مہارت کے ساتھ عربی کا جامہ پہنایا ہے کہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ کسی دوسری زبان سے ترجمہ ہو کر یہ کتاب سامنے آئی ہے۔کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد اسے خوب پذیرائی ملی اور خود عربی زبان کے ادیبوں اور شاعروں نے عربی زبان میں اسے منظوم انداز میں پیش کیا جس میں عباسی شاعر ابان لاحقی، شریف بن بہاریہ اور دوسروں نے کتاب میں موجود ضرب الامثال، کہاوتوں پر مختلف قسم کی علمی کاوشیں پیش کیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب زبان و ادب کے نصاب کے علاوہ زندگی میں اپنائے جانے اصولوں اور دوسرے امور میں دوراندیشی کی تعلیم دینے میں بہت ہی عمدہ اور بہترین کتاب ہے۔

کتاب 15 ابواب پر مشتمل ہے، جن میں کئی کہانیاں ہیں اور تمام کی تمام جانوروں کی زبانی بیان کی گئی ہیں۔کہانی کا ایک اہم کردار شیر ہے جس سے مراد بادشاہ ہے،اس کا معاون بیل ہے۔اس میں دو سیار ہیں جن کا نام کلیلہ اور دمنہ ہے۔کتاب کے آغاز میں تعارف، بروزویہ کا ہندوستان کا سفر، عبداللہ ابن المقفع اور بروزویہ کے ترجمہ کے متعلق کچھ ضروری باتیں درج کی گئی ہیں۔اس کتاب کو اردو میں کئی حضرات نے منتقل کرنے کا فریضہ انجام دیا ہے، جو سلیس اور رواں انداز میں انجام دیے گئے ہیں۔ان میں سے بعض تراجم ایسے ہیں جنہیں محض اردو کا قالب دیا گیا ہے،ان میں بہت زیادہ حذف واضافہ سے کام لیا گیا ہے۔ذیل میں دستیاب اردو میں ترجمہ شدہ دستیاب کتابوں کا جائزہ پیش جاتا ہے۔

دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں

یہ کتاب کلیلۃ ودمنۃ کا اردو ترجمہ ہے۔جس کو خورشید انور ندوی نے انجام دیا ہے۔اس میں کہانیاں جانوروں اور پرندوں کے اردو گرد گھومتی ہے مگر تمام کی تمام کہانیاں بنی نوع انساں کے لیے اصول زندگی کا ایک انمول نمونہ ہیں۔کتاب کے ابتدا میں عرض مترجم شامل ہے جس میں اصل کتاب اور اس کے مرجع اور اس کتاب کو ترجمہ کرنے کا سبب وغیرہ ذکر کیا ہے۔بعدہ اصل کتاب کے مقدمۃ الکتاب کا اردو ترجمہ، جس کے اندر

بیان کی گئی کہانیوں کے متعلق بڑی اہم تحریر درج ہے جو قاری کے سامنے منظر نامہ پیش کرنے کے لیے ضروری ہے۔ساتھ ہی برزویہ کا ہندوستان بھیجا جانا اور کتاب کے متعلق عبداللہ ابن المقفع کی عربی تحریر کا اردو ترجمہ کو شامل کیا ہے۔''شیر اور بیل کی کہانی'' سے اصل طور پر کتاب شروع ہوتی ہے۔مترجم کتاب نے دوران ترجمہ اپنائے گئے اصول یا طریقہ کار ترجمہ کے متعلق کوئی گفتگو درج نہیں کی ہے کہ مترجم کا ترجمے کے متعلق کوئی موقف جانا جا سکے۔ترجمے کے جائزہ میں خیالات کو ضرور تحریر میں لایا جائے گا۔ذیل میں جائزہ مع امثلہ درج کیا جاتا ہے:

إن صاحب الدنيا يطلب ثلاثة أمور لن يدركها إلا بأربعة أشياء :أما الثلاثة التي يطلب، فالسعة في الرزق والمنزلة في الناس والزاد للآخرة؛ وأما الأربعة التي يحتاج إليها في درك هذه الثلاثة، فاكتساب المال من أحسن وجه يكون، ثم حسن القيام على ما اكتسب منه، ثم استثماره، ثم إنفاقه فيما يصلح المعيشة ويرضي الأهل والإخوان، فيعود عليه نفعه في الآخرة[158] .

ترجمہ: بیٹو! دنیا کا ہر شخص تین چیزیں حاصل کرنا چاہتا ہے، مگر وہ تین چیزیں حاصل کرنے کے لیے چار چیزوں کی ضرورت ہے،وہ تین چیزیں جن کو حاصل کرنے کا ہر شخص خواہشمند ہے وہ یہ ہیں(1) روزی میں کشادگی(2)لوگوں میں منزلت اور مقام(3)آخرت کے لیے توشہ،اوران کو حاصل کرنے کے لیے جن چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ یہ ہیں(1)مال کو سب سے اچھے ذریعہ سے کمایا جائے (2)جو کچھ اس نے کمایا ہے اس کی حفاظت اور نگہداشت کرے(3)اس کی سرمایہ کاری کرکے اس میں بڑھوتری کے لیے کوشش کرے(4)اس کو ایسی جگہوں پر خرچ کرے جس سے زندگی صحیح گزرے،اہل وعیال اور دوست واحباب خوش ہوں اور آخرت میں اس کا فائدہ ہو۔[159]

ترجمہ پر صرف نظر کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم نے بامحاورہ ترجمہ کی تکنیک کو اپناتے ہوئے ترجمے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ہم عربی عبارت کو دیکھتے ہیں کہ کسی نمبر شمار کے ساتھ مذکورہ باتوں کا بیان نہیں کیا

---

[158] كليلة ودمنة، ص92

[159] دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں، ص65-66

گیا ہے لیکن اردو مترجم نے قارئین کے لیے اردو زبان کے اسلوب کا خیال رکھتے ہوئے باتوں کو پیش کرکے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ ترجمہ کے فریضہ کو انجام دیا ہے جو نہایت لائق تحسین ہے۔

فأخذ سيد الخنازير يذم دمنة، وقال :إن العلماء قد كتبوا وأخبروا :أنه من كانت عينه اليسرى أصغر من عينه اليمنى وهي لا تزال تختلج، وكان أنفه مائلاً إلى جنبه الأيمن، فهو شقي خبيث .قال له دمنة :شأنك عجب، أيها القذر، ذو العلامات الفاضحة القبيحة، ثم العجب من جرائتك على طعام الملك، وقيامك بين يديه، مع ما بجسمك من القذر والقبح، ومع ما تعرفه أنت ويعرفه غيرك من عيوب نفسك، أفتتكلم في النقي الجسم الذي لا عيب فيها ولست أنا وحدي أطلع على عيبك، لكن جميع من حضر قد عرف ذلك[160]

ترجمہ: سردار خنازیر دمنہ کی مذمت کرنے لگا، اور کہا: اہل علم نے لکھا ہے اور بتایا ہے کہ جس کی بائیں آنکھ دائیں آنکھ کے مقابلہ میں چھوٹی ہو، اور اس کے پپوٹے غیر ارادی طور پر پھڑکتے ہوں اور اس کی ناک دائیں جانب جھکی ہوئی ہو تو (سمجھو) وہ بدبخت اور خبیث ہے۔ دمنہ نے اس سے کہا: ارے گندے! قبیح اور رسوا کن علامتیں رکھنے والے! تیرا معاملہ تو بالکل عجیب ہے، اس سے زیادہ تعجب خیز تیری جرأت ہے کہ اپنے جسم کی گندگی اور ان عیوب کے ہوتے ہوئے جن کو تو اور دوسرے سب جانتے ہیں بادشاہ کا کھانا (کھاتا ہے) اور اس کے سامنے کھڑا (ہوتا) ہے، کیا تو صاف ستھرے جسم والے کے متعلق گفتگو کرتا ہے جس میں کوئی عیب نہیں ہے اور میں تنہا تیرے عیب سے واقف نہیں بلکہ تمام حاضرین اس کو جانتے ہیں۔[161]

فلما انتهى المنطق للملك والفيلسوف إلى هذا المكان سكت الملك .فقال له الفيلسوف :أيها الملك عشت ألف سنة، وملكت الأقاليم السبعة،وأعطيت من كل شيء سبباً، مع وفور سرورك وقرة عين رعيتك بك، ومساعدة القضاء والقدر لك، فإنه قد كمل فيك الحلم والعلم .وزكا منك العقل والقول والنية، فلا يوجد في رأيك نقص، ولا في قولك سقط ولا عيب . وقد جمعت النجدة واللين، فلا توجد جباناً عند اللقاء، ولا ضيق الصدر

---

[160] کلیلۃ ودمنۃ، ص168

[161] دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں، ص130

عندما ينوبك من الأشياء۔[162]

ترجمہ: جب فلسفی بات کرتے ہوئے یہاں تک پہنچا تو بادشاہ خاموش ہو گیا، فلسفی نے اس سے کہا: بادشاہ سلامت! آپ ایک ہزار سال کی عمر پائیں، اور سات اقلیموں پر حکومت کریں، آپ کو ہر چیز سے نوازا جائے، ساتھ ساتھ آپ کو ہر طرح کی خوشی میسر ہو اور آپ کی رعایت کی آنکھیں آپ سے ٹھنڈی ہوں، اور قضاء و تقدیر بھی آپ کا ساتھ دیتی رہے، کیوں کہ آپ کے اندر حلم و علم بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں، اور آپ کی عقل (و فراست)، قول (و عمل) اور نیت (و ارادہ) پاکیزہ ہیں، لہذا آپ کی رائے کے اندر کسی طرح کی کمی اور آپ کے قول میں کوئی گراوٹ یا عیب نہیں پائے جانے چاہئیں، آپ کے اندر طاقت و سختی اور رفق و نرمی دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں، لہذا (دشمن سے) مڈبھیڑ کے وقت آپ بزدل نہ ہوں، اور جب آپ کو کوئی امر پیش آئے تو آپ کا سینہ تنگ نہ ہو۔[163]

درج بالا دونوں اقتباسات جو بطور مثال درج کیے گئے ترجمے کو دیکھنے کے بعد اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم نے بڑی مہارت کے ساتھ عربی متن کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے، جو پند و نصائح مکالمے کی شکل میں عربی متن میں موجود ہیں تقریباً اسی طریقے سے سہل انداز میں اردو قارئین کے لیے ان تمام مکالموں کو اردو میں منتقل کر کے کلیلۃ و دمنۃ کو اردو قارئین کے لیے بڑی سہولت فراہم کی ہے، نیز اردو زبان و ادب میں ایک اہم اضافہ بھی درج کیا ہے۔

کلیلۃ و دمنۃ

زیر نظر کتاب کلیلۃ و دمنۃ کا اردو ترجمہ ''فرد افروز'' مترجم شیخ حفیظ الدین احمد کا بیانِ نو ہے، جس کو ارشد رازی نے انجام دیا۔ مترجم کے بقول شیخ حفظ الدین احمد کے ترجمے کو سامنے رکھتے ہوئے یہ امر انجام دیا گیا ہے اور جہاں تک ممکن ہو سکا غیر مانوس، متروک تراکیب اور قدیم محاروں کی جگہ جدید محاورے اور الفاظ

---

[162] کلیلۃ و دمنۃ، ص320

[163] دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں، ص262

استعمال کیا گئے ہیں۔ کتاب کے نام میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں بلکہ نام کے ساتھ ''دنیا کی چالیس بڑی زبانوں میں ترجمہ ہونے والا ہندوستانی کلاسیک'' درج کیا ہے۔ ارشد رازی کے بارے میں ہمیں معلومات دریافت نہ ہو سکی، لہذا اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔ راقم کے پاس ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، نئی دہلی سے شائع شدہ نسخہ موجود ہے، جس کی سنہ اشاعت 2018، اور 200 صفحات پر مشتمل ہے۔ مترجم نے ابواب کے تراجم میں ایک خاص طریقہ یہ اپنایا ہے کہ عربی کتاب میں جو ابواب کے نام ہیں اسے تبدیل کر کے جو حکایت یا کہانی بیان کی گئی ہے اس کی روشنی میں باب کا نام تجویز کیا ہے جیسے ''باب الأسد والثور'' کو مترجم نے ''چغل خوروں کی بات نہ سننے میں'' نام دیا ہے۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے ہیں یہ عربی متن کے بجائے فردافروز کو سامنے رکھ تیار کی گئی ہے۔ اس لیے عربی متن بالترتیب ترجمہ ہمیں اس کتاب میں نہیں ملے گا۔ اس لیے ہم اس سے احتراز برتتے ہیں۔ اس کتاب کو یہاں درج کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ گرچہ یہ اس کا باقاعدہ ترجمہ نہیں ہے لیکن اسی کتاب سے متعلق ہے، اس لیے اس کو یہاں شامل کر دیا گیا ہے۔

عربی متن کے اردو ترجمہ میں بہت زیادہ حذف واضافہ سے کام لیا گیا ہے، مؤلف کے بیان نو کہنے کے باوجود ہم نے عربی اور اردو میں مطابقت تلاش کرنے کی بیجا سعی کی۔ کیوں کہ صاحب کتاب نے خود ہی ابتداء میں اس بات کی وضاحت باقاعدہ کر دی ہے کہ ایک دوسرے اردو ترجمہ کو سامنے رکھ کر یہ کتاب تیار کی گئی ہے جسے بیان نو سے موسوم کیا ہے، اس لیے یہاں اس کتاب کی مثالوں سے احتراز کرتے ہیں۔

الأیام

یہ کتاب مشہور زمانہ مصری ادیب طہٰ حسین کی خود نوشت ہے جو دور جدید کے عربی زبان میں یہ بطور ایک عمدہ ناول جانی جاتی ہے۔بنیادی طور پر اس کتاب کی تین جلدیں ہیں۔یہ کتاب 1926-1967 کے دوران شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔[164]

طہٰ حسین کی اس ناول کو فلمایا بھی گیا ہے اور مسلسل الأیام کے نام سے یوٹیوب پر 13 حصوں میں موجود ہے، جسے بہ آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔جہاں تک طہٰ حسین کے متعلق بحث کا مسئلہ ہے، سابقہ باب میں گذر چکا ہے، یہاں مزید اسے ذکر کرنا تکرار لازم آئے گا۔

الأیام

اردو ترجمہ ''الأیام'' کے ہی نام سے حکیم سید عبدالباقی شطاری نے کیا ہے۔انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ سے 1960 میں شائع ہوا، جو ریختہ کی ویب پر بھی موجود ہے۔مترجم نے پیش لفظ یا تقریظ سے اجتناب برتا ہے۔طہٰ حسین کی کتاب کا خالص اردو ترجمہ ہے، جس میں عربی متن کو پیش کیے بغیر ایک الگ کتاب کی طرح اسے پیش کیا گیا ہے۔

اردو ترجمہ دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم لائق فائق مترجم ہیں، ترجمہ بالکل سلیس اور بامحاورہ ہے۔اردو عبارت پڑھ کر بعض دفعہ ترجمہ کا اندازہ نہیں ہوتا لیکن بیشتر ایسے مقامات ہیں جس سے ترجمہ کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔اصل عربی متن اور اردو ترجمہ کو سامنے رکھ کر ہم اندازہ لگائیں گے کہ مترجم نے کس حد تک حذف واضافہ سے کام لیا ہے۔بطور نمونہ کچھ عربی متن اور اردو ترجمہ درج کیے جاتے ہیں۔

ومضى على هذا شهرٌ وشهرٌ وشهر، يذهب صاحبنا إلى الكُتَّاب ويعود

---

[164] ویکیپیڈیا۔۔۔ The Days (book) - Wikipedia

منه في غير عمل، وهو واثق بأنه قد حفظ القرآن، وسيّدنا مطمئن إلى أنه حفظ القرآن، إلى أن كان اليوم المشئوم ... كان هذا اليوم مشئومًا حقاً، ذاق فيه صاحبنا لأوَّل مرَّةٍ مرارةَ الخزي والذِّلَّة والضَّعَة وكَرِه الحياة. [165]

ترجمہ: اسی میں یکے بعد دیگرے مہینے گذرتے گئے، ہمارا دوست مکتب جاتا اور کوئی کام کیے بغیر ہی واپس آجاتا مگر اس کو یہ بھروسہ تھا کہ اس نے قرآن حفظ کر لیا اور ہمارے میاں جی کو بھی یہ اطمینان تھا کہ اس نے قرآن حفظ کر لیا ہے یہاں تک کہ وہ منحوس دن آگیا اور درحقیقت وہ بہت ہی منحوس دن تھا جس میں ہمارے دوست نے پہلی دفعہ ذلت ورسوائی، اپنی سنگی اور زندگی کی ناگواری کا تلخ مزہ چکھا"۔[166]

مذکورہ عربی متن اور ترجمہ کو پڑھتے جائیں اور عبارت ملاتے جائیں تو مترجم کی طرف سے بہت زیادہ حذف واضافہ سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ عربی متن کو سامنے رکھتے ہوئے ایسا سلیس ترجمہ کیا ہے کہ دورانِ قرأت کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہوتا ہے اور یہ ترجمہ کا بہت اچھی خوبی ہے جو ہر مترجم کو سامنے رکھنی چاہیے۔

ایک دوسرے متن کے ترجمہ پر نظر کرتے ہیں:

الحقّ أنه كان سعيدًا في هذه الأيام؛ كان يشعر بشيء من التفوق على رفاقه وأترابه؛ فهو لا يذهب إلى الكتَّاب كما يذهبون، وإنما يسعى إليه الفقيه سعيًا، وسيسافر إلى القاهرة حيث الأزهرُ، وحيث سيِّدنا الحسين وحيث السيدة زينب وغيرهما من الأولياء، وما كانت القاهرة عنده شيئًا آخر، إنما كانت مستقر الأزهر، ومشاهد الأولياء والصالحين. [167]

ترجمہ: سچ تو یہ ہے کہ یہ زمانہ اس کی خوش نصیبی کا زمانہ تھا۔ اس کو اپنے ساتھیوں اور ہم نشینوں پر ایک قسم کی برتری محسوس ہوتی تھی کیوں کہ ان کی طرح اس کو مکتب جانا نہیں پڑتا بلکہ خود فقیہ اس کے پاس دوڑا دوڑا آتا ہے اور یہ عنقریب قاہرہ کا سفر کرے گا جہاں ازہر ہے۔ جہاں سیدنا حسینؓ اور سیدہ زینبؓ اور دوسرے اولیاء ہیں"۔[168]

---

[165] الأيام، ص32

[166] الایام، ص29

[167] الَایام، ص47-48

[168] الایام، ص50

قال الشيخ ذلك لابنه آخر النهار في يوم من خريف سنة ١٩٠٢ ، وسمع الصبي هذا الكلام فلم يصدِّق ولم يكذِّب، ولكنه آثر أن ينتظر تصديق الأيام أو تكذيبها له، فكثيرًا ما قال له أبوه مثل هذا الكلام، وكثيرًا ما وعده أخوه الأزهريُّ مثل هذا الوعد، ثم سافر الأزهري إلى القاهرة، ولبث الصبيُّ في المدينة يتردَّد بين البيت والكتَّاب والمحكمة ومجالس الشيوخ[169].

ترجمہ: 1902ء کے موسم خزاں کا دن تھا۔ جب شیخ نے اس دن کو آخری حصے میں اپنے بیٹے سے یہ فرمایا۔ بچے نے اس کلام کو سنا مگر اس کی تصدیق و تکذیب کچھ نہ کی، اس نے اسی کو ترجیح دی کہ دیکھیں زمانہ اس کلام کی تصدیق کرتا ہے یا تکذیب کیوں کہ اس کے باپ اکثر ایسی ہی باتیں کرتے اور اس کے ازہری بھائی نے بھی اس سے ایسے وعدے کیے تھے۔ پھر وہ خود تو قاہرہ چلتا بنا اور یہ بچہ اسی شہر میں پڑا ہوا گھر، مکتب، محکمہ اور شیوخ کی مجالس کے چکر کاٹتا رہا"۔ [170]

مذکورہ بالا تینوں مثالوں میں اردو ترجمے کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم اردو زبان و بیان کے پیرایہ اظہار اور طریقہ تخاطب کی پوری رعایت کرتے ہوئے اردو میں ایسے منتقل کیا ہے کہ عربی متن کو سامنے رکھ کر دیکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ عربی اور اردو دونوں ایک ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں۔ اردو ترجمہ میں بہت زیادہ حذف واضافہ سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ جس حد تک بامحاورہ و سلیس ترجمہ چیزیں در آتی ہیں وہ یہاں بھی ہمیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مترجم کا طریقہ ترجمہ بہت ہی عمدہ اور عبارت میں سلاست و روانی نہایت ہی دلکش ہے جو ان کی مہارت تامہ پر دلالت کرتی ہے۔

---

[169] الاَیام، ص 91

[170] الایام، ص 114

حیاتی

زیر نظر کتاب ''حیاتی''، مشہور عربی ادیب احمد امین کی خود نوشت سوانح عمری ہے، جسے علم دوست احباب کے مابین کافی پذیرائی ملی۔ یہ کتاب درس نظامی کے عربی ادب کے شعبہ میں بہت سی جگہوں پر داخل نصاب ہے اور بعض اداروں میں خارجی مطالعے میں رکھا گیا ہے۔

احمد امین کی ولادت 1 اکتوبر 1886ء کو قاہرہ کے محلہ منشیہ میں ہوئی، والد کا نام ابراھیم الطباخ تھا۔ احمد امین کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی، اس کے بعد 'مدرسۃ والدۃ عباس الاول الابتدائیۃ' پھر الأزھر اور مدرسۃ القضاء الشرعی سے ہوئی جہاں سے انہیں 1911ء میں قضاء کی ڈگری سے نوازا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے دو سال مدرسۃ القضاء میں تدریس کا فریضہ انجام دیا، 1913ء میں 3 مہینے تک بحیثیت قاضی اپنی خدمات انجام دیں، 1926ء میں اپنے دوست کی فرمائش پر قاہرہ یونیورسٹی میں بطور استاذ کام کیا اور 1939ء میں عمید جامعہ ہوئے۔ احمد امین نے اپنے دوستوں کے ساتھ 1914ء میں تالیف و ترجمہ کی ادبی کمیٹی قائم کی اور تاحیات بحیثیت صدر اپنے فرائض انجام دیئے۔ انہوں 1936ء میں 'مجلۃ الرسالۃ'، 1939ء میں ہفتہ واری مجلۃ الثقافۃ جاری کیا۔ مختصراً اگر کہا جائے تو احمد امین عربی زبان و ادب کے اعلیٰ نثر نگار، سوانح نگار، مؤرخ، یونیورسٹی کے استاذ اور عربی ادب کے نقاد تھے۔

احمد امین کو آنکھ اور پنڈلی میں مرض لاحق ہو گیا تھا جس کے باعث وہ بلا اشد ضرورت گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے، گھر پر ہی تصنیف و تالیف کا امور انجام دیا کرتے تھے، حتی کہ 27 رمضان 1373ھ بمطابق 30 مئی 1954ء کو اس دار فانی سے ہمیشہ ہمیش کے لیے کوچ کر گئے۔[171]

---

[171] أحمد أمين (مفكر) - ویکیپیڈیا(wikipedia.org) ، مزید معلومات کے لیے محمد کاظم کی کتاب ''عربی ادب کی تاریخ ،دور جاہلیت سے موجودہ زمانے تک'' کو دیکھا جاسکتا ہے۔

زندگی میری

یہ حیاتی کا بہت عمدہ اردو ترجمہ ہے، جس کو ڈاکٹر محمد عارف الدین فاروقی نے انجام دیا ہے۔ مترجم کا تعلق شہر حیدر آباد سے ہے، جو ایک علمی خانوادے کے چشم وچراغ رہے ہیں۔ یہ بیک وقت انجینئر، طبیب حاذق، عربی وفارسی زبان کے ماہر تھے۔ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ زمانہ طالب علمی ہی میں أحمد أمین کی خودنوشت ''حیاتی'' کا اردو ترجمہ کر لیا تھا۔ جو آج ہمارے درمیان موجود ہے۔ مترجم نے دوران ترجمہ فصلوں کے باقاعدہ طور پر نام دیے جو عربی متن میں صرف فصلوں کا نمبر درج کیا گیا ہے۔ مترجم نے متن کے مضمون کو سامنے رکھتے ہوئے ہر فصل کا نام دیا ہے۔ کتاب کے آغاز میں انگلش اینڈ فارن لینگویج یونیورسٹی میں عربی کے مایہ ناز استاد پروفیسر محسن عثمانی کا مقدمہ درج ہے جو فاروقی صاحب کے ترجمے کو سند عطا کرتا ہے۔ نیز اس ترجمے پر اجمل ایوب اصلاحی نے گہری نظر فرمائی ہے، جس کا مترجم نے عرض مترجم میں ذکر کیا ہے، اجمل ایوب اصلاحی کی اس ترجمے سے دلچسپی اس کی وقعت میں مزید اضافہ کرتی ہے۔ ذیل میں کچھ مثالیں مع جائزہ درج کی جاتی ہیں:

الفصل الثامن عشر

ثم إن لهذه المرحلة تكملة. فقد كانت السنة سنة ١٩١٣ وقد تخرج من مدرسة المعلمين العليا بضعة من خيار الطلبة عرفو بالتفوق فى العلم والخلق؛ كان أكثرهم مرشحاً للبعثة إلى إنجلترا ثم منعهم قيام الحرب، وكان بعضهم بهم وأن أصادقهم، رأيتهم مثقفين من غيرجنس ثقافى، ثقافتهم عصرية بحتة، وثقافتى شرعية كثيراً وعصرية قليلاً، منهم الذى بلغ درجة جيدة فى الجغرافيا والتاريخ العام والأدب الإنجليزى، ومنهم من بلغ هذه الدرجة فى الرياضة والطبيعة والكيميا، وكلهم يعرف من الدنيا الجديدة والمدينة الحديثة أكثر مماأعرف ، بحكم ثقافتهم وثقافتى.[172]

لجنۃ التألیف والترجمہ والنشر

---

[172] حیاتی، أحمد أمین، ص111

اب میری تعلیم مرحلہ تکمیل کو پہنچ چکی تھی۔ 1914ء کی بات ہے کہ مدرسہ معلمین کے درجہ عالی سے فراغت پانے والے طالب علموں میں چند طلبہ ایسے نکلے جو علم وفضل میں ممتاز تھے۔ ان لوگوں کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے انگلستان کے لیے بھیجنا طے کیا گیا تھا، لیکن جنگ چھڑ جانے سے یہ لوگ نہ جا سکے۔ ان میں سے بعض طلبہ علمی حیثیت سے فائق تھے تو بعض ادبی حیثیت سے، یہ میری خوش نصیبی تھی کہ مجھے ان لوگوں سے متعارف ہونے اور دوستی قائم کرنے کا موقع ملا۔ یہ حضرات تہذیب جدید کے علمبردار تھے تو میں قدرے تجدد کے ساتھ شرعی تہذیب کا حامل تھا۔ ان رفقاء میں سے بعض کا درجہ تاریخ، جغرافیہ اور انگریزی ادب میں اور بعض کا ریاضی، طبعیات اور کیمیاء میں اونچا تھا۔ یہ لوگ نئی دنیا اور نئی تہذیب سے مجھ سے زیادہ واقف تھے۔ [173]

اسی فصل کا ایک دوسرا پیرا گراف جہاں سے دوستی کے ساتھ قہوہ خانے پر گذارے اوقات کا ذکر ہوتا ہے، اور اسے 'میدان عابدین کے قہوہ خانے پر بے تکلف دوستوں کی بیٹھک اور علمی مباحثوں کا حال' کے ذکر کرتے ہیں، اس کا آخری پیرا گراف کا ترجمہ اور اس کا جائزہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

كل أولئك كانوا مدرسة لطيفة لی، مدرسة خلت من عبوس الجد وثقل المدرس وسماحة تحديد الموضوع والزمان والمكان، ونعمت بالبعد عن الامتحان وصداع الجرس، مدرسة فيها الجد والفكاهة، والعم والأدب، والدين الشعر، التقريظ والنقد، مدرسة يكون فيها التلميذ أستاذاً تلميذاً، وإن شئت فقل إن كل من فيها أستاذ تلميذ، مدرسة فيها حرية القول وحربة السماع وحرية الموضوع وحربة كل شئ۔ تقارب فيها سن الأساتذة التلاميذ فتجانست مشاعرهم، وتشابهت آمالهم ومطامحهم، وتفتحت نفوسهم للأستفادة من تنوع مواهبهم۔

یہ تمام اصحاب میرے حق میں ایک درس گاہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ درس گاہ بھی ایسی کہ جہاں نہ معلم کی پیشانی پر بزرگی کی شکنیں تھیں، نہ درس کا بوجھ نہ موضوع کی یک رنگی، نہ زمان ومکان کی قید، نہ امتحان کی فکر، نہ گھنٹی کی روایتی آواز۔ یہاں سنجیدگی، زندہ دلی، علم وادب، مذہب، شعر وشاعری، تقریظ وتنقید سبھی کچھ تھا۔ یہاں کبھی استاد شاگرد اور کبھی شاگرد استاد بن جاتا۔ آپ چاہیں تو ان سب کو باہم استاد شاگرد کہہ سکتے ہیں۔ اس مدرسہ میں ہر موضوع پر بولنے اور سننے کی آزادی تھی۔ استاد شاگرد ہم

[173] زندگی میری، محمد عارف الدین فاروقی، ص 111

عمر اور ہم مشرب۔ ان کی امیدیں اور آرزوئیں یکساں۔ ان کے دل ودماغ متنوع افکارات سے استفادہ کرنے کے لیے بالکل کھلے ہوئے تھے۔[174]

مذکورہ بالا دونوں مثالوں پر صرف نظر کرنے سے کچھ باتوں کا اندازہ ہوتا ہے، جیسا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ مترجم ہر فصل کا ایک الگ عنوان قائم کیا ہے اور اسی طرح فصل میں مضامین کے اعتبار سے ذیلی عناوین بھی درج کیے ہیں۔ جیسا کہ مذکورہ متن اصل کتاب میں "الفصل الثامن عشر" (اٹھارہویں فصل) سے موسوم ہے لیکن مترجم نے اس فصل کے مضامین کو سامنے رکھتے ہوئے اصل فصل کا نام دیا اور بیچ بیچ میں مضامین کے اعتبار سے ذیلی عناوین بھی درج کیے ہیں۔ مترجم نے عربی متن میں موجود عربی تعبیرات کو اردو تعبیرات کا بہت عمدہ جامہ پہنایا ہے جیسے 'كان أكثرهم مرشحاً للبعثة إلى إنجلترا ثم منعهم قيام الحرب' (ان میں سے زیادہ تر انگلستان بھیجے جانے کے امیدوار تھے پھر جنگ ہونے نے جانے سے روک دیا) کے بجائے "ان لوگوں کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے انگلستان کے لیے بھیجنا طے کیا گیا تھا، لیکن جنگ چھڑ جانے سے یہ لوگ نہ جاسکے" ایسا با محاورہ ترجمہ کیا ہے کہ مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے، ایسا ترجمہ کرنا مترجم کی اصل اور ہدفی زبان میں مکمل عبور پر دلالت کرتا ہے۔

حیاتی کی پچیسویں فصل جس کا مترجم نے 'ترکی کی سیر' کا نام دیا، جو دراصل فصل میں موجود مضمون کو پیش نظر رکھتے ہوئے موسوم کیا ہے۔ اس فصل کا آخری پیراگراف جس میں فصل کا اختتام ہوتا ہے اور اسے بھی ذیلی عنوان 'جہاز پر انگلی زخمی ہونا ایک لطیفہ' رقم کیا ہے۔ ذیل میں عربی متن اور اردو ترجمہ بطور مثال پیش کیا جاتا ہے:

وختمت هذه الرحلة بمأساة سماها أستاذنا علي بك فوزي لما علم بها ذلك أنه قبل وصول الباخرة إلى الإسكندرية بيوم صعدت فوق ظهرها وأردت الجلوس على كرسي من قماش من النوع المعروف الذي يقفل

---

[174] زندگی میری، محمد عارف الدین فاروقی، ص 113

ويفتح، وكان كرسياً قديماً فتحته وأخذت أجلس عليه مستنداً بيدي على خشبتيه الجانبيتين، فانفلتت خشبته الخلفية ووقعت إصبعي الخنصر من اليد اليمني بين الخشبتين فانقطع طرفها العلوي وتدلت لحمته وسال دمه، وذهبت إلى طبيب الباخرة فأعاد اللحمة المدلاة إلى مكانها وربطها ربطاً محكماً .واستثارت الحادثة عطف كل من كان في الباخرة .ولما حضرت إلى مصر ذهبت إلى الجراح فأمر بالكشف بالأشعة على عظمة الإصبع فوجدت والحمد لله سليمة، ولم يلتئم الجرح إلا بعد علاج طويل وقد ترك أثراً في إصبعي بيِّنا[175].

میں اس سفر کی روئداد کو ایک حادثہ پر ختم کروں گا۔یہ حادثہ جب میں نے استاد علی فوزی بک کو سنایا تو انہوں نے اس کا نام ''آیۃالکرسی'' رکھ دیا۔ ہوا یہ کہ اسکندریہ پہنچنے سے ایک دن پہلے میں تفریح کی غرض سے جہاز کے عرشہ پر پہنچا۔وہاں ایک فولڈنگ کرسی تھی۔اسے کھول کر دونوں ہتھوں پر سہارادے کر بیٹھنے لگا تو پیچھے سے لکڑی ٹوٹ گئی اور میری چھوٹی انگلی ہتھے کے درمیان آگئی۔انگلی زخمی ہو گئی اور بہت خون بہنے لگا۔ میں جہاز کے ڈاکٹر کے پاس گیا تو اس نے لٹکتے ہوئے گوشت کو اس کی اصلی جگہ پر باندھ کر مضبوطی سے پٹی باندھ دی اس حادثہ پر جہاز کے تمام مسافروں نے مجھ سے ہمدردی کی۔ جب وطن پہنچ گیا تو سرجن کے پاس گیا۔اس نے ایکسرے لیا اور کہا کہ ہڈی صحیح سالم ہے۔ لیکن زخم بڑے لمبے علاج کے بعد مندمل ہو سکا۔الحمدللہ کہ انگلی بالکل درست ہو گئی۔تاہم زخم کا نشان باقی رہ گیا۔اسی نشان کی وجہ سے علی بک فوزی نے مزاحاًاس کا نام آیۃالکرسی رکھ دیا۔[176]

اس آخری پیرا گراف کے ترجمے پر جب نظر کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ مترجم نے بڑی ہی خوش اسلوبی کے ساتھ بامحاورہ ترجمہ نگاری کا فریضہ انجام دیا ہے۔مترجم دونوں زبان کے اسلوب وطرز ادا سے اتنے بہرہ ور ہیں کہ ترجمے میں صاف طور پر نظر آتا ہے، جیسے 'فولڈنگ کرسی' کا لفظ استعمال کیا ہے جو عربی متن 'كرسي من قماش من النوع المعروف الذي يقفل ويفتح' (کپڑے کی ایسی معروف کرسی جو کھلتی اور بند ہوتی ہے) لفظی ترجمہ کے بجائے ایسا محاوراتی ترجمہ کیا ہے کہ جس سے مترجم کی ترجمہ نگاری اور ترجمے کے

---

[175] حیاتی، احمد امین، ص165

[176] زندگی میری، محمد عارف الدین فاروقی، ص177

اصول و قواعد پر مہارت کا اندازہ ہوتا ہے، ایسا محاوراتی ترجمہ کیا ہے جو اردو قارئین کے لیے بہت زیادہ عام فہم ہے۔اسی طرح عربی لفظ ''الکشف بالأشعۃ' کا اردو تعبیر کا لحاظ کرتے ہوئے اس کا ترجمہ ''ایکسرے'' سے کر کے قارئین کے لیے بہت آسان بنا دیا۔اسی طرح مترجم نے بعض مقامات پر دورانِ ترجمہ حسب ضرورت عربی متن میں موجود عبارت کے سوا سابقہ مضمون کی وضاحت کے لیے اپنی طرف سے اردو جملے کا اضافہ بھی کیا ہے جیسے اردو ترجمہ میں آخری جملہ 'اسی نشان کی وجہ سے علی بک فوزی نے مزاحاً اس کا نام آیۃالکرسی (کرسی کی نشانی) رکھ دیا، کا اضافہ کیا ہے۔

سرگذشت حیات: شیخ نذیر حسین

یہ بھی حیاتی کا اردو ترجمہ ہے جس کو شیخ نذیر حسین نے انجام دیا ہے۔پیش نظر مترجم کتاب کا نسخہ 1979ء کا شائع شدہ ہے۔کتاب 300 سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔مترجم نے دیباچہ مترجم میں ڈاکٹر أحمد أمین کے تھوڑی بہت تحریر درج ہے ساتھ ہی اس کا مقصد قارئین کے دل میں علم کی سچی لگن پیدا کرنا جس کے لیے أحمد أمیں پوری زندگی کوشاں و سرگرداں رہے۔نیز مترجم نے دیباچہ مصنف یعنی أحمد أمین اور مقدمۃالکتاب (تمہید) کا اردو ترجمہ شامل کیا ہے۔اصل کتاب میں فصلوں کی اسماء درج نہیں بلکہ بالترتیب ان کا نمبر شمار درج ہے، یہاں مترجم نے ہر فصل کا اردو میں نام درج کیا ہے۔جیسے پہلی فصل جو أحمد أمین کے ابتدائی زندگی اور خاندان کے متعلق ہے چنانچہ اس کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے 'خاندان' کا عنوان دیا ہے۔ مترجم نے ترجمے کے اصول و قواعد کے متعلق کوئی بحث درج نہیں ہے کہ اس کی روشنی میں ترجمے کی صحت کا اندازہ لگائیں۔ہاں البتہ اردو ترجمہ اور عربی متن کو سامنے رکھتے ہوئے جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔ذیل میں کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

وسفرت المرأة وكانت أمي وأخواتي محجَّبات — لا يرين الناس ولا يراهن الناس إلا من وراء حجاب — وهذا من أمور الانقلاب الخطير،

ولو بعث جدي من سمخراط ورأى ما كان عليه أهل زمنه وما نحن عليه اليوم لجن جنونه؛ ولكن خفف من وقعها علينا أنها تأتي تدريجًا، ونألفها تدريجيًا، ويفُتر عجبنا منها وإعجابنا بها على مر الزمان، ويتحول شيئًا فشيئًا من باب الغريب إلى باب المألوف.

آج عورتوں نے نقاب کو خیر باد کہہ دیا ہے، لیکن میری بہنیں اور والدہ پردہ کرتی ہیں۔ یہ سب باتیں ایک بڑے انقلاب کی خبر دیتی ہیں۔ اگر میرے آباء واجداد سمخراط سے اٹھ کر آجائیں تو ہم کو دیکھ کو پاگل ہو جائیں۔ نئی چیزیں آہستہ آہستہ بار پاتی ہیں۔ پھر ہم تدریجاً ان سے مانوس ہو جاتے ہیں اور وقت گذرنے پر یہ حیرت جاتی رہتی ہے۔[177]

مذکورہ ترجمے پر جب نظر کرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ مترجم نے بالکل ہی بامحاورہ ترجمہ کی تکنیک کو اپنایا ہے اور دورانِ ترجمہ بہت سے ایسے اردو الفاظ کا اضافہ کیا ہے جو عربی متن میں کہیں نہیں ہے، بہت سے مقامات پر عربی متن کے ترجمے کو حذف کر کے اسے بامحاورہ ترجمہ انجام دیا ہے جیسے یہ عربی عبارت ' لا يرين الناس ولا يراهن الناس إلا من وراء حجاب' (جو لوگوں کو نہیں دیکھتی تھیں اور نہ دوسرے لوگ انہیں دیکھتے تھے سوائے پردے کے پیچھے سے) کے ترجمے کو اردو میں شامل ہی نہیں کیا اور اس سے عربی متن کے مفہوم پر کوئی اثر بھی نہیں پڑتا۔

دوسری عبارت اور اس کا ترجمہ:

أما الأمر الثاني الذي كنت أقضي فيه وقتي فمطالعة الكتب .ومن أحسن ما قرأت في هذه الفترة كتب ثلاثة مختلفة الأنواع والألوان، كتاب تاريخ الفلك عن العرب للأستاذ نللينو، قرأته بإمعان واستفدت منه كيف يبحث كبار المستشرقين، وكيف يصبرون على البحث، وكيف يعيشون في المادة التي تخصصوا فيها، وكيف يسيرون في بحثهم من البسيط إلى المركب في حذر وأناة فإذا قلت إنني استفدت منهج البحث من هذا الكتاب لم أبعد عن الصواب[178].

میں فراغت میں کتب بنی کرتا۔ اس اثناء میں تین بہترین کتابوں کا مطالعہ کر لیا۔ ایک استاد نلینو کی لکھی

---

[177] سرگذشت حیات، ص23

[178] حیاتی، ص103

ہوئی عربوں کے علم ہیئت کی تاریخ تھی جو میں نے غور اور دھیان سے پڑھی۔ اس کتاب سے ایک مشرقی فاضل کے طریقہ بحث، صبر واستقلال، خاص اشغال اور استنباط نتائج کا پتہ چلتا تھا، اگر میں یہ کہہ دوں کہ اس کتاب سے میں علمی بحث کا طریقہ سیکھا تو اس میں ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا۔[179]

كنت في البيت كالذي وصفته — أولا — في منتهى السذاجة والبساطة، لا ماء في المواسير، ولا آلة من آلات المدنية الحديثة، فأصبحت أسكن في بيت فيه الحديقة، وفيه أثاث المدنية الحديثة، فيه الراديو والتليفون وما إلى ذلك. ولم أركب القطار في حياتي الأول إلا وأنا في السادسة عشرة من عمري، ركبته إلى طنطا فحزنت وبكيت، وفي آخر حياتي ركبت الطيارة من القاهرة إلى لندن وأنا مسرور مبتهج.

ہماری طرز معاشرت جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں، حد درجہ سادہ اور محدود تھی۔ نہ پانی کا انتظام تھا، نہ جدید تمدنی زندگی کے وسائل مہیا تھے۔ اب میرے گھر کے ساتھ باغ بھی ہے اور جدید تمدنی زندگی کے لوازمات یعنی ریڈیو، ٹیلفون وغیرہ بھی میں نے سولہ سال کی عمر تک گاڑی کا سفر نہ کیا تھا۔ جب طنطا کا سفر کیا تو غم سے روتا جاتا تھا لیکن جب آخری زندگی میں ہوائی جہاز سے لندن کا سفر کیا تو خوشی کی انتہا نہ تھی۔[180]

مذکورہ پہلی مثال میں عربی متن کے اردو ترجمے کی ان دو مثالوں میں بھی مترجم نے وہی طریقہ کار اپنایا ہے جس کا اندازہ دونوں عبارتوں کو سامنے رکھ کر آسانی سے لگایا جا سکتا ہے، جیسے دوسری مثال میں اس عربی عبارت 'أما الأمر الثاني الذي كنت أقضي فيه وقتي فمطالعة الكتب '(رہا دوسرا کام جو میں اپنے خالی اوقات میں کرتا تو وہ کتابوں کا مطالعہ تھا) کے بجائے 'میں فراغت میں کتب بینی کرتا' سے کیا جو اردو زبان کے اسلوب کے عین مطابق ہے، اور رہا عربی متن کا مسئلہ تو عربی میں اس طرح کے اسلوب کو بہت زیادہ اپنایا جاتا ہے جس کی ایک الگ خوبصورتی ہے۔ اسی طرح آخری کی مثال میں مترجم عربی عبارت کے مفہوم کو

---

[179] سرگذشتِ حیات، ص 132

[180] سرگذشتِ حیات، ص 312

سامنے رکھتے ہوئے اردو میں ایسے منتقل کیا ہے کہ اس میں کچھ ایسے الفاظ در آئے ہیں جو عربی متن میں موجود ہی نہیں ہیں اور اس سے کسی قسم کی کوئی خرابی بھی پیدا نہیں ہوتی، بلکہ عبارت اردو قارئین کے لیے عین مناسب وموزوں معلوم ہوتی ہے۔

خمس دقائق فقط (صرف ۵ منٹ!)

یہ کتاب دراصل ایک شامی خاتون ہبہ الدباغ کی شام کی جیلوں میں گذارے ہوئے ظلم وبربریت سے بھری ہوئی داستانوں سے عبارت ہے، ہبہ الدباغ کے اہل خانہ چوں کہ اپنے زمانے میں اخوان المسلمون کی تحریک سے وابستہ تھے اور حکومت وقت اس تنظیم سے جڑے ہوئے خاندانوں اوران کے افراد کو چن چن کر جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے ڈال کر ظلم وستم کے خونچکاں مظالم ڈھارہی تھی، اسی دوران جب ہبہ الدباغ اپنے تعلیمی سرگرمیوں میں مصروف تھی اور ہاسٹل میں رہا کرتی تھیں، وہاں سے انہیں اوران کی ساتھیوں کو گرفتار کر کے 9 سال تک انہیں پابند سلاسل رکھا گیا۔ان 9 سالوں اپنے اور اپنی ساتھیوں پر ہونے والے مظالم کو اپنی اس کتاب میں بڑی ہی خوش اسلوبی کے ساتھ سپرد قلم ہے۔

ان کی یہ کتاب اپنی تمام تر دوسری نوعیت کے ساتھ عربی ادب کے بہترین خود نوشت میں شمار کی جاتی ہے اور بڑی مقبول ومعروف ہے۔اس کتاب میں عرب دنیا کی نڈر اور بے خوف خاتون زینب الغزالی الجبیلی کا پیش لفظ شامل ہے جس سے مزید اس کی وقعت واہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔اس کتاب کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ صاحب کتاب اور مترجم کتاب (ڈاکٹر میمونہ حمزہ) دونوں خاتون ہیں۔اردو ترجمے کا فریضہ انجام دینے والی خاتون کا تعلق پڑوسی ملک پاکستان ہے، جو عربی کتاب کے اردو ترجمے کو 'جہاد کشمیر' نامی اردو میگزین میں قسط واری شائع کرایا، جو اس وقت 'صرف ۵ پانچ منٹ!' اردو ٹائٹل کے ساتھ کتابی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

ترجمے پر جب نظر کرتے ہیں تو بلا مبالغہ اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ خاتون مترجم نے بڑی ہی دیانتداری کے ساتھ ساتھ عربی متن کا پورا پورا لحاظ کرتے ہوئے اردو ترجمے کے فریضے کو انجام دیا ہے۔ ترجمہ سلیس اور بامحاورے کے ساتھ عربی متن کے ساتھ چلتا پھرتا ہوا نظر آتا ہے، ذیل میں بطور مثال چند عربی عبارت اور ان کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

أنا . . ضد الوطن!

عبر ممر كئيب في القبو أخذوني إلى غرفة أخرى للتحقيق وجدت في صدارتها وجها جديدا هو الرائد تركي . . أجلسني على طرف سرير عسكري في طرف الغرفة وجعل على مدى نصف ساعة تقريبا يعيد تلاوة نفس الإتهامات علي بشكل سؤال وجواب , ويدونها في سجل معه .كنت من تعبي وارهاقي لا أستطيع متابعة كلامه أو حتى فتح عيني . . فكنت أكبو قليلا ثم أنتبه فأشد نفسي . . وعندما كان يبلغني صوته الأجش بعربيته الثقيلة أحس وكأن أمعائي توشك أن تخرج كلها من فمي . .فلما انتهى كان أملي الوحيد في كل الدنيا وقتها أن أجد ولو بلاطة ألقي عليها جسمي المنهك وأنام.

تم وطن دشمن ہو

اس تاریک راستے کو پاٹتے ہوئے وہ مجھے ایک دوسرے کمرہ تعذیب میں لے گئے، جہاں میں نے ایک نیا چہرہ دیکھا۔ وہاں ایک ترکی النسل نگران تھا۔ اس نے مجھے کمرے کے ایک جانب پڑی فوجی چارپائی پر بٹھا دیا اور تقریباً نصف گھنٹے تک ان ہی الزامات کو سوالاً جواباً دُہراتا اور ڈائری میں نوٹ کرتا رہا۔ میں اس قدر خوف زدہ اور تھکاوٹ کا شکار تھی کی اس کی باتوں کا جواب دینا مشکل ہو رہا تھا۔ نیند سے میری آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ مجھے اونگھ آجاتی اور پھر میں چونک کر اپنے آپ کو درست کرتی۔ اس کی سخت کھردری ثقیل عربی لہجے کی گرج دار آواز میرے کانوں میں پڑتی تو ایسا لگتا جیسے میری آنتیں حلق میں آجائیں گی۔ جب اس نے بات مکمل کرلی تو میری ایک ہی خواہش تھی کہ مجھے کھردرا فرش بھی مل جائے تو میں اس پر اپنا تھکاوٹ سے چور بدن ڈال کر کچھ دیر کے لیے سو جاؤں۔[181]

وقتها ارتد بي البصر إلى دمشق عام 85 وعدت بالذاكرة إلى ليلة رأس

---

[181] صرف ۵ منٹ!، ص43

السنة في بيتنا بالبرامكة قبل تسع سنوات بالتحديد . . ليلة أن اصطفت سيارات المخابرات على طول الشارع في منتصف الليل . . وسألنى رئيسهم أن أذهب معه خمس دقائق وحسب , فانتزعوني من الحياة تسع سنوات كاملات . . دون أن أعرف سببا لذلك إلى اليوم!

اسی وقت مجھے ۸۰ء کی دمشق کی وہ آخری رات یاد آگئی، جب میں نو برس پہلے برامکہ میں اپنے ہاسٹل کے کمرے میں امتحان کی تیاری میں مصروف تھی۔ ہاں پورے نو برس پہلے۔ اس رات جب مخابرات کی گاڑیوں نے آدھی رات کو پوری سڑک بلاک کر دی تھی اور ان کے سربراہ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں صرف پانچ منٹ کے لیے ان کے ساتھ چلوں۔ صرف پانچ منٹ کے لیے۔ پھر انہوں نے میری زندگی سے پورے نو برس کھسوٹ لیے اور میں آج تک نہیں جان پائی کہ کیوں!۔[182]

دونوں عبارتوں کے ترجمے پر بغور نظر کرنے سے اندازہ لگتا ہے کہ خاتون مترجم نے سیاق وسباق سے وابستہ واقعات جو بعد عبارتوں میں درج نہیں ہیں، دورانِ ترجمہ ان کو بھی شامل کرکے عربی متن کو اردو کے ایسے قالب میں ڈھالا کہ پورا مفہوم بڑے ہی واضح انداز میں قاری کے سامنے آجاتا ہے جیسے اردو عبارت 'اپنے ہاسٹل میں امتحان کی تیاری میں مصروف تھی' کا اضافہ جو یہاں عربی متن میں نہیں ہے، اردو جملے کا یہ اجافہ دراصل اس پورے منظر نامے کی طرف قاری کے ذہن کے لے جاتا ہے جو گرفتاری کے وقت تھے۔ ترجمہ کا یہی کو یہی خوبی ہوتی ہے کہ مترجم جب ترجمے کے فرئضہ کو انجام دے تو اسے سیاق وسباق کے متعلق مکمل علم ہو تاکہ اپنے ہدفی قارئین تک اصل متن میں موجود پیغام کی رسائی ہوسکے، اور یہ چیز ہمیں ڈاکٹر میمونہ حمزہ کے ترجمے میں بہتر صورت میں دیکھنے کو ملتی ہے۔

نفحۃ العرب

یہ کتاب عربی ادب کی عمدہ کتابوں میں شمار کی جاتی ہیں جس کو اعزاز علی دیوبندی نے تالیف کیا ہے۔ اس کتاب میں مختلف ماخذ سے مضامین منتخب کرکے عربی ادب کا بہترین گلدستہ تیار کیا گیا ہے۔ اس کتاب

[182] صرف ۵ منٹ!، ص 271

میں مختلف واقعات کو بڑی خوش اسلوبی سے رکھا گیا ہے، جس میں اخلاق، اصلاح اور دوسرے امور زندگی سے متعلق معاملات کے ضمن رہنمایانہ واقعات جو سیرت نبوی اور سیرت صحابہ کے عنوانات سے درج کیے گئے ہیں۔یہ کتاب مدارس میں ابتدائی اور متوسط درجات میں داخل نصاب ہے۔اس کتاب کے داخل نصاب کا مقصد ایک طرف کہاں طالب علموں عربی ادب سے وابستگی پیدا کرنا، تو وہی دوسری طرف انہیں اخلاقات حمیدہ اور عادات حسنہ سے آراستہ کرنا ہے۔

اس کتاب کے داخل نصاب ہونے کے باعث مدارس عربیہ کے اساتذہ نے طالب علموں کی درسی ضرورت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس کے کئی اردو ترجمے اور شرح تیار کی ہے۔ذیل میں اردو تراجم، شروحات کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

اشرف الادب

یہ نفحۃ العرب کا اردو ترجمہ، شرح ہے۔جس کو عبدالحفیظ فاضل دیوبند نے انجام دیا ہے۔مؤلف کتاب نے اسے شرح اردو سے تعبیر کیا ہے۔کتاب 350 سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔کتاب کے آغاز میں مصنف نے نفحۃ العرب کا اجمالی تعارف، ادب، علم ادب، بعض اصحاب تاریخ کا مختصر تعارف، صاحب کتاب کے مقدمہ کی توضیح اور حل لغات درج کیا ہے۔ترجمے کے دوران اپنائے گئے اصول و قواعد یا تکنیک کو تحریر نہیں کیا ہے۔لیکن ترجمے پر نظر کرنے سے ایسا لگتا ہے کہ صاحب اشرف الادب نے طلباء کو سامنے رکھتے ہوئے لفظی ترجمے کے تکنیک سے کام لیا ہے۔مترجم یا شارح کتاب نے تقریباً ہر عنوان کے متعلق تھوڑی بہت تفصیل ضرور دی کی ہے، بعض عناوین میں اگر کوئی کہاوت وغیرہ ہے تو اردو کہاوت درج کر کے طالب علموں کو سمجھانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔مترجم نے عربی متن کی لغوی تحقیق کے بعد ترجمہ کے بجائے توضیح کی

ہیڈ نگ کے ساتھ اردو ترجمہ درج کیا ہے اور اس کے بوقت ضرورت فائدہ کی ہینڈ گ ڈال کر اس کی مزید وضاحت کی ہے۔ذیل کچھ مثالیں بطور نمونہ درج کی جاتی ہیں۔

الفٌ فی الماء وَ اسْتٌ فی السماءِ

ناک پانی میں اور سرین آسمان میں

(یہ ایک کہاوت ہے جو ایسے شخص کے لیے بولی جاتی ہے جو ذی وقار نہ ہو اور اپنے آپ کو صاحب عزت خیال کرتا ہو جیسے ہمارے یہاں کہا جاتا ہے، رہیں جھونپڑوں میں اور خواب دیکھیں محلوں کے)

کیوں ہنسی آئے نہ مجھ کو ایسے خیال خام پر۔۔۔۔۔دیکھتے ہیں جھونپڑوں میں بیٹھ کے محلوں کے خواب[183]

مذکورہ عنوان چونکہ عربی زبان میں ایک کہاوت کے طور پر مستعمل ہے، سب سے پہلے مترجم نے عربی متن کا بالکل لفظی ترجمہ کیا ہے،اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کی، نیز موجود کہاوت کو سامنے رکھ کر اردو میں موجود کہاوت کو بھی درج کیا ہے تاکہ طالب علموں تک اچھی طریقے سے بات پہنچ جائے، ایسا کرنا مترجم کی دونوں زبان کی واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے جو ہر مترجم کے لیے از حد ضروری ہوتی ہے۔

دوسری مثال دیکھیں کہ مترجم نے کیا طریقہ کار اپنایا ہے:

واما مریم امہ فتوفیت بعد رفعہ بمدۃ قلیلۃ ودفنت ببیت المقدس ثم انہ ینزل قبل قیام الساعۃ یحکم بشریعۃ سیدمحمد علیہ الصلوۃ والسلام ولا یدع کافرا و یکمث مدۃ اربعین سنۃ، ثم یحج ویزور قبر محمدٍصلی اللہ علیہ و سلم ثم یموتُ ویدفن بجوارہ۔

اور بہر حال حضرت مریم علیہ السلام ان کی ماں وفات پائیں ان کے اٹھانے جانے کے بعد بہت کم مدت میں اور انہیں دفن کیا گیا بیت المقدس میں، پھر حضرت علیہ السلام قیامت قائم ہونے سے پہلے اتریں گے، اور حکم دیں گے ہمارے آقا محمد ﷺ کی شریعت کا اور کسی کافر کو نہیں چھوڑیں گے اور چالیس سال تک رہیں گے پھر حج کریں گے اور حضور ﷺ کے مزار کی زیارت کریں گے پھر وفات پائیں گے

[183] اشرف الادب، ص30

اور حضور ﷺ کے قریب مدفون ہوں گے۔[184]

اس مثال میں عربی متن اور اردو ترجمہ کو سامنے رکھتے ہیں تو ہر لفظ کا اردو ترجمہ ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے، ترجمہ گرچہ لفظی ہے لیکن اس کے باوجود تھوڑی بہت روانی پائی جاتی ہے۔اس طریقہ کار کو اپنانا طالب علموں کی درسی ضرورت کے عین مطابق اور موزوں ہے۔ قارئین کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے اس طرح کا ترجمہ کرنا ترجمے کے اصول میں ایک ہے، جو ہمیں واضح پر نظر آتا ہے۔

اسی طرح ایک مثال شعر کے اردو ترجمے کی ملاحظہ ہو:

الفقیہ الباھر

اذا کنت اعلم علماً یقیناً بان جمیع حیاتی کساعہ

فلم لا اکون ضنیناً بھا واجعلھا فی صلاحٍ وطاعہ

زبردست فقیہ

جب میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میری زندگی ایک لمحہ کی طرح ہے تو میں اس پر بخل کرنے والا کیوں نہ بنوں۔اور میں اسے عبادت اور نیکی میں کیوں نہ لگاؤں۔[185]

اس ترجمے پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ لفظی ترجمہ کے باجود اس میں مترجم نے سلاست اور روانی پیدا کی ہے اور عربی متن اور اردو ترجمے کو سامنے رکھیں تو کسی قسم کی کمی یا زیادتی نظر نہیں آتی۔المختصر یہ کہ مترجم کی دونوں زبانوں پر قدرت، دونوں زبانوں کے اسلوب نگارش، تہذیب وغیرہ سے اچھی واقفیت ہے، جو مترجم کے لیے ازحد ضروری ہوتی ہے۔

---

[184] اشرف الادب، ص188

[185] اشرف الادب، ص327

تحفۃ الادب

یہ کتاب بھی نفحۃ الادب کا اردو ترجمہ ہے جس کو محمد حنیف گنگوہی نے انجام دیا ہے۔ مترجم، شارح نے کتاب کے بالکل آغاز میں بہت سی ایسی کتابوں کی فہرست درج کی ہے جو دورانِ ترجمہ و شرح زیر مطالعہ رہیں۔ کتاب کے شروعات میں تقریباً 40 صفحات پر دیباچہ، مقدمہ (جس میں عربی، ادب، اس کی تاریخ، ادب کی لغوی تحقیق وغیرہ)، صاحب نفحہ العرب کا تعارف، بعض اصحاب تاریخ کا مختصر تعارف جن کے بارے میں صاحب کتاب نے سکوت یا لاعلمی کا اظہار کیا ہے، شامل کیا ہے۔ کتاب تقریباً ساڑے تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اصل کتاب کا ترجمہ صفحہ 41 سے شروع ہوتا ہے۔ مترجم، شارح دیباچہ میں اصول یا تکنیک ترجمہ کے متعلق کوئی بات درج نہیں کی ہے، بقول مترجم طلباء کی درسی ضرورت اور علمی ترقیات کے لیے اسے انجام دیا ہے۔ ذیل میں کچھ مثالیں مع ترجمہ درج کی جاتی ہیں:

لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ خالقہ
دخل ابوالنضر سالم مولیٰ عمر بن عبیداللہ علی عاملٍ للخلیفۃ، فقال لہ: ابا النضر! انا تأتینا کتبٌ عن عند الخلیفۃ، فیھا وفیھا ولا نجد بدّاً من انفاذھا، فما تری؟ قال لہ ابوالنضر: قد اتاک کتابٌ من اللہ تعالیٰ قبل کتاب الخلیفۃ، فایھما اتبعتَ کنتَ من أھلہ۔

تشریح:

خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائزہ نہیں؛

حضرت ابوالنضر سالم مولی عمر بن عبید اللہ، خلیفہ کے کسی عامل کے پاس تشریف لائے؛ عامل نے کہا: ابوالنضر! ہمارے پاس خلیفہ کی جانب سے ایسے خطوط آتے ہیں جن میں مختلف قسم کے احکام ہوتے ہیں اور ہم کو ان کے نافذ کیے بغیر چارہ نہیں، آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا: تیرے پاس خلیفہ کی کتاب سے پہلے اللہ کی کتاب آچکی بس ان میں سے جس ایک اتباع کرے گا اسی کے متبعین میں سے شمار ہوگا۔[186]

---

[186] تحفۃ الادب، ص126-127

الشّكوىٰ إلى الأصدقاء......وقال بعضهم

يا غائبينَ تعلّلنا بغيبتهم بطيبِ دهرٍ ولا واللهِ لم يطبِ

ذكرتُ والكاسُ فى كفى لياليكم فالكأسُ فى راحةٍ والقلبُ فى تعبِ

دوستوں سے شکوہ۔۔۔۔۔۔۔۔کسی نے کہا ہے

اے دور جانے والو! ہم خوشگوار زمانہ کے سبب تمہاری یاد سے غافل ہوگئے لیکن زمانہ بھی خوشگوار نہ ہوا۔ میرے ہاتھ میں جام ہے اسی حالت میں تمہاری راتیں یاد آگئیں پس جام ہاتھ میں ہے اور دل بے چینی میں ہے۔[187]

مذکورہ بالا دونوں عربی متن کے اردو ترجمے پر نظر کریں تو دورانِ ترجمہ اپنے گیے طریقہ کار اندازہ ہوتا ہے۔ پہلا متن عربی نثر میں ہے جس کے اردو ترجمے روانی اور سلاست بجا طور پر دیکھنے کو ملتی ہے۔ ایک ہی لفظ کتاب گرچہ ایک جگہ جمع مستعمل ہے لیکن مترجم نے سیاق وسباق کا لحاظ کرتے ہوئے دونوں کا ترجمہ الگ الگ کیا ہے، پہلے 'کتب' کا خطوط سے کیا جبکہ دوسری جگہ ''کتابٌ من اللہ'' کا ترجمہ 'اللہ کی کتاب' سے کیا ہے۔ دورانِ ترجمہ مترجم کو انہیں باریکیوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس اہم فریضہ کا دینا ہوتا ہے۔ اگر مترجم دونوں جگہوں پر کتاب یا خط ترجمہ کر دیتے تو مفہوم میں خرابی پیدا ہو جاتی۔ مترجم بڑی عمدگی کے ساتھ دونوں جگہوں کے پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے علیحدہ علیحدہ ترجمہ کیا ہے جو بالکل موزوں اور مناسب ہے۔

تکمیل الادب

یہ کتاب میں نفحۃ العرب کا اردو ترجمہ، شرح ہے، جسے مصلح الدین قاسمی انجام دیا ہے۔ کتاب 600 سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے آغاز میں تقریظ، سخن اولین جس میں مترجم نے نفحۃ العرب کے اس ترجمہ کو طلباء مدارس کی ضرورت اور دوسرے حضرات کی فرمائش پر انجام دیا ہے۔ اس میں صاحب نفحۃ العرب

---

[187] تحفۃ الادب، ص 330

اعزاز علی صاحب کے احوال زندگی اور ادب، علم ادب اور علوم ادبیہ پر سیر حاصل تحریر شامل کی ہے۔ مترجم نے اپنے سخن اولین میں دورانِ ترجمہ، ترجمہ کے اصول اور اپنائی گئی تکنیک وغیرہ کے متعلق گفتگو نہیں کی ہے ۔ چنانچہ ہم ہی عربی متن اور اردو ترجمے کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔ ذیل میں کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں:

پہلی مثال:

قال عبدالملک بنُ عمیر الکوفی: کنتُ عند عبدِ الملکِ بن مروانَ بقصْرِ الکوفۃ المعروف بدار الإمارۃ حین جئ برأسِ مصعب بن الزبیر، فوُضع بین یدیہ، فرانی قدِ ارْتعتُ، فقال: مالَکَ؟ أُعیذک باللہ یا أمیر المؤمنین! کنتُ بھذا القصر بھذا الموضع مع عُبید اللہ بن زیاد فرأیتُ رأسَ الحسین بن علی رضی اللہ عنھما ابنِ أبی طالب بین یدیہ فی ھذا المکانِ ، ثم کنتُ فیہ مع المختارِ بن عبیدالثقفی فرأیتُ رأسَ عبیداللہ بن زیادٍ بین یدیہ، ثم کنتُ فیہ مع مصعب بن الزبیر فرأیتُ المختار بین یدیہ، ثم ھذا رأسُ مصعب بن الزبیر بین یدیک، قال: فقام عبدُ الملک من موضعہ وأمر بھدم الطاقِ الذی کنافیہ۔

عبدالملک بن عمیر کوفی نے بیان کیا کہ: میں عبدالملک بن مروان کے پاس کوفہ کے مشہور محل ''دارالِامارۃ'' میں اس وقت تھا جب مصعب بن زبیر کا سرلا کر عبدالملک بن مروان کے سامنے رکھا گیا، تو اس نے مجھے دیکھا کہ میں لرزہ براندام ہو گیا، تو اس نے کہا: تجھے کیا ہو گیا؟ میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں آپ کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں، میں اس محل میں اسی جگہ عبیداللہ بن زیاد کے ساتھ تھا تو میں حضرت حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کا سر عبیداللہ بن زیاد کے سامنے اسی جگہ دیکھا تھا، پھر میں اسی جگہ مختار بن عبید ثقفی کے ساتھ تھا تو میں نے عبیداللہ بن زیادہ کے سامنے دیکھا تھا، پھر میں اسی جگہ مصعب بن زبیر کے ساتھ تھا تو میں نے مختار کا سر ان کے سامنے دیکھا، پھر یہ مصعب بن زبیر کا سر آپ کے سامنے ہے، راوی کا بیان ہے: تو عبدالملک اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور اس محراب کے مسمار کرنے کا حکم دے دیا جس میں ہم تھے۔[188]

[188] تکمیل الادب، ص82

دوسری مثال:

وقال حسانُ یمدحُ النبیَ ﷺ

وأحسنَ منک لم ترقط عنی   وأحسنَ منک لم تلدِ النساءُ

خلقتَ مبرأً من کل عیبً   کأنکَ قدخُلقتَ کماتشاءُ

آپ ﷺ سے بہتر نہ کبھی میری آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی آپ ﷺ سے زیادہ حسین عورتوں نے کسی کو جنا۔

آپ ﷺ ہر عیب سے پاک وصاف پیدا کیے گئے گویا کہ آپ جیسا چاہتے تھے اُسی طرح پیدا کیے گئے۔[189]

تیسری مثال:

ذمّہ

قالتْ وقدْ راعَھا مشیبی   کنتُ ابنَ عم فصِرتَ عماً

واستھزأتْ بی فقلتُ أیضاً   قدکنتِ بنتاً فصرتِ أمّاً

بڑھاپے کی مذمت

ایک عورت نے میرے بڑھاپے سے خوفزدہ ہو کر کہا: تم چچازاد بھائی تھے پھر چچا ہو گئے۔

اس نے میرے ساتھ مذاق کیا، تو میں نے بھی کہا: پہلے تو لڑکی تھی اور اب ماں ہو گئی ہے۔[190]

مذکورہ بالا تینوں مثالوں میں عربی متن اور اردو ترجمے پر نظر کرنے سے مترجم کا دورانِ ترجمہ اپنائی ترجمہ کی تکنیک کا پتہ چلتا ہے۔ تقریباً تینوں مثالوں میں بامحاورہ تکنیک اپناتے ہوئے عربی متن کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اردو عبارت میں روانی اور سلاست کے ساتھ بہت زیادہ کمی بیشی سے احتراز کیا گیا ہے۔ ہم اس ترجمے کو صحت مند ترجمے میں شمار کر سکتے ہیں۔

---

[189] تکمیل الادب، ص 447

[190] تکمیل الادب، ص 537

الوعد الحق

الوعد الحق (وعدہ بر حق) طہٰ حسین (1889-1973) کی اہم اسلامی کتابوں میں سے ایک ہے۔ (الوعد الحق: وعدہ بر حق) 1949ء میں شائع ہوئی۔ انکی دوسری اہم اسلامی کتابوں میں (علی ہامش السیرۃ)، (الشیخان)، (الفتنۃ الکبری) اور (مرآۃ الاسلام) وغیرہ شامل ہیں۔ عربی ادب کے سر خیل پہلی صدی ہجری (ساتویں صدی عیسوی) میں انسانی فراخ دلی کے نقطۂ نظر سے اسلامی تاریخ کا پہلو پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ہر نظریے اور مذہب کے قاری سے مخاطب ہونا ممکن ہوسکتا ہے، یہ پہلو مشترکہ انسانی اقدار، بھائی چارے کی پختگی، انصاف اور بھلائی پر مشتمل ہے۔ اس کے متعلق الشرق الاوسط اردو کی ویب سائٹ پر کچھ یوں مذکور ہے:

> وعد الحق یعنی وعدہ بر حق، خدائی وعدہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں صرف ناول نگاری نہیں بلکہ یہ تاریخ کی ساخت میں کہانی نویسی کا اسلوب پایا جاتا ہے جو کبھی ڈرامائی انداز اختیار کر لیتی ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس شخص کے اندر پرانے خیالات اور جدید دین کے مابین رسہ کشی کا تصور پیش کرتا ہے یا مشرکین اور مؤمنین کے مابین گفتگو یا تاریخی واقعات۔ مثال کے طور پر حبشہ کے بادشاہ ابرہہ کا خانۂ کعبہ شریف کو منہدم کرنے کی کوشش اور اس عمل میں اس کی ناکامی۔[191]

اس کتاب کے دو تراجم راقم کے علم میں ہے، ایک معراج محمد بارق کا اور دوسرا عبدالمجید حریری کا ہے، لیکن راقم کو اول الذکر ترجمہ دستیاب ہوسکا۔ ایک ترجمہ ''وعدہ بر حق'' کے نام سے کیا گیا ہے لیکن تلاش بسیار کے باوجود دستیاب نہ ہوسکا، چنانچہ اول الذکر اردو ترجمہ ''خدائی وعدہ'' مع امثلہ درج کیا جاتا ہے۔

---

[191] الشرق الاوسط اردو والشرق الاوسط اردو (aawsat.com)

خدائی عدہ

یہ کتاب الوعد الحق کا اردو ترجمہ ہے، جس کے مترجم معراج محمد بارق ہے۔ یہ کتاب تقریباً 350 صفحات پر مشتمل ہے۔ مترجم نے کتاب کے پیش لفظ میں "الوعد الحق" کے متعلق کچھ بہت اہم باتیں پیش کر دی ہیں جس کے متعلق قاری کی واقفیت نہایت ضروری ہے تاکہ اول وہلہ میں کتاب کے اجمالی تعارف سے بہرہ ور ہو جائے۔ مترجم نے اپنے اس عمدہ پیش لفظ میں مختصر طور پر ترجمہ کے دوران اپنائے جانے والے امور کا بھی مختصر تذکرہ کیا ہے جو درج ذیل ہیں۔

- ممکنہ حد تک اردو ترجمہ کو اصل کے قریب تر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- مختلف مقامات پر مترادفات کے ضمن میں قدرے تصرف سے کام لیا گیا ہے۔
- ضرب الامثال و محاورات کو بعض مقامات پر مقامی رنگ دینے کی سعی کی گئی ہے۔
- اردو میں مستعمل تشبیہات سے کام لیا گیا ہے، اور بعض کو حذف کیا گیا ہے تاکہ جھول نہ پیدا ہو سکے۔
- معزز شخصیات کے لیے واحد غائب کا ہی صیغہ استعمال کیا گیا اور بعض جگہ اس کے بر خلاف۔ واحد کے صیغہ سے بے احترامی بالکل بھی مقصود نہیں۔ یہ محض عبارت میں زور اور فطری رنگ دینے کے باعث کیا گیا ہے۔[192]

طٰہٰ حسین نے کتاب کا آغاز سورۃ النور کی آیت نمبر سے 55 سے کیا ہے۔ اسی سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب مومنین، اولیاء اور امت مسلمہ کے برگزیدہ شخصیات کے تذکرے اور ان کے کارنامے پر مشتمل ہے۔ اس میں مکالمے کے انداز میں عبارت موجود ہے۔ ذیل میں بطور مثال کچھ نمونے مع جائزہ درج کیا جاتا ہے۔

---

[192] پیش لفظ، خدائی وعدہ

پہلی مثال:

وأقام ياسر ما شاء الله أن يُقيم ضيفًا على حليفه أبي حذيفة، يغدو إلى المسجد مصبحًا فيقول لقريش ويسمع منهم، ويروح إلى الدار بعدَ أن تزول الشمس، فلا يقيم فيها إلا ريثما يصيب شيئًا من طعام وراحة، ثم يخرج فيمشي في الأسواق، ويتعرف أمر الناس، ويلتمس أسباب الرزق؛ حتى إذا يسرتْ له الوسائل للعمل والكسب أراد أن يتحول إلى دار۔ [193]

ترجمہ: اس کے بعد یاسر کافی عرصہ ابو حذیفہ کا مہمان رہا۔ وہ ہر روز صبح مسجد جاتا اور وہاں قریش کے لوگوں سے باتیں کرتا، پھر سورج ڈھلنے پر گھر آتا اور کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کرتا۔ اس کے بعد بازار کی طرف نکل پڑتا۔ وہاں لوگوں سے ملتا، ان کے حالات معلوم کرتا اور روزی کا ذریعہ تلاش کرتا۔ آخر جب اس کا کام کاج لگ گیا اور کمائی خاصی ہونے لگی تو اس نے اپنے ذاتی گھر میں منتقل ہونے ارادہ کیا۔ [194]

دوسری مثال:

وفي أقصى هذا الوادي من أمامي مُروجٌ خضرٌتجري فيها مياه عذابٌ لا تبلغها هذه النار، وإنما تقف قبل أن تنتهي إليها، وأنت قائمة في هذه المروج الخضر قد رُدَّ عليك شبابك وأشرق وجهك حتى كأنه الشمس، وأنت تبتسمين لي وتدعينني باللحظ واللفظ، وتشيرين إليَّ بالبنان۔ [195]

ترجمہ: اس وادی کے پرلی جانب میری نظروں کے بالکل سامنے ایک سرسبز مرغزار ہے جس میں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کی نہریں بہ رہی ہیں۔ یہ آگ وہاں تک نہیں پہنچتی بلکہ اس سے ورے آکر ہی رک جاتی ہے، میں نے دیکھا کہ اس سبزہ زار میں تم کھڑی ہو، تمہاری جوانی واپس لوٹ آئی ہے اور چہرہ ایسے چمک رہا ہے جیسے چودھویں رات کا چاند ہو، مجھے دیکھ کر تم مسکرا رہی ہو، نگاہوں اور اشاروں سے بلا رہی ہو، اور آواز بھی دے رہی ہو۔ [196]

تیسری مثال:

[193] الوعد الحق، ص 11

[194] خدائی وعدہ، ص 29

[195] الوعد الحق، ص 19

[196] خدائی وعدہ، ص 51

وفي قلوب الشباب قسوة وخفة، وفي أحلامهم نَزَق وطيش .فهم ينظرون إلى من يُمتحَنُ في بدنه، ويأتي من الحركة والقول ما يسليهم ويُلهيهم، على أنه متاع لأبصارهم ونفوسهم، ولا يُقدِّرون أن هذا العذاب يمكن أن يُصَبَّ عليهم، وأن هذه الحركات والشكاة يمكن أن تصدُرَ عنهم، فتُضْحكَ منهم قومًا آخرين، ولو قد وضع الإنسان نفسه موضع الذين يصب عليهم العذاب لجنَّب الناس شرًّا كثيرًا .فكان أولئك الشباب من قريش يتحدثون ببراعة أبي جهل فيما كان يخترع من ألوان الفتنة والمحنة راضين عنها مُعجبين بها، وكانوا يتحدثون عن احتمال أولئك الرهط للفتنة في أنفسهم بالجَلَد والصبر والأناة في كثير من الإعجاب، كما كانوا يتحدثون في عبث وسخرية بما كانت أجسام أولئك الرهط تأتي من الحركات حين يمسها العذاب[197].

ترجمہ: نوجوان عام طور پر سنگدل اور چھچھورے ہوتے ہیں،ان کی عقلیں بھی پختہ نہیں ہوتیں، بہت جلد جوش میں آجاتے ہیں اور اکثر اوچھے پن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ اس شخص کو بڑی دلچسپی اور شوق سے دیکھتے ہیں جس کے بدن کو اذیت دی جارہی ہو اور وہ اپنی تلملاہٹ اور چیخ پکار سے ان لوگوں کی خوش وقتی اور کھیل تفریح کا سامان مہیا کرے۔ گویا وہ ان کی آنکھوں اور دلوں دونوں کو لطف اندوز کرتا ہے، لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ یہی عذاب وبلا ممکن ہے ان پر بھی آپڑے،اور ممکن ہے کہ یہی درد وتڑپ اور چیخ پکار ان کی مونہوں سے نکلے اور پھر دوسرے لوگ ان پر ہنسیں اور ان کا مذاق اڑائیں۔ اگر انسان تھوڑی دیر کے لیے یہ سوچ لے کہ بالفرض ان گرفتارانِ عذاب اور مصیبت زدہ لوگوں کی جگہ وہ خود ہوتا تب کیسی تکلیف ہوتی تو وہ لوگوں کو ستانے سے بہت حد تک باز آجاتے۔[198]

اس ترجمے پر صرف نظر کرنے سے مترجم کی طرف بیان کیے اصول کو برتے جانے کا واضح طور پر پتہ چلتا ہے۔ ترجمہ کو اصل سے قریب رکھنے کی بھرپوری کوشش کی گئی ہے، شخصیات کے لیے ضمیر غائب، اور بعض مقامات پر محاورے کا استعمال کیا گیا ہے، ترجمہ کو دیکھ با محاورہ ترجمے کا اندازہ ہوتا ہے۔ جیسے محاورہ کے لیے دوسری مثال میں چہرہ کی چمک کو 'چودھویں کا چاند' استعمال کیا جبکہ عربی عبارت میں چودھویں کے چاند کا مترادف کوئی لفظ یا ھلال (جو اسی چاند کے لیے مستعمل ہوتا ہے) موجود نہیں ہے۔اسی طرح آخری مثال میں عربی متن کو اردو کے جس قالب میں ڈھالا ہے، اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم نے بڑی مہارت اور ذمہ داری کے

---

[197] الوعد الحق، ص 83-84

[198] خدائی وعدہ، ص 202-203

ساتھ اردو کا ایسا جامہ پہنایا ہے جس کا وہ متقاضی تھا کیوں کہ عربی متن بھی اپنے اسلوب تحریر کے لحاظ سے اعلیٰ نمونہ ہے، چنانچہ مترجم نے اس اہم کام کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا ہے جو قارئین کے سامنے بالکل واضح اور صاف ہے۔

مختارات من ادب العربی: سید ابوالحسن علی ندوی

یہ عربی ادب کی بہت ہی اہم کتاب ہے جس کو سید ابوالحسن علی ندوی (علی میاںؒ) نے تالیف کیا ہے۔ جس میں چیدہ چیدہ ادبی شہ پارے کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ اعلیٰ علمی ادبی شاہکار ہے۔ جو ایک ادبی شہ پارہ ہونے کے ساتھ بلیغ و فصیح مضامین کا مجموعہ ہے۔ جس میں دورِ اسلام سے لے کر موجودہ زمانہ تک کے عمدہ مضامین کا انتخاب کیا گیا ہے۔

صاف ستھرے اور پاکیزہ ادبی معیار کے باعث عربی قارئین کے درمیان کافی معروف و مشہور ہے۔ اس کی اہمیت اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ برصغیر کے مدارس میں داخل نصاب ہونے کے ساتھ ساتھ دنیائے عرب میں پڑھائی جاتی رہی ہے اور دنیائے عربی کے چوٹی کے ادیبوں نے اسے سراہا ہے۔ علی طنطاوی اپنی کتاب ''المسلمون فی الھند'' کے مقدمے میں رقمطراز ہیں:

اس کتاب میں عربی کی مختصر اور طویل وہ روایتیں شامل ہیں اور ان تعبیرات کو برتا گیا ہے جسے عرب اپنے کلام میں برتتے تھے۔اس کتاب میں عربی ادب کا معلم کا سابقہ عربی بلاغت، قدرت بیانی، بہترین تعبیرات وغیرہ سے پڑتا ہے کہ زبان وبیان میں مہارت پیدا کرکے کسی کے بھی سامنے اپنے مافی الضمیر کو پیش کرسکتا ہے۔[199]

یہ کتاب ایسے اسباق پر مشتمل ہے کہ صاحب کتاب اس میں امت کو اتحاد کی دعوت اور غیرت ایمانی کو للکارتے ہوئے نظر آتے ہیں، تو کبھی ماقبل اسلام کے حالات بیان کرتے ہیں، کہیں ماں بیٹے کے آپسی تعلقات اور لوگوں کو اخلاق حمیدہ کی دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں، عوام وخواص، ظالم ومظلوم کو خطاب کرتے ہیں، اور

---

[199] مختارات من ادب العربی، ص8

کہیں قیام عدل وانصاف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ،المختصر یہ کہ اس کتاب سے فی زمانہ انسانی زندگی کے ہر گوشے اور ہر زاویے کے سبق وآگہی حاصل کی جاسکتی ہے۔اس کتاب میں رحمٰن کے بندے، معجزانہ خطاب، مومن کے اخلاق، زاہد کے اوصاف، سرخ قمیص، شکوہ بھرا خط، ہمت کی بلندی وغیرہ جیسے 30 سے زائد مختلف مضامین شامل ہیں۔اردو میں مختارات کے کئی تراجم کیے گئے ہیں جن میں بیشتر طلباء کی پیش نظرانجام دیئے گئے ہیں۔ذیل میں اردو تراجم کا جائزہ پیش کیا جاتاہے۔

انوارات اردو ترجمہ مختارات: خالد محمود

یہ اردو ترجمہ خالد محمود کا ہے، جس کوانہوں نے طالب علموں کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے انجام دیا ہے۔مترجم کے مطابق ترجمے میں عموماً سلاست کے ساتھ اس کو بامحاورہ کرنے کا اہتمام کیا گیاہے ،اور کوشش کی گئی ہے کہ طالب علم کو ہر لفظ کا حقیقی معنی معلوم ہو جائے۔ان کے مطابق مختارات کا پہلا اردو ترجمہ ہے۔کتاب 150 سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ذیل میں ترجمے کا جائزہ درج کیا جاتاہے:

پہلی مثال:

الأنصار شعار والناس دثار، اللهم ارحم الأنصار وأبناء الأنصار وأبناء أبناءِ الأنصار قال فبكى القوم حتى أخضلو لحاهم و قالوا رضينا برسول الله صلى الله عليه وسلم قسماً و حظّاً۔

ترجمہ: انصار، شعار (بدن سے لگاہوا کپڑا) کی مانند ہیں اور دوسرے لوگ دثار () کی مانند ہیں: (یہ سن کر) لوگ اتنا روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے بھیگ گئیں اور کہتے تھے: ہم رسول اللہ ﷺ کے حصے اور تقسیم پر راضی ہیں۔[200]

دوسری مثال:

المؤمن فى الصلاة خاشع، وإلى الركوع مسارع، قوله شفاء، وصبره نقى، وسكوته فكرة، ونظره عبرة، يخالط العلماء ليعلم ، ويسكت بينهم ليسلم ، ويتكلم ليغنم ، إن أحسن استبشر ، وإن أساء استغفر ، وإن عتب

[200] انوارات، ص20

استعتب ، وإن سفه عليه حلم ، وإن ظلم صبر ، وإن جير عليه عدل ، لا يتعوذ بغيرالله ، ولا يستعين إلا بالله ، وقور فى الملأ ، شكور فى الخلا، قانع بالرزق ، حامد على الرخاء، صابر على البلاء ، إن جلس مع الغافلين كتب من الذاكرين وإن جلس مع الذاكرين كتب من المستغفرين۔[201]

مؤمن تو نماز کے اندر خشوع اختیار کرنے والا، رکوع کی طرف جلدی کرنے والا ہوتا ہے، اس کا قول شفاء ہے، اس کا صبر پرہیزگاری ہے، اس کی خاموشی فکرہ۔ اس کی نظر عبرت ہے، وہ علم کے لیے علماء کی صحبت اختیار کرتا ہے، اور ان کے درمیان سلامتی پانے کی خاطر خاموش رہتا ہے، اور وہ بات کرتا ہے تاکہ فائدہ اٹھائے، اگر نیکی کرتا ہے تو اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور اگر بدی کرتا ہے تو معافی مانگتا ہے، اور اگر (کسی سے) ناراض ہوتا ہے تو اس کو راضی کرتا ہے۔ اور اگر اس پر نادانی کی جائے تو وہ بردباری اختیاری کرتا ہے، اور اگر (اس پر) ظلم کیا جائے تو صبر کرتا ہے، اور اگر اس پر جبر کیا جائے تو وہ عدل وانصاف کرتا ہے، غیر اللہ سے پناہ نہیں مانگتا، اور اللہ سے ہی مدد مانگتا ہے، وہ مجلس میں باوقار، خلوت میں شکر گذار اور اللہ تعالی کے دیے ہوئے رزق پر قانع (قناعت پسند)، خوش حالی میں (خدا کی) تعریف کرنے والا اور مصیبت صبر کرنے والا ہوتا ہے، اگر غافلوں کے ساتھ بیٹھے تو ذکر کرنے والوں میں سے لکھا جائے اور اگر ذاکرین کے ہمراہ بیٹھے تو استغفار کرنے والوں میں لکھا جائے۔[202]

تیسری مثال:

فإذا كان هذا الخلق مع صغره وضعفه قد قدر على التخلص من مرابط الهلكة مرة بعد أخرى بمودته وخلوصها وثبات قلبه عليها واستمتاعه مع اصحابه بعضهم ببعض ، فالإنسان الذى قد أُعطى العقل والفهم ، وأُلهم الخير والشر ، ومنح التمييز والمعرفة أولى و أحرى بالتواصل والتعاضد ، فهذا مثل اخوان الصفاء وائتلافهم فى الصحبة۔[203]

جب یہ مخلوق اپنی کمزوری اور چھوٹے ہونے کے باوجود اپنی محبت، خلوص، قلبی مضبوطی اور ایک دوسرے ساتھیوں کو نفع رسانی کے سبب ہلاکت کے مقامات سے نجات دلا سکتی ہے تو انسان اس کا زیادہ لائق و مستحق ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور تعلق داری کرے، جبکہ اس کو عقل و فہم عطا

---

[201] مختارات من ادب العربیۃ، ص53

[202] انوارات، ص46

[203] مختارات من ادب العربیۃ، ص57

کیا گیا ہے اور اچھی بری بات الہام کی گئی ہے اور اس کو ان میں اور معرفت تمیز کی قوت بھی دی گئی ہے۔

پس یہ دوستی اور تعلق میں مخلص بھائیوں اور ان کے اتحاد کی مثال ہے۔[204]

مذکورہ تینوں مثالوں میں ترجمے پر نظر دوڑائیں تو مترجم کے مطابق سلاست کے ساتھ بامحاورہ ترجمہ کی تکنیک کو اپنا کر اردو قالب میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔تینوں ترجموں میں روانی، سلاست بجاطور پر دیکھنے کو ملتی ہے۔ترجمہ کے نقطہ نظر سے اگر کوئی دونوں عبارتوں کے مابین ربط و تعلق کا پتہ کرنے کی کوشش کرے گا تو ضرور بالضرور اندازہ ہو گا عربی متن کے ہر الفاظ کو سامنے رکھتے ہوئے بہت زیادہ حذف و زوائد سے کام لیے بغیر ترجمے کے اس عظیم فریضہ انجام دیا ہے۔یہ ترجمہ اردو قارئین کے لیے ہر صورت میں لائق ، مناسب و موزوں معلوم ہوتا ہے۔

مبشرات فی حل مختارات من ادب العرب: ابواسامہ عبدالرحمن لودھری

یہ کتاب بھی مختارات کا اردو ترجمہ ہے ۔کتاب کی ابتداء میں اصحاب علم کی تقریضات کے ساتھ مؤلف کتاب نے مقدمۃ العلم جس کے تحت ادب، علم ادب پر گفتگو کی ہے ،احوال المؤلف کے تحت علی میاںؒ کے احوالِ زندگی کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، تعارف مختارات کے تحت اصل کے متعلق کچھ اہم باتیں درج کی ہے، نیز عرض مؤلف (مترجم) نے وجہ تالیف درج کیا ہے لیکن اس کتاب میں ترجمے کے متعلق اپنائے گئے اصول یا طریقہ کار کو درج نہیں کیا ہے۔کتاب مقدمۃ الکتاب سے شروع ہو کر بادشاہ عالمگیرؒ کی عبادت کا تذکرہ پر ختم ہوتی ہے۔یہ کتاب 400 سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔مؤلف نے اس میں صاحب مضمون کا تعارف، عربی متن ،اردو ترجمہ کے ساتھ الفاظ کی ادبی تحقیق بھی درج کی ہے۔ذیل میں کچھ مثالیں بعد ہ ان کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

وسلم بإيماء الطرف، وإشارة الكف، ومشى فى طريقه يخزربعينه خزراً ليرى هل سجد الناس لمشيه أو صعقوا من هيبته. وأرحمه الرحمة كلها ان عاش شحيحاً جعداً مقتراً على نفسه وعياله، بغيضاً إلى قومه و أهله،

---

[204] انوارات، ص 52

ينقمون على حياته ويستبطنون ساعة حتفه۔

ترجمہ: اور آنکھ اور ہتھیلی کے اشارے سے سلام کرتاہے اور اپنے راستہ میں اس حال میں چلتاہے کہ کنکھیوں سے دیکھتاہے کہ کیالوگ اس کی چال کے لیے جھکے ہیں یااس کی ہیئت سے خوف زدہ ہوئے ہیں۔اور میں اس پر پوری رحمت کرتاہوں اگروہ بخیل ہو کر زندگی گذارتاہے کہ اپنی ذات اور عیال پر تنگی کرتاہے اور اپنی قوم اور اپنے اہل میں مبغوض ہوتاہے۔اور وہ اس پر اس کی زندگی کو مکروہ جانتے ہیں اور اس کی موت کی ایک گھڑی کو بھی تاخیر خیال کرتاہے۔[205]

مذکورہ عربی متن اور اردو ترجمے کو سامنے رکھ کر دیکھتے ہیں تو یہ پتہ چلتاہے کہ مترجم نے سیاق وسباق کی رعایت کرتے ہوئے یہ فرئضہ انجام دیاہے، ہم عربی متن کو دیکھیں تو وہاں فعل ماضی استعمال ہوا ہے جبکہ مترجم نے اردو ترجمے میں فعل مضارع کو برتا ہے۔ان کا یہ طریقہ دراصل اردو اسلوب اور طریقہ کے عین مطابق ہے۔اردو عبارت کی سلاست اور روانی سے اندازہ ہوتاہے کہ مترجم نے بامحاورہ تکنیک کو اپناتے ہوئے ترجمے کے فرئضہ کو انجام دیاہے، ترجمے کی پہلی ہی سطر میں جو ترجمہ درج ہے کہ 'وہ اپنے راستے میں اس حال میں چلتاہے کہ کنکھیوں دیکھتاہے' اور اسی طرح پوری عبارت میں محاوراتی انداز اپنا کر اردو عبارت کو بہت سلیس اور رواں بنا کر قارئین کے عام فہم اور واضح کر دیا گیاہے۔

الدين الحق(اكسير) يحل في الميت فيحيا، وفي الضعيف فيقوى. هو حجر الفلاسفة تضعه على النحاس و الفضة والرصاص فتكون ذهباً. هو العقيدة التي تأتي بالمعجزات فيقف العلم والتاريخ والفلسفة أمامها حائرة. بم تعلل، وكيف تشرح؟

هو الترياق الذي تتعاطى منه قليلاً فيذهب بكل سموم الحياة. هو العنصر الكيمياوي الذي تمزج به الشعائر الدينية فتطير بك إلى الله، وتمزج به الأعمال الدنيوية فتذلل العقبات مهما صعبت، وتصل بك إلى الغرض مهما لآفت.

ترجمہ: دین حق ایسا اکسیر ہے میت میں اترے تو وہ زندہ ہو جائے اور کمزور میں آئے تو وہ طاقتور ہو جائے اور فلاسفہ کا ایسا پتھر ہے جس کو وہ پیتل اور چاندی اور تانبے پر رکھیں تو وہ سونا بن جائے، وہ ایسا عقیدہ ہے جو معجزات لاتاہے تو اس کے سامنے علم اور تاریخ اور فلسفہ حیران کھڑے رہتے ہیں آپ کس چیز کے

[205] مبشرات، ص347

ساتھ علت بیان کریں گے اور اس کی کیسے شرح کریں گے۔

یہ ایسا تریاق ہے کہ اس میں سے تھوڑا سا آپ کو حاصل ہو جائے تو زندگی کی سب زہروں کو ختم کر دے گا، وہ ایسا کیمیاوی عنصر ہے کہ دینی شعائر اس سے مل جاتے ہیں تو گھاٹیاں تابع ہو جاتی ہیں اگرچہ وہ کتنی مشکل ہوں اور تیرے ساتھ مقصد تک پہنچے گا جتنا بھی نرم ہو۔ [206]

اس مثال میں عربی عبارت اور اردو ترجمے کو دیکھیں تو مترجم بوقت حذف واضافہ سے بھی کام لیا ہے جس سے ترجمے میں کسی قسم کی کوئی نقص اور عیب پیدا نہیں ہوتا، جیسا کہ آخری پیرا گراف جس میں شعائر دینیہ اور اعمال دنیویہ دو الگ الگ جملے استعمال کیے گئے ہیں، لیکن جبکہ مترجم نے اعمال دنیویہ کو حذف کر کے شعائر دینیہ کو باقی رکھ کر مابقیہ جملے کے ساتھ ترجمے کر کے اسے بڑا عمدہ اور شاندار، سلیس اور بامحاورہ بنادیا ہے، نیز اس طریقہ ترجمہ نگاری سے کسی قسم کی کوئی خرابی بھی پیدا نہیں ہوتی بلکہ قارئین تک پورا مفہوم واضح طور پر پہنچ جاتا ہے۔

لمعات الأدب في شرح مختارات الأدب: عتیق الرحمٰن سیف کوٹ ادوی

یہ بھی مختارات کا اردو ترجمہ، شرح ہے جس کو عتیق الرحمن سیف کوٹ ادوی نے انجام دیا ہے۔ کتاب کے آغاز میں مختارات کے مختلف مضامین کے ترجمے کے ساتھ اصحاب علم کی تقریظات، حرف تمنا اور مقدمۃ لمعات الذھب جس میں ادب کے متعلقات، مختارات کی خصوصیات، صاحبِ مختارات کے متعلق کچھ اہم معلومات اور لمعات الذھب تحت لمعات کا اجمالی خاکہ جس میں ترجمہ کے دوران اپنائے گئے طریقہ کو درج کیا ہے۔ وہ درج ذیل ہیں:

- ❖ سلیس ترجمہ کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے جس میں کسی لفظ کا ترجمہ نہ رہ جائے اور عربی عبارت میں لفظ جس ترتیب سے آئے ہیں اسی ترتیب سے ان کا ترجمہ لکھا گیا ہے۔

---

[206] مبشرات، ص374-375

❖ واؤ حرف چوں کہ عربی میں کافی زیادہ استعمال ہوا ہے، اردو ترجمہ میں فقرے کے مناسبت سے سلاست پر زیادہ دھیان دیا گیا ہے، اسی لیے ہر واؤ کے ترجمے سے گریز کیا گیا ہے۔

❖ جہاں لفظی ترجمہ انسب نہ تھا بلکہ مرادی معنی انسب تھا وہاں مرادی معنی کو ہی لیا گیا ہے لیکن یہ نادر الوقوع ہے۔

❖ صاحب مضامین اور ان آنے والے افراد کا مختصر تذکرہ پیش کیا گیا ہے۔

❖ تاریخی مقامات کا مختصر تعارف درج کیا گیا ہے اور بحسب ضرورت اسباق کا پس منظر بھی بیان کیا گیا ہے۔

❖ الفاظ کی ادبی تحقیق درج کی گئی ہے۔

❖ ابواب کو بریکٹ میں رکھ کر اس کے مصدر اور اس کا ترجمہ درج کیا گیا ہے۔

❖ ایک باب کے دو مختلف مصدروں کے ترجمے کو ایک ساتھ کیا گیا ہے۔

ذیل میں کچھ مثالیں اور ان کا جائزہ درج کیا جاتا ہے:

قال الشیخ الصوفی: فواللهِ مازال ذلک الحکیمُ یحشو آذاننا بھذہ وما أشبھھا ویملأ صدرونا بما عندہ حتی سُرِرنا وانصرفنا إلی متعشاناوقد استفدنا علی یأسٍ منا فائدةٌ عظیمةٌ لوتُمنِّینا بالغرْمِ الثقیلِ والسعیِ الطویلِ لکانَ الرِّبحُ معنا و الزیادةُ فی أیدینا۔

شیخ صوفی رحمہ اللہ نے فرمایا: خدا کی قسم! وہ حکیم انسان ہماری ساعتوں کو ان حکمت آمیز نکات اور ان کی مثل دوسری خیر باتوں سے یونہی بھرتے رہے اور اپنے فیوض سے ہمارے سینوں کو یونہی معمور کرتے رہے یہاں تک ہم خوش وشاداب ہوگئے اور اپنے اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹ گئے اور واقعی ہم نے اپنی ناامیدی اور مایوسی کے باوجود عظیم فائدہ حاصل کیا ایسا عظیم فائدہ کہ جس کے حصول کے لیے اگر بھاری ضمان اور طویل جدوجہد ومشقت کے بدلے میں بھی ہم سے اس کا مطالبہ کیا جاتا تو بھی منافع ہمارے پاس ہی ہوتا اور فائدہ وزیادتی ہمارے ہاتھوں میں ہی ہوتی۔[207]

---

[207] لمعات الذھب، ص213-214

اس مثال میں دیکھیں تو مترجم کے مطابق سلیس ترجمہ واضح طور پر نظر آتا ہے۔کچھ جگہوں پر لفظی ترجمہ اور بعض جگہ محاوراتی ترجمہ جو انسب اور زیادہ موزوں تھا،اسے اپنایا گیا ہے، جیسے کہ عربی متن میں آخری سطر لفظی اور محاوراتی دونوں طریقہ کو اپنایا گیا ہے 'اگر بھاری ضمان اور طویل جد وجہد ومشقت کے بدلے میں بھی ہم سے اس کا مطالبہ کیا جاتا' محاوراتی ، اور اس کے بعد 'تو بھی منافع ہمارے پاس ہی ہوتا اور فائدہ وزیادتی ہمارے ہاتھوں میں ہی ہوتی' کو لفظی کر کے ترجمے کے اس فریضہ کو انجام دیا ہے۔مترجم کی یہی خوبی ہونی چاہیے جو بوقت ضرورت اس طرح کے طریقہ کار اپنائے ہوئے اس فریضہ کو انجام دے۔ جسے یہاں انجام دیا گیا ہے۔

الفردوس الإسلامی فی قارة آسیا(علی طنطاوی)

نحن الآن فی الهند، فی القارة التی حکمناها ألف سنۃٍ، فی الدنیا التی کانت لنا وحدنا، وکنا نحن سادتُها، فی(الفردوسِ الإسلامی المفقود)حقاً ولئن کانت لنا فی أسبانیا أُندلس فیها عشرون ملیوناً، فلقد کان لنا هٰهنا أندلس أکبر، فیها الیوم أربعۃ مأۃٍ ملیونَ، خُمْسُ سکان الأرضِ، ولئن ترکنا فی الأندلس من بقایا شهدائنا ودماءِ أبطالنا، ولئن خلَّفنا فیها مسجدَ قرطُبۃَ والحمراءَ، فإنَّ لنا فی کل شبرٍ من هذه القارةِ دماً زکیاًأرقْناهُ، وحضارةً حیَّرةٌ وشّیتْ جنباتها، وطرّزتْ حواشیها، بالعلم والعدل والمکرمات والبطولاتِ، وإنَّ لنا فیها معاهدُ مدارسٌ، کم أنارتْ عقولاً و فتحتْ للحق قلوباً ولاتزالُ تفتح القلوبَ وتنیرُالعقولَ، وإنَّ لنا فیها آثاراً تفوقُ بجمالها وجلالها الحمراءَ وحسبُکم(تاج محل)أجملُ بِناءً علا ظَهْرَالأرضِ۔

براعظم ایشیا میں گلشن اسلامی (علی طنطاوی)

ہم اب ہندوستان میں اس براعظم میں ہیں جس پر ہزار سال تک ہم نے حکومت کی،اس دنیا میں جو صرف اور صرف ہماری تھی اور ہم ہی اس (گم کردہ جنت نما اسلامی قلمرو) کے حکمران تھے،اگر ہسپانیہ میں ہمارے لیے اندلس تھا جس کی آبادی بیس ملین تھی تو ہمارے لیے یہاں ایک بڑا اندلس (ہندوستان) ہے، جس میں آج چار سو ملین لوگ یعنی زمین کی کل آبادی کا پانچواں حصہ (1/5) رہ رہے ہیں، اگر اندلس میں ہم نے اپنے شہداء کی باقیات اور اپنے بہادروں کے خون چھوڑ آئے ہیں اور اگر ہم نے وہاں جامع مسجد قرطبہ اور قلعہ حمراء چھوڑا تو اس سرزمین (ہندوستان) کی ہر بالشت پر ہم نے اپنا مقدس لہو گرایا ہے، اس کے کونے کونے میں ایسی شائستہ تہذیب (چھوڑی) ہے جس نے اس کے کونے کونے کو مزین کر دیا ہے اور ملک کے گوشوں پر علم، عدل، سخاوت اور شجاعت کے ذریعے اپنا

رنگ جمایا، یہاں پر ہمارے معاہد اور مدارس ہیں جنہوں نے کتنی عقلوں کو منور کیا، حق کے لیے کتنے دلوں کو کھولا اور تاحال عقلوں کو منور اور دلوں کو کھول رہے ہیں اس میں ہمارے کچھ ایسے آثار ہیں جو اپنے جمال وجلال کی وجہ سے حمراء پر فائق ہیں (سے بڑھ گئے ہیں) آپ تاج محل کو لے لیجیے جو روئے زمین کی (بنائی گئی عمارتوں میں سے) خوبصورت ترین عمارت ہے۔[208]

یہ اردو ترجمہ بامحاورہ ترجمہ کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ عربی تعبیر 'الفردوس الإسلامی المفقود' کو اردو تعبیر 'گم کردہ جنت نما اسلامی قلمرو' کے ایسے سانچے میں ڈھالا ہے، قاری ترجمے کو پڑھ کر عش عش کرنے لگتا ہے، اور مترجم کی یہی خوبی ہوتی ہے کہ اصل متن کی تعبیرات کو ہدفی زبان کی اعلیٰ تعبیرات میں ایسے پروئے کہ کسی قسم کی کوئی تشنگی باقی نہیں رہ جاتی۔ ترجمہ ایسا رواں اور چلتا پھرتا ہوا اور عربی عبارت کے بالمقابل بالکل اسی طرح رواں ہے جس میں بہت زیادہ حذف واضافے سے اجتناب کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ بہت ہی شاندار اور قارئین کے لیے زیادہ موزوں ہے۔

بیان المختارات: حافظ بلال اشرف

یہ بھی مختارات کا اردو ترجمہ ہے جو طلباء کی درسی ضرورت پیش نظر رکھتے ہوئے کیا گیا ہے جس کو خود مؤلف، مترجم حافظ بلال اشرف نے کتاب کے مقدمے میں تحریر کیا ہے۔ ان کے بقول طلباء کی آسانی کے لیے آسان اور عام فہم ترجمہ کو انجام دیا گیا ہے۔ نیز مترجم نے یہ بھی درج کیا ہے کہ لفظی ترجمہ کے ساتھ ساتھ بامحاورہ اور آسان ترجمہ کیا گیا ہے۔ عربی متن درج کیے بغیر اردو ترجمہ اور ہر مضمون کے الفاظ کے معنی درج کیے گئے ہیں۔ کتاب تقریباً ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے جس میں مقدمہ از مترجم، مقدمہ العلم (ادب اور اس کے متعلقات) کو بہت مختصر طور پیش کیا گیا ہے۔ پہلے مضمون ''رحمان کے بندے'' سے شروع ہو کر آخری مضمون ''براعظم ایشیا میں اسلامی باغ'' تک کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ ذیل مختلف ایک ہی مثال اور اس کے جائزہ اکتفا کیا جاتا ہے:

---

[208] لمعات الذھب، ص355-356

فتفهم من هذه الحكاية ان الظلم مخرب للعمران و ان عائدة الخراب فی العمران على الدولة بالفساد والانتقاض ، ولا تنظر فی ذلک إلى أن الاعتداء قد يوجد فی الأمصار العظيمة من الدول التی بها ولم يقع فيها خراب۔ واعلم أن ذلک انما جاء من قبل المناسبة بين الاعتداء و أحوال أهل المصر فلما کان المصر كبيراً و عمرانه كثيراً و أحواله متسعة بما لا ينحصر كان وقوع النقص فيه بالاعتداء و الظلم ليسيراً لأن النقص إنما يقع بالتدريج فاذا خفی بكثرة الأحوال واتساع الأعمال فی المصر لم يظر أثره الا بعد حين وقد يذهب تلک الدولة المعتدية من أصلها قبل خراب المصر و تجئ الدولة الأخرى فترقعه بجدتها وتجبر النقص الذی كان خفياً فيه فلا يكاد يشعر به الا أن ذلک فی الأقل النادر۔[209]

چنانچہ تو اس حکایت سے سمجھتا ہے کہ بلاشبہ ظلم آبادی کو ویران کرنے والا ہے اور بے شک آبادی میں بربادی کا صلہ حکومت پر فساد اور بغاوت کے ساتھ ہے، اور تو اس میں اس بات کی طرف نہ دیکھ کہ بے شک کبھی کبھی ظلم حکومتوں کے ان بڑے بڑے شہروں میں پایا جاتا ہے جو انہیں کے ساتھ ہوتے ہیں اور ان میں بربادی واقع نہیں ہوتی اور تو جان لے کہ بے شک یہ (ویرانی) یقیناً ظلم اور شہر والوں کے احوال کے درمیان مناسبت کی جانب سے آتی ہے، چنانچہ جب شہر بہت بڑا ہو اور اس کی آبادی بہت زیادہ ہو اور اس کے احوال ایسی چیز کے ساتھ وسیع ہوں جو منحصر نہ ہو تو اس میں ظلم اور زیادتی کے ساتھ کمی کا واقع ہونا البتہ تھوڑا ہو گا، کیوں کہ بلاشبہ کمی یقیناً آہستہ آہستہ واقع ہوتی ہے۔[210]

اس ترجمے پر نظر کریں تو اس میں محاوراتی تکنیک کو اپنا کر اس فریضہ انجام دیا ہے، ترجمے میں سلاست اور روانی بجا طور پر نظر آتی ہے۔ بامحاورہ ترجمہ کے لیے اگر عربی متن کی آخری سطر کو دیکھیں، اگر اس کا اردو ترجمہ میں لفظی تکنیک کو اپنایا جاتا یا ہر ہر لفظ کا ترجمہ کیا ہوتا تو عین ممکن تھا کہ قارئین کے سامنے عبارت میں موجود پیغام اچھی طریقے سے نہیں پہنچ پاتا۔ لیکن مترجم ایسا بامحاورہ ترجمہ کیا تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے ،مترجم کی یہی اصل خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے ایسے طریقہ ترجمہ کو اپنائے کہ مفہوم اور اصل متن میں موجود بات ہدفی زبان کے لیے قارئین کے قابل فہم ہو، جو یہاں ہمیں صاف طور پر نظر آتی ہے۔

---

[209] مختارات من ادب العربیۃ، ص107

[210] بیان المختارات، ص153

أیام من حیاتی(زنداں کے شب وروز)

یہ کتاب دراصل ایام اسیری کی ایک خودنوشت ہے۔جس میں زینب الغزالی نے اپنے جیل میں گذارے ہوئے اذیت ناک لمحات کو قلم بند کیا ہے۔زینب الغزالی کو جمال عبدالناصر کے دورحکومت میں 20 اگست 1965ء کو گرفتار کیا گیااور 6 سال بعد 10 اگست 1971ء میں انہیں رہائی ملی۔[211]

زینب الغزالی نے اس کتاب کو تصنیف کرکے نواجوان نسل میں اسلام کا ایک پکااور سچا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد نوجوان نسل کے اندر ایک جذبہ وحوصلہ پیدا ہوتا ہے۔یہ کتاب جہاں اپنے پیغامِ اعلائے کلمۃ اللہ کی صدائے بازگشت لگاتی ہے تو وہیں دوسری طرف اسے عربی ادب کے عمدہ شہ پارے میں شمار کیا جاتاہے،اور خاص اسی نسبت سے یہاں اسے شامل کیا گیاہے۔اس عربی کتاب کو خالد حامدی نے اردو قالب میں بڑے ہی عمدہ طریقے ڈھالا ہے اور کتابی شکل میں 'زنداں کے شب وروز' کے نام سے ہمارے سامنے موجود ہے۔اصل کتاب بغیر اسماء سات ابواب پر مشتمل ہے، لیکن ہر باب کے تحت ذیلی عناوین درج کیے گئے ہیں، ان کے ناموں کو دورانِ ترجمہ حسب ضرورت مضامین کی مطابقت میں بدلا گیااور بعض پیر گراف جہاں سے کوئی نئی بات شروع ہوتی ہے،اسے بھی ایک الگ نام دے کر ذیلی عنوان میں شامل کیا ہے۔مترجم نے کتاب کے آغاز میں دیباچہ کے اندر زینب الغزالی کے متعلق بڑی معلومات افزا بحث درج کی ہے جواس کتاب کے مطالعہ سے پہلے قاری کے علم میں ہونا از حد ضروری ہے۔

مترجم نے دورانِ ترجمہ ہر باب کے مضمون کو سامنے رکھتے ہوئے ہر باب کو الگ الگ ناموں میں موسوم کیاہے۔مترجم نے دورانِ ترجمہ بامحاورہ ترجمہ کی تکنیک کو اپنایاہے، کیوں کہ یہی طریقہ کسی بھی اصل متن کو ہدفی زبان کے قارئین تک پہنچانے کے لیے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب ہوتاہے۔ذیل میں بطور مثال عربی متن اوراردو ترجمہ کے کچھ اقتباسات درج کیے جاتے ہیں:

وأضاف : ولو كنت تعرفين ما يقوله الإخوان عنك لتفاهمت معنا . . .
وضحكت . . . ثم قلت" : سأتكلم معك على أنك رجل من رجال المباحث

---

[211] زنداں کے شب وروز، دیباچہ، ص 17

لا يهمني الآن اسمه ولا رسمه:
أولاً :إني أعتقد أن المسلمين الذين لا يعلمون من الإسلام إلا ظواهره يعرفون ويعتقدون أنكم بعيدون عن الإسلام ومحاربون له. أتريدون أن تتفاهمون مع الحق وأنتم على الباطل ؟ ! تستوردون عقائدكم من الشرق والغرب وترفعون شعارات الإلحاد الشيوعي ، وتارة تتمسحون بآلهة الرأسمالية وضائعون بين الشعارين . . ومن هذا الضياع تستمدون تشريعاتكم وأحكامكم لا أظنني صريحة معك وكلامي واضح لا يحتاج إلى تأويل . الإسلام شيء غير ما تريدون ا . قال" : والله يا حاجة أنا أصلى الج معة . "قلت: "وبقية الفرائض ؟ا . قال" : تعودت أن أصلى الجمعة لأن والدي كان يفعل ذلك وكان يأخذني معه إلى المسجد يوم الجمعة .

میں حسب عادت خندہ استہزاء کے ساتھ مسکرائی۔ میں نے عرض کیا: ”میں آپ کو خفیہ پولیس کا نمائندہ سمجھتے ہوئے آپ سے گفتگو کروں گی اس بات سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں کہ اس نمائندے کا نام کیا ہے اور رنگ کیا۔ سنئے:

”میں سمجھتی ہوں کہ عام مسلمانوں کی نظر میں تم لوگ نہ صرف اسلام سے دور بلکہ اسلام کے خلاف برسرِپیکار سمجھے جاتے ہو۔ پھر کیا تم لوگ باطل پر رہتے ہوئے حق کے ساتھ چل سکتے ہو۔ تم لوگ اپنے نظریات مشرق مغرب سے درآمد کر رہے ہو۔ کبھی کیمونزم کا نعرہ بلند کرنے لگتے ہو اور کبھی سرمایہ داریت کا بت پوجنے لگتے ہو۔ ان دونوں باطل نظریات کے درمیان تم کھو چکے ہو۔ اور اپنے سارے قوانین وضوابط ان سے اخذ کرتے ہو۔ معاف کرنا، میں آپ سے بالکل صاف گوئی سے کام لے رہی ہوں، میری بات کسی تاویل وتشریح کی محتاج نہیں ہے۔ اسلام اس سے مختلف چیز ہے، جو تم لوگ چاہتے ہو“۔

احمد راسخ کہنے لگا: ”حاجن صاحبہ! میں جمعہ کی نماز پڑھتا ہوں۔“

میں نے عرض کیا: ”اسلام کے باقی فرائض؟“

اس نے جواب دیا: ”مجھے نماز جمعہ پڑھنے کی عادت ہے۔ میرے والد پابندی سے جمعہ پڑھتے تھے اور مجھے اپنے ساتھ مسجد میں لے جایا کرتے تھے۔“[212]

[212] زنداں کے شب وروز، ص39-40

مذکورہ بالا ترجمے پر نظر کرنے سے ایسا لگتا ہے کہ مترجم نے بڑی ہی مہارت کے ساتھ دونوں زبان کے اسلوب کو سامنے رکھتے ہوئے ترجمے کے اس فریضہ کو انجام دیا ہے۔ جہاں بات مکالماتی انداز میں ہوئی، وہاں اردو زبان کا اسلوب اختیار کرتے ہوئے اسے اسی طریقے سے برتا ہے۔ اردو عبارت عربی متن کے سامنے تقریباً اسی اسلوب کے ساتھ آگے بڑھتی ہے جس کی وہ متقاضی ہے۔ ترجمے کی اسی تکنیک کو سامنے رکھ مترجم ہدفی زبان کے قارئین تک بہ آسانی پہنچ سکتا ہے۔ یہاں یہ مثال اس کی جیتی جاگتی اور بولتی تصویر ہے۔

الأجنحۃ المتکسرۃ

یہ کتاب مشہور عربی ادیب خلیل جبران کا ایک المیہ ناول ہے، جس میں انہوں نے دو محبت کرنے والے دلوں کی غم انگیز کہانی کو بڑے ہی خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ پوری کتاب اسلوب کی رنگارنگی، پُر لطف فقرے اور مربوط خیالات سے پر ہے۔ جدت بیان، ندرت تمثیل اور فکر کی گہرائی کے لحاظ سے یہ افسانوی ادب میں ایک الگ مقام رکھتی ہے۔ اس کتاب کے کئی تراجم اردو میں کیے گئے ہیں جن میں بعض عربی اور انگریزی سے اردو زبان میں منتقل ہوئے ہیں۔ ذیل میں اردو میں ترجمہ کی گئی کتابوں کا جائزہ لیا جائے گا۔

ٹوٹے ہوئے پر

یہ الأجنحۃ المتکسرۃ کا وہ ترجمہ ہے جس کو حبیب اشعر دہلوی نے عربی زبان سے اردو میں منتقل کیا ہے۔ جس کا تذکرہ خود مترجم نے کتاب کے مقدمے کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اس کتاب کے ترجمے میں اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ اصل مصنف کتاب کے طرز بیان اور اس کی خوبیوں کو اردو میں بھی منتقل کیا جائے، لیکن بعض ایسے مقامات تھے جہاں ہدفی زبان کے الگ اسلوب یا تہذیب کے باعث کچھ روگردانی کرنی پڑی۔ ذیل میں بطور نمونہ بعض عربی متن اور اس کے اردو ترجمے درج کیے جاتے ہیں:

پہلی مثال:

أستحلفكم يا رفاق الصبا بالنساء اللواتي أحبَّتْهنَّ قلوبكم أن تضعوا أكاليل الأزهار على قبر المرأة التي أَحبَّها قلبي؛ فربَّ زهرة تُلقونها علىضريح منسيٍّتكون كقطرة الندى التي تسكبها أجفان الصباح بين أوراق الوردة الذابلة.

اے یارانِ شباب میں تمھیں ان عورتوں کی قسم دیتا ہوں، جنھیں تمہارے دل پیار کرتے ہیں، یہ تم اس عورت کی قبر پر پھولوں کی چادر چڑھاؤ، جسے میرا دل پیار کرتا ہے، اس لیے کہ وہ پھول جو تم کسی فراموش شدہ قبر پر ڈالتے ہو۔ شبنم کے اس قطرہ کی مثال ہوتاہ جو عروس سحر کی پلکوں سے بکسی ہوئی گلاب کی پتیوں پر گرتا ہے۔[213]

دوسری مثال:

إن الشجرة التي تنبت في الكهف لا تعطي ثمرًا، وسلمى كرامة كانت في ظل الحياة فلم تثمر أطفالًا .إن البلبل لا يحوك عشًا في القفص كيلا يورث العبودية لفراخه، وسلمى كرامة كانت سجينة الشقاء، فلم تقسم السماء حياتها إلى أسيرين۔

غار میں پھلنے پھولنے والا درخت بارآور نہیں ہوتااور سلمیٰ بھی چوں کہ زندگی کے تاریک غار میں تھی اس لیے اس کے یہاں بھی کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ بلبل قفس میں آشیانہ نہیں بناتی، اس لیے کہ اپنے بچہ کو اسیری و غلامی میں دیکھنا اسے گوارہ نہیں اور سلمیٰ بھی چوں کہ بدقسمت قیدی تھی۔ اس لیے مشیت الٰہی نہ ہوئی کہ اس کی قید میں ایک اور وجود کا اضافہ ہو۔[214]

مذکورہ بالا عربی عبارت کے اردو ترجمے پر نظر کرتے ہیں تو بلامبالغہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ مترجم نے اصل کتاب میں جس طریقے جدت بیانی اور پر لطف فقرے اور جملے پوری خوبی کے ساتھ اردو زبان کے قالب میں ڈھالے گئے ہیں، پہلی مثال میں مترجم 'یا رفاق الصبا' کو 'اے یارانِ شباب' سے تعبیر کرکے ہدفی زبان کے قاری کے لیے ایک طرح کی کشش پیدا کردی ہے۔ اسی طرح دوسری مثال کے آخری جملے ' فلم تقسم السماء حياتها إلى أسيرين' کو (اس لیے مشیت الٰہی نہ ہوئی کہ اس کی قید میں ایک اور وجود کا اضافہ ہو) ترجمہ کرکے جملے اور فقرے میں ایسی ندرت پیدا کردی جو اس جگہ پر عین مناسب تھی جبکہ لفظی ترجمہ (اس

[213] ٹوٹے ہوئے پر، ص 12-13

[214] ٹوٹے ہوئے پر، ص 133

لیے آسمان (مشیت) نے اس کی زندگی کو دو قیدیوں میں نہیں بانٹا) ہو گا، اس میں وہ مزا نہیں آتا، جو مترجم کے ترجمے سے آتا ہے۔ اردو ترجمے میں مترجم نے ایسی روانی اور سلاست رکھی ہے کہ قاری اس سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہتا۔ ترجمے میں جب کسی ادبی صنف کے متن کو دوسری زبان میں منتقل کرنا ہوتا ہے تو مترجم کو ہدفی زبان میں بھی وہی اسلوب نگارش اختیار کرنا پڑتا ہے جو اصل زبان کے متن میں اپنایا گیا، اور چوں کہ یہاں ایک زبان میں موجود ناول کو دوسری زبان میں منتقل کیا گیا ہے تو مترجم نے ناول میں برتنے جانے والے ان تمام اسلوب ،طرز بیان، خیالات کی باہم ربطگی کو بروئے کار لاکر اس فریضہ کو انجام دیا ہے۔ یہ مترجم کی ترجمہ نگاری اور اس کے اصول و قواعد پر گہری نظر اور گرفت پر دلالت کرتی ہے۔

الأرواح المتمردة (سرکش روحیں)

یہ کتاب عربی دنیا کے مایہ ناز ادیب خلیل جبران کا افسانوی مجموعہ ہے، جس کا دنیا کی بہت ساری زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں خلیل جبران نے انسانی زندگی سے جڑے مسائل کو اپنے عمدہ اسلوب، عمیق خیالاتی انداز میں ضبط تحریر کیا ہے۔ اپنے بیان میں ندرت، تمثیلاتی اظہار کے باعث افسانوی ادب میں کافی مقبول و معروف ہے اور اسی باعث دنیا کی بہت ساری زبانوں کے تراجم ہوئے ہیں۔ زیر نظر کتاب کا ایک اردو ترجمہ راقم کو دستیاب ہوا جسے ابو العلاء چشتی نے عربی سے اردو میں انجام دیا ہے۔ ذیل میں اردو ترجمہ کی کچھ مثالیں مع عربی متن پیش کی جاتی ہیں:

> خرج العريس والعروس من الهيكل يتبعهما المهنئون الفارحون وتتقدمهما الشموع والمصابيح، ويسير حولهما الفتيان المترنِّمون بالأهازيج والصبايا المنشدات أغاني السرور. بلغ الموكب منزل العريس المزدان بالرياش الثمينة والأواني المتلمعة والرياحين العطرة فاعتلى العروسان مقعدًا مرتفعًا وجلس المدعوون على الطنافس الحريرية والكراسي المخملية حتى غُصت تلك القاعة الوسيعة بأشكال الناس . وسعى الخدام بآنية الشراب فتصاعدت رنات الكؤوس متآلفة مع هتاف الغبطة، ثم جاء الموسيقيون وجلسوا يسكرون النفوس بأنفاسهم السحرية ويبطنون الصدور بألحانهم المنسوجة مع همس أوتار العود وتنهيدات

الناس وحفيف الدفوف.

دولھا دلہن معبد سے نکلے۔ان کے پیچھے پیچھے مسرور وشاداں تہنیت گذار تھے۔اور آگے آگے شمعین اور فانوس۔ ارد گرد نوجوان شادمانی کے نغمے گا رہے تھے ۔ اور دوشیزائیں خوشی کے ترانے الاپ رہی تھیں۔

یہ جلوس دولھا کے مکان پر پہنچا، جو قیمتی قالینوں اور زرق برق سامان سے آراستہ اور خوشبوؤں سے معطر تھا۔ دولہا دلہن ایک اونچے تخت پر بیٹھ گئے اور مہمان ریشمی صوفوں اور مخملی کرسیوں پر رونق افروز ہوگئے۔ حتی کہ تمام وسیع ہال انسانوں سے پر ہو گیا۔[215]

ما أتعس الرجل الذي يحب صبية من بين الصبايا ويتخذها رفيقة لحياته، ويُهرق على قدميها عرق جبينه ودَمَ قلبه، ويضع بين كَفَّيْهَا ثمار أتعابه وغلة اجتهاده، ثم ينتبه فجأة فيجد قلبها الذي حاول ابتياعه بمجاهدة الأيام وسهر الليالي قد أعطي مجانًا لرجل آخر ليتمتع بمكنوناته ويسعد بسرائر محبته!

اس انسان کی تباہی کا اندازہ کرو۔ جو کسی دوشیزہ کے عشق میں گرفتار ہو جائے۔ اور اسے اپنی رفیقہ حیات بنالے۔ اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی اور اپنے جگر کا خون اس کے قدموں پر نثار کردے۔ اور اپنی محنتوں کا ثمر اور اپنی کوششوں کا حاصل اپنی جیب سے ضائع کردے۔ پھر اسے دفعتًہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس عورت نے جسے اس نے دنوں کے مجاہدے اور راتوں کی بیداری سے حاصل کیا تھا۔ اپنا دل کسی دوسرے آدمی کو دے دیا ہے۔ تاکہ اس کے مال وزر سے فائدہ اٹھائے اور اس کی دنیائے محبت آباد کرے۔[216]

مذکورہ بالا دونوں ترجموں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم نے ایک طرح سے عربی متن کا بس کسی نہ کسی طرح ترجمہ کر دیا ہے۔ اکثر ماہرین کی رائے یہ ہے کہ افسانوی ادب کی عبارت میں وہ افسانوی پن آنا چاہیے جس کا وہ متقاضی ہوتا ہے۔ افسانوی طرز ادا کو عربی متن میں بہت عمدہ طور پر خلیل جبران نے برتا ہے۔ اردو ترجمے کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ ترجمے میں مزید تخلیقیت اور جدت کی ضرورت ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس ترجمہ میں تھوڑا بہت ٹھہراؤ ہے جس سے قاری دوران مطالعہ ذرا رک سا جاتا ہے اور سوچنے لگتا ہے کہ اس جملے

[215] سرکش روحیں، ص85
[216] سرکش روحیں، ص119

کی ادائیگی کسی دوسرے انداز میں بھی ہوسکتی تھی۔ان سب کے باوجود اس ترجمے سے مترجم کی ترجمے کے تئیں عرق ریزی اور دونوں زبانوں کے تئیں علمی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

من فوق سبع السمٰوات (عرب ادب کے سات شاہکار ڈرامے)

یہ کتاب سات عربوں ڈراموں کا مجموعہ ہے جس کو علی اُحمد باکثیر نے ترتیب دیا ہے۔ علی اُحمد باکثیر کی پیدائش انڈونیشا کے سورابایا میں 1910ء کو ہوئی۔ کم سنی ہی میں حضر موت چلے گئے، یمن، صومالیہ اور حجاز کے علاقے میں مقیم رہے۔ پھر اس کے بعد مصر جاکر کلیۃ الآداب میں داخلہ لیا، اور وہیں فارغ ہو کر 14 سال تک درس وتدریس کے فرائض انجام دیے، اور مصر کے وزارۃ الثقافۃ میں تقرری ہو گئی۔ انہوں نے فرانس وغیرہ کا سفر کیا۔[217] علی اُحمد باکثیر شاعر، ڈرامہ نگار، ناول نگار تھے جنھوں نے کئی شعری اور نثری تصانیف ہیں جن میں تاریخی ناول جیسے عمر بن الخطاب، رومیو وجولیٹ قابل ذکر ہیں۔ ان کی وفات 1969ء مصر میں ہوئی اور وہیں مدافن امام شافعی میں دفن کیے گئے۔[218]

زیر نظر کتاب سات ڈراموں کا مجموعہ ہے جس میں ''قیدی'' حضرت خبیب بن عدی صحابی رسول کی داستان عشقِ رسول ہے، ''بازگشت'' خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے دور حکومت کی دردناک لغزش کے بیان میں ہے، ''زادِ راہ'' دور نبوی ﷺ کے ایک سرمایہ دار کے بخل کی عبرت ناک کہانی ہے، ''مالی'' دوسری صدی ہجری میں مشہور بزرگ ابراہیم بن ادھمؒ کی داستان امانت داری ہے۔ ''مہمان'' حضرت سلمان فارسیؓ کے طریقِ تربیت کا اچھوتا ورق ہے۔ اسی طرح ''ابن تیمیہ'' استقلال وثابت قدمی کی داستان ہے۔ ''روشنی کے فرشتے'' نیکوکاروں کی داستان عبودیت ہے۔ یہ تمام کے تمام ڈرامے اپنی مقصدیت اور تاریخی حقائق پر مبنی ہیں اور اسی باعث اپنی جامعیت رکھتے ہیں، اس کتاب کا ترجمہ پروفیسر قلب بشیر خاور بٹ نے ''عالم بالا کے سایے میں'' سے عنوان کیا ہے۔ ذیل میں بطور نمونہ اردو ترجمہ مع عربی متن اور اس کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

---

[217] معجم المؤلفین-ج2 Google Books -

[218] علی أحمد باکثیر-ویکیپیڈیا (wikipedia.org)

عقبة: ها هو ذا قد اعترف لك.
صفوان: لكني غير مطمئن إلى قوله الآن.
عقبة: كيف؟
صفوان: لقد كنت أظن يأبى الإفصاح خشية أن يقتل، فإذا هو يأبى الإفصاح يغيظني فأعجل بقتله.
عقبة: فما يمنعك الآن من قتله.
صفوان مايدريني لعله إنما زعم أنه زيد بن الدثنة لأعجل يقتله.
زيد : فألقى برفاقي الذين استشهدو من قبلي في الجنة.
صفوان أسمعت؟ إنه زعم زعماً و هو كاذب فيما زعم.
زيد: كلا يا هذا إنا نحن معشر المسلمين لا نكذب ولا ينبغي لنا أن نكذب.
خبيب: إنما يكذب من يخاف ونحن لا نخاف أحداً إلا الله وحده.

ترجمہ:

عقبہ: خوب! اب تو اس نے آپ کے سامنے اعتراف کر لیا ہے۔

صفوان: لیکن مجھے تو اس کی بات پر یقین نہیں آرہا۔

عقبہ: کیوں؟

صفوان: پہلے تو میں یہ سمجھتا رہا ہے کہ شاید موت کے خوف نے اس کی زبان گنگ کر رکھی ہے، مگر اب اس کے اشتیاقِ شہادت نے مجھے شک میں ڈال دیا ہے۔

عقبہ: اب اسے قتل کرنے میں کیا چیز مانع ہے؟

صفوان: مجھے کیا خبر کہ اس نے جلدی قتل ہونے کے شوق میں دعویٰ کیا ہو کہ یہی زیدؓ بن الدشنہ ہے۔

زیدؓ: میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ اب تو میں جلد ہی اپنے ان ساتھیوں سے جنت میں ملوں گا۔ جو مجھ سے پہلے شہید ہو کر رضائے الٰہی حاصل کر چکے ہیں۔

صفوان: سنا آپ نے! اس نے کتنا بڑا دعویٰ کیا ہے، مگر اس کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

زیدؓ: ہم مسلمان کبھی جھوٹ نہیں بولتے اور نہ ہی جھوٹ بولنے کی ضرورت ہے۔

خبیبؓ: جھوٹ وہ بولتا ہے جو کسی سے ڈرتا ہے اور ہم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے نہیں ڈرتے۔(عزم

واستقامت کی پوری شان کے ساتھ)[219]

اردو ترجمے کو دیکھنے کے بعد اس بات کا اندازہ ہوتا ہے، مترجم نے ڈرامے کی ان تمام خصوصیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے عربی متن کو اردو زبان کے قالب میں ڈھالنے کی کامیاب اور عمدہ کوشش کی ہے۔ڈرامے میں جو مکالماتی انداز عربی متن کے اندر موجود ہے بعینہ وہی انداز مترجم کتاب نے اردو زبان میں برت کر اردو قارئین کے لیے ایک بہترین نمونہ پیش کیا ہے۔مترجم کی ان امور سے واقفیت اور دورانِ ترجمہ انہیں برتنا ترجمے کو خوب سے خوب تر بناتا ہے، جو ہمیں یہاں اس ترجمے میں دیکھنے ملی ہے۔

اجنحۃ الفراشۃ

یہ ایک عربی ناول ہے۔جو مصر کے معروف ومشہور ادیب محمد سلماوی نے تحریر کی ہے۔انہوں نے قاہرۃ یونیورسٹی کے کلیۃ الادب سے انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کی اور 1966ء میں سند فراغت حاصل کی۔اسی یونیورسٹی میں تدریسی خدمات بھی انجام دی۔انہوں نے کئی اہم کتابیں تصنیف کیں جن میں القاتل خارج السجن، سالومی، اثنین تحت الأرض قابل ذکر ہیں۔زیر نظر کتاب کا اردو ترجمہ جو ''تتلی کے پر'' کے نام کیا گیا ہے، ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

تتلی کے پر

یہ کتاب 'أجنحۃ الفراشۃ' کا اردو ترجمہ ہے، جس کو ڈاکٹر محمد قطب الدین، اسسٹنٹ پروفیسر، جے این یو، نئی دہلی، نے انجام دیا ہے۔کتاب کے آغاز میں الأزہر یونیورسٹی، قاہرہ، مصر کے پروفیسر احمد القاضی کا تعارف شامل کیا گیا ہے جس میں زیر نظر ناول کے متعلق کچھ اہم باتیں تحریر ہیں۔مترجم کتاب نے 'ترجمہ ایک نظر میں' کے تحت سبب ترجمہ اور اصل مصنف کی اردو ترجمہ کرنے کی خواہش اور دیگر معاونین کے تشکر درج

[219] عالم بالا کے سایے میں، ص 30

کیا گیا ہے۔ طریقہ ترجمہ کے متعلق کوئی خاص تحریر شامل نہیں کی گئی ہے، مترجم کے بقول ترجمہ کو بہتر سے بہتر اور اصل سے قریب تر کرنے کی بھرکوشش کی گئی۔ ذیل میں عربی متن مع اردو ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

توقفت المضيفة أمام مقعدها بالصحت و المجلات فالتقطت إحداها بلا تمييز و وضعتها فى الجيب الذى أمامها دون أن تفتحها، بينما أخذ جارها نسخة من كل جريدة مع المضيفة و قال لها: لو كان عندك صحف أخرى آتينى بها، فأنا أتتبع تغطية الصحف لأحد الموضوعات التى تهمنى؟

ایئر ہوسٹس اخبارات اور رسالے لے کر ضحیٰ کی سیٹ کے پاس کھڑی ہوگئی اور اس نے اس میں سے ایک لے لیا اور کھولے بغیر اپنے سامنے کی سیٹ کے پاکیٹ میں رکھ دیا، جبکہ اس کے پڑوسی مسافر نے ہر اخبار کی ایک ایک کاپی لی اور ایئر ہوسٹس سے کہا: "اگر آپ کے پاس دوسرے اخبارات بھی ہوں تو اسے لے کر آیئے، اس لیے کہ میں ایک اہم موضوع کے لیے اخبارات کے مشمولات دیکھ رہا ہوں۔[220]

دوسری مثال:

كانت سلوى العليمى هى الصدر الحنون الذى يهون على أيمن حياته الخالية تماما من أى عطف أو حنان. كان موعده معها فى حديقة الأسماك. انتظرها على باب الحديقة و هو يحمل فى يده تذكرتين ابتاعهما لتوه من شباك الحديقة. حين أقبلت عليه سلوى بعد قليل بدت كالملاك بقوامها الممشوق وخطوتها الرشيقة. لم يرها بهذا الجمال من قبل. كانت قد تركت شعرها الكستنائى ينسدل على كتفها محيطا وجهها الملائكى بإطار مخملى زاد من صفاء بشرتها. كانت ترتدى "بلوفر" لونه فى زرقة السماء الصافية و فى شفافيتها و قد ارتسمت عليه فراشات بيضاء صغيرة ظلت تعلو و تهبط مع خطوات سلوى و هى مقبلة عليه كأنها طائرة فى الهواء. أخذ يدها فى يده و مضى بها إلى داخل الحديقة.

سلویٰ علیمی ہی تنہا محبت بھرا سہارا تھی جو ایمن کی اس بے چین زندگی میں سکون کا سبب بنتی تھی۔ اس سے ملنے کی متعینہ جگہ ایکوریم پارک تھا۔ اس نے پارک کے گیٹ پر اس کا انتظار کیا۔ اس کے ہاتھ میں دو ٹکٹ تھے جسے اس نے ابھی ابھی پارک کی کھڑکی سے خریدے تھے۔ تھوڑی دیر بعد سلویٰ جب

---

220 تتلی کے پر، محمد سلماوی، مترجم ڈاکٹر محمد قطب الدین، ص20

آئی تو وہ اپنی خوش قد و قامت اور دلکش چال ڈھال کے ساتھ ایک پری کی طرح لگ رہی تھی۔ ایمن نے اسے اس قدر خوبصورت کبھی نہیں دیکھا تھا اس کے عنابی رنگ کے بال اس کے پری نما چہرہ کو مخملی فریم میں گھیرے ہوئے کندھے پر لٹک رہے تھے، جس نے اس کی جلد کو اور نکھار دیا تھا۔ اس نے ہائی نیک سویٹر پہن رکھا تھا، جس کا رنگ اپنی شفافیت میں صاف آسمان کی طرح نیلگوں تھا۔ اس چھوٹی سفید تتلیوں کی تصویریں بنی تھیں جو سلوی کے قدموں کے ساتھ کبھی اوپر جارہی تھیں اور کبھی نیچے، جب وہ ایمن کی طرف آرہی تھی تو لگ رہا تھا کہ وہ ایک پرندہ ہے جو ہوا میں اڑ رہا ہو۔ اس کا ہاتھ ایمن نے اپنے ہاتھوں میں لیا اور باغ کے اندر داخل ہو گیا۔[221]

تیسری مثال:

قال أیمن لوالده: کان بإمکانی ألا أخبرک بکل ذلک و لا أعرف أننی ذاهب غدا للبحث عن أمی، لکننی لم أشأ أن أخفی عنک شیئا کما أخفیت عنا أنت کل شئی۔ قال له الأب: أنت لا تعرف أی شئی، ثم سکت قلیلا و عاد یقول فی هدوء: سیجئی الیوم الذی تعرف فیه کل شیئ ، أما الآن فانتظرقلیلاً۔ فرد أیمن: ماذا أنتظر؟ أنتظر أن ینفطر قلبی أو أصاب بانهیار عصبی؟ إننی لم أعد أطبق الانتظار، إنی لا أعرف کیف سأمضی لیلتی إلی أن یطلع النهار و أعرف علی وجه الیقین الحقیقة الذی حجبتها عنی طوال تلک السنین۔

ایمن نے والد سے کہا: ”میں آپ کو اس بارے میں اندھیرے میں بھی رکھ سکتا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ میں آپ کو یہ بتاتا کہ کل میں اپنی ماں کو ڈھونڈھنے جارہا ہوں، لیکن میں نے آپ سے کوئی بھی چیز چھپانی مناسب نہیں سمجھی، اگرچہ آپ نے ہم سے حقیقت چھپا رکھی“۔ والد نے کہا: ”تم کچھ نہیں جانتے“، پھر تھوڑی دیر وہ خاموش رہے پھر دھیمی آواز میں بولے: ”ایک آئے گا جب تم سب کچھ جان جاؤ گے، ابھی تھوڑا انتظار کرو“۔ ایمن نے جواب دیا: ”میں کس چیز کا انتظار کروں؟ کیا میں اپنے دل کے پھٹنے یا کسی عضو کے معطل ہونے کا انتظار کروں؟ میں اور انتظار نہیں کر سکتا۔ مجھے نہیں پتہ کہ صبح طلوع ہونے تک میں یہ رات کیسے گذاروں گا جب کہ اس حقیقت کو یقینی طور پر جانتا ہوں جسے آپ نے سالوں سے مجھ سے چھپا رکھا ہے“۔[222]

---

[221] تتلی کے پر، محمد سلماوی، مترجم ڈاکٹر محمد قطب الدین، ص58

[222] تتلی کے پر، محمد سلماوی، مترجم ڈاکٹر محمد قطب الدین، ص135

مذکورہ بالا تینوں مثالوں کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مترجم نے اردو ترجمے کو عربی متن سے بہت قریب رکھتے ہوئے اس منتقلی کے فریضہ کو انجام دیا ہے۔ بہت زیادہ حذف واضافہ سے گریز کیا ہے، ہاں بعض مقامات پر ضمیر کے مرجع کو ظاہر کیا ہے تاکہ قاری ماقبل سے جڑ سکے۔ چوں کہ یہ ناول کا ترجمہ ہے، مجھے لگتا ہے کہ اردو زبان وادب کے اسلوب اور طرز کو سامنے رکھا جائے تو اس ترجمہ میں مزید بہتری اور روانی لائی جاسکتی تھی۔ ترجمہ بہت زیادہ رواں دواں نہیں بلکہ اردو عبارت اور اردو ترجمہ کو سامنے رکھیں تو دونوں ایک ساتھ آگے بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مترجم نے بامحاورہ کے بجائے حتی المقدور دونوں کو قریب سے قریب تر رکھنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

باب چہارم

عربی ادب کی شعری کتب کے اردو تراجم کا جائزہ

ادب کی دوسری اور اہم صنف شاعری ہے۔ عربی ادب میں شعری ادب کو الشعر الأدبی سے تعبیر کرتے ہیں۔ شاعری تقریباً ہر زمانے میں ترسیل کا مضبوط اور اہم ذریعہ رہا ہے۔اس کے ذریعہ مخاطب سامع کو مختصر لفظوں میں بہت ساری باتیں ترسیل کر جاتا ہے۔اس کی بڑی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ زمانہ بعد بھی لوگوں کو یاد رہتا ہے، کسی محفل یا مجلس میں جب کوئی اپنا کلام یا کوئی مقرر کسی شاعر کا شعر دوران گفتگو سناتا ہے تو سامعین پر بہت اچھا اثر ہوتا ہے اور سامعین داد و تحسین سے بھی نوازتے ہیں۔ نیز اشعار میں استعمال کیے جانے والے فصیح و بلیغ لغت اور نادر الفاظ استناد کا درجہ رکھتے ہیں جو بطور استشہاد پیش کیے جاتے ہیں۔

عربی شاعری عربی ادب پہلی شکل ہے۔ عربی شاعری،اس کی صحیح تعریف اور اس کے اجزا میں محققین کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ قدامہ کا قول ہے کہ ''إنہ قول موزون مقفی یدل علی معنی''(شعر ایسا باوزن و قافیہ قول ہے جو کسی معنی پر دلالت کرے)۔ محمد اعلیٰ تھانوی نے شعر کی یوں تعریف کی ہے:

> ''الشعر(بالکسر وسکون العین) لغۃ: الکلام الموزون المقفی، وعند أهل العربیۃ: هوالکلام الموزون المقفی الذی قصد الی وزنہ وتقفیتہ قصدا أولیا''۔
>
> شعر (شین کے کسرہ اور عین کے سکون کے ساتھ) لغت میں اس کلام کو کہتے ہیں جس میں وزن و قافیہ ہو اور اہل عرب کے نزدیک شعر ایسا باوزن و باقافیہ کلام ہے جس میں زون و قافیہ کا اولین طور پر قصد

کیا گیا ہو۔[223]

یعنی شعر میں منظوم اور موزوں کلام کا ہونا ضروری ہے جس کی ترکیب مضبوط ہو اور شعر کہنے کا قصد بھی پایا جاتا ہو۔ اگر ایک بھی شرط فوت ہوئی تو شعر نہیں کہلائے گا اور اس کے کہنے والے کو شاعر نہیں کہا جائے گا۔ شعر میں شعری احساس کا ہونا ضروری ہے اور یہ احساس بالارادہ اور دانستہ ہو تب ہی اس کلام کو شعر سمجھا جائے گا۔

پیش نظر موضوع کے تحت عربی کے شعری ادب کی کتب میں راقم کو قدیم شعری عربی ادب کی کتابوں کے کچھ تراجم دستیاب ہوئے ہیں، جو بالخصوص مدارس میں داخل نصاب ہیں اور طلباء کی ضرورت کی خاطر انہیں اردو میں ترجمہ اور تشریح کیا گیا۔ ذیل میں کچھ کتابوں کے اردو تراجم کی فہرست دی جاتی ہے پھر اس کے بعد ان کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

عربی ادب کے شعری کتب کے اردو تراجم کی فہرست

اصل کتاب	مصنف، مؤلف	ترجمہ	مترجم، شارح
دیوان الامام علی	حضرت علی	دیوان حضرت علی	طاہر الاسلام قاسمی
،،	،،	،،	زیر اہتمام محمد ذکی
،،	،،	،، (مترجم اردو)	زیر اہتمام محمد شفیع
دیوان الامام الشافعی	ابی عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی	دیوان امام شافعی	عبد اللہ کاپودروی
،،	،،	،،	طاہر الاسلام قاسمی
دیوان المتنبی	ابو الطیب المتنبی	تسہیل البیان	ذوالفقار علی دیوبندی
-------	--------	توضیح القصائد المتنبی	نور عالم خلیل امینی
-------	-------	شرح اردو (دیوان متنبی)	نظام الدین اسیر ادروی
-------	--------	شرح دیوان المتنبی	محمد یار خان قادری

[223] جدید عربی شاعری: ڈاکٹر فوزان احمد، ص 21

------	-------	دیوان متنبی	محمد امین کھوکھر، محمد یٰسین قصوری
--------	-----	دیوان المتنبی	حاشیہ محمد اعزاز علی
-------	-------	تسہیل المتنبی	غلام نبی قاسمی
------	------	التقدیم الادبی	عبد الحلیم قاسمی بستوی
دیوان الحماسۃ	--------	مفتاح الفراسۃ	عبد الخالق سنبھلی
--------	---------	اتقان الفراسۃ	ابوالحسن قادری بن محمد صادق
-------	-------	تسہیل الدراسۃ	ذوالفقار علی دیوبندی
-------	-------	توضیح الدراسۃ	ابن الحسن عباسی
-----	-------	مطر السماء	محمد حسین قاسمی، صدیق ارکانی
سبعہ معلقہ	--------	تسہیلات	محمد ناصر
-------	--------	تصریحات	عتیق الرحمن عتیق
-------	-------	عربی ادب کے سات منظوم شاہکار	قاضی سجاد حسین
-----	-------	التوشیحات علی السبع المعلقات	قاضی سجاد حسین
---------	------		امیر حسن نورانی

دیوان الامام علی (دیوان حضرت علی)

یہ دیوان امام علی کا اردو ترجمہ ہے جس میں کسی مترجم کا نام درج نہیں بلکہ کتاب کے آخر میں زیر اہتمام محمد ذکی اور ایک کتاب میں محمد شفیع درج ہے۔ کتاب 200 سے زائد سے صفحات پر مشتمل ہے۔ عربی الفاظ کی بہت مختصر طور لغوی تحقیق حاشیہ میں درج ہے۔ اشعار سے پہلے عربی اور فارسی عنوان کا اردو ترجمہ متن ذکر کیے بغیر کیا گیا ہے۔ ترجمہ میں بامحاورہ ترجمہ کی تکنیک کا استعمال کیا گیا ہے۔ ذیل میں کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں:

جاہلوں کی صحبت سے پرہیز اور غافلوں کی موانست سے نفرت کی ترغیب

ولا تصحب اخا الجهل وایاک و ایاه فلم من جاهل اردی حکیما حینَ اخاه

جاہلوں کی صحبت مت اختیار کران سے بچ۔ کیوں کہ بہت سے جاہلوں نے اس حکیم کو تباہ کر دیا جس نے ان سے دوستی کی

یقاسُ المرءُ بالمرءِ اِذ ماهو ماشاه وللشیئ من الشی مقائیسٌ و اشباه

دوآدمی جب ساتھ چلتے ہیں تو ایک دوسرے پر قیاس کیا جاتا ہے۔ چیزیں ایک دوسرے کے لیے مقیاس اور مشابہ ہوتی ہے۔

وللقلب علی القلب دلیلٌ حِینَ یلقاه

جب دو دل ملتے ہیں تو ایک دوسرے سے راہ ہوتی ہے۔[224]

نہی از

ولا تصحب اخا الجهل وایاک و ایاه فلم من جاهل اردی حکیما حینَ اخاه

جاہلوں کی صحبت مت اختیار کران سے بچ۔ کیوں کہ بہت سے جاہلوں نے اس حکیم کو تباہ کر دیا جس نے ان سے دوستی کی

یقاسُ المرءُ بالمرءِ اِذ ماهو ماشاه وللشیئ من الشی مقائیسٌ و اشباه

دوآدمی جب ساتھ چلتے ہیں تو ایک دوسرے پر قیاس کیا جاتا ہے۔ چیزیں ایک دوسرے کے لیے مقیاس اور مشابہ ہوتی ہے

مذکورہ اشعار کے ترجمے پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم نے بہت ہی عمدگی کے ساتھ سلیس ترجمہ کرنے کی پوری کوشش کی گئی اور قارئین کی رعایت کرتے ہوئے اردو کا مکمل جامہ پہنایا گیا، جیسا کہ آخری شعر ''وللقلب علی القلب دلیلٌ حین یلقاه''(جب دو دل ملتے ہیں تو ایک دوسرے سے راہ ہوتی ہے) کے ترجمے پر کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ مترجم بامحاورہ ترجمے سے کام لیتے ہوئے اردو میں ایسی روانی پیدا کی ہے کہ مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اگر اس کا لفظ بہ لفظ ترجمہ ''دل کے لیے دل پر دلیل ہوتی ہے جس وقت وہ

[224] دیوان حضرت علی، زیر اہتمام محمد ذکی، ص 3

ملے‘‘ کریں تو بہت واضح طور بات نہیں پہنچتی۔ مترجم اردو میں استعمال ہونے والا محاورہ استعمال کر کے ترجمے کو بالکل واضح کر دیا۔

دیوان الامام الشافعی (دیوان امام شافعی)

یہ دیوان امام علی کا اردو ترجمہ ہے جس کو عبداللہ کاپودروی نے انجام دیا ہے۔ دیوان امام شافعی دراصل حضرت امام شافعیؒ (امام ابوعبداللہ محمد ادریس شافعیؒ) کا اعلیٰ شعری نمونہ ہے جسے عام وخاص میں بڑی مقبولیت حاصل ہے۔ امام شافعیؒ نے گرچہ شعر وشاعری سے اپنا رشتہ اس قدر استوار نہیں کیا کیوں کہ اصلاً وہ عالم اور فقیہ تھے لیکن انہیں عربی ادب سے اتنی گہری دلچسپی تھی کہ عربی ادب کے کبار ادباء وشعراء کے کثیر اشعار زبانی یاد تھے۔ اگر اس میدان میں دوسرے ادیبوں کی طرح ہوتے تو بذات خود بہت بڑے عربی ادیب وشاعر میں شمار کیے جاتے۔ ان کا کہنا ہے کہ:

ولو لا الشعر بالعلماء يُزرى　　　لكنتُ اليوم أشعر من لبيد

(اگر شعر وشاعری کا پیشہ علماء کے وقار کے منافی نہ ہوتا، تو میں لبید سے بڑا شاعر ہوتا)

درج شعر سے اندازہ ہوتا ہے کہ خود امام شافعیؒ کو اس بات کا ادراک ہو چکا تھا کہ اگر وہ اس میدان میں قدم رکھتے تو ضرور بالضرور مذکورہ باتیں صحیح ثابت ہوتیں۔ ان سب باتوں کے باوجود امام شافعیؒ کے اشعار پڑھ کر اعلیٰ معیار کا اندازہ ہوتا ہے۔

ترجمہ میں بامحاورہ ترجمہ کی تکنیک کا استعمال کیا گیا ہے۔ مترجم نے باقاعدہ طور پر کوئی ترجمے کے کوئی اصول درج نہیں کیے ہیں لیکن ترجمے پر صرف نظر کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم نے بڑی عمدگی کے ساتھ سلیس ترجمہ کو بروئے کار لاتے عربی اشعار کو اردو کے قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ ذیل میں کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں:

سکوتی عن اللئیم جوابُ

قل بما شئت فی مسبۃ عرضی　　　فسکوتی عن اللئیم جوابُ

ما أنا عادم الجواب، ولکن　　　ما من الأسد ان یجیب الکلابُ

کمینے کے جواب میں خاموشی

مجھے بے عزت کرنے کے لیے تو جو چاہے کہہ، کمینے کے مقابلے میں میری خاموشی میرا جواب ہے۔

ایسا نہیں کہ مجھے جواب پر قدرت نہیں، لیکن شیر کتوں (کے بھونکنے) کا جواب نہیں دیتے۔[225]

أمانی الإنسان

یرید المرءُ أن یعطی مُناہ　　　و یأتی اللہ إلا ما اراد

یقول المرءُ فائدتی و مالی　　　وتقوی اللہِ أفضل ما استفادا

انسان کی آرزوئیں

انسان چاہتا ہے کہ اس کے (تمام) ارمان پورے کر دیے جائیں اور اللہ کو بس اتنا ہی منظور ہے جتنا وہ دیتے ہیں۔

انسان اپنے فائدے اور مال کی رٹ لگائے رکھتا ہے، حالاں کہ اللہ کا تقوی سب سے افضل ہے، اسی سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔[226]

دیوان امام شافعی اشعار کو کسی نہ کسی ہیڈنگ کے ساتھ درج کیا گیا ہے جس دیکھنے کے بعد نفس مضمون سے قاری کی واقفیت ہو جاتی ہے، چنانچہ درج بالا مثالوں میں اشعار اور اس کی ہیڈنگ دیکھی جاسکتی ہے۔ مترجم اشعار کا بہت ہی سلیس ترجمہ کرکے اصل متن کے معانی و مطالب کو ہدفی زبان کے قارئین تک بڑی خوش

---

[225] دیوان امام شافعی، ص 30

[226] دیوان امام شافعی، ص 47-48

اسلوبی کے ساتھ پہنچا دیا ہے اور جہاں کہیں کسی قسم کی وضاحت کی ضرورت محسوس کی، وہاں بین القوسین اور بعض مقامات پر پوری طور پر وضاحت درج کر دی ہے۔ مترجم کا یہ طریقہ کار بہت ہی عمدہ اور لائق داد و تحسین ہے۔ کیوں کہ مترجم کی اصل ذمہ داری اصل زبان کے متن موجود پوشیدہ مطالب و معانی کو ہدفی زبان کے قارئین تک اسی خوبی و سلیقے مندی کے ساتھ پہنچانا ہوتا ہے جو اصل زبان تقاضا کرتی ہے۔ طاہر الاسلام قاسمی کے دیوان امام شافعی کے اردو ترجمے مذکورہ باتیں مکمل طور پر ہماری ملتی ہیں جو قارئین کے لیے مطالعہ کے لیے راغب کرتی ہے۔

دیوان المتنبی

یہ کتاب درس نظامی میں عربی ادب کے تحت کافی برسوں سے پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ ابوالطیب متنبی (303-354ھ) کی شعری عربی ادب کی معروف و مشہور کتاب ہے۔ جس میں پانچ ہزار سے زیادہ اشعار موجود ہیں۔ اپنے اعلیٰ ادبی شہ پارے کے باعث جس میں ادب کے مختلف ارکان جیسے محاورات، تشبیہات، استعارات، کنایے اور تمثیلات وغیرہ بڑے خوبی سے برتے گئے ہیں، طلباء میں عربی ذوق پیدا کرنے کے لیے نصاب میں شامل ہے۔ اس کے تراجم دنیا کی مختلف زبانوں میں کیے گئے، اردو زبان میں اس دیوان اور اس کے منتخبات جو قصائد منتخبۃ سے موسوم ہیں، کے کئی تراجم کیے گئے ہیں۔ ذیل میں کچھ تراجم کا جائزہ درج کیا جاتا ہے۔

شرح دیوان المتنبی (مع حل لغات، ترجمہ اور تشریح اشعار)

زیر نظر کتاب کے مترجم و شارح پڑوسی ملک پاکستان کے ہیں۔ جو دینی مدرسہ سے منسلک ہیں۔ انہوں نے کتاب کے ٹائٹل صفحہ پر ہی اس کتاب کے مقصد کو درج کر دیا ہے کہ ایم۔اے اور شہادۃ العالمیہ کے طلبہ و طالبات کے لیے ایک نادر اور قیمتی علمی، ادبی تحفہ۔ یہ کتاب 150 کے قریب صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب میں مترجم نے یہ طریقہ کار اپنایا ہے کہ عربی شعر کی عبارت پر اعراب لگایا تاکہ طالب علموں کے لیے عبارت خوانی آسان ہو جائے۔ سادہ اور سلیس ترجمہ، حل لغات اور آخر میں شعر کی تشریح پیش کی ہے۔ ذیل میں بطور مثال عربی متن، ترجمہ اور تشریح درج کی جاتی ہے:

یستصغِرُ الخَطَرَ الکَبِیرَ لوَفدِہٖ ویظُن دِجلَۃَ لیسَ تکفِی شارِباً

ترجمہ: بڑی بڑی چیزیں اس کی نظر میں اپنے وفد کے لیے بے وقعت و حقیر ہوتی ہیں اس کے خیال میں پینے والے کے لیے دجلہ بھی کافی نہیں ہوتا۔

تشریح: میرے ممدوح کی سخاوت و وسعت قلبی کا یہ عالم ہے کہ بڑی بڑی اور قیمتی اشیاء اس کی نظروں میں بے قیمت و بے مایہ ہو جاتی ہیں جب وہ کسی کو بخشنا چاہتا ہے اس کی نظر کی وسعت سماوی کا یہ عالم ہے کہ کسی کو دجلہ بھی بخش دے تو سمجھتا ہے کہ شاید اس سے بھی اس کی پیاس نہ بجھی ہو مزید بخشش و عنایت کرتا ہے۔[227]

فغدَا أسیراً قد بللت ثیابَہ بدمٍ و بلَّ بِبَولِہ الأفخاذا

ترجمہ: وہ ایسے گرفتار ہوا کہ اس کے کپڑے خون سے تربتر تھے اور اپنے پیشاب سے اس نے رانیں تر کر لیں۔

تشریح: اپنے ممدوح کے دشمن کی ذلت و بے وقعتی بیان کرتا ہے کہ اس کی گرفتاری اس حال میں ہوئی کہ اس کے کپڑے تیرے لگائے ہوئے زخموں سے تربتر اور اس کی رانیں اس کے اپنے پیشاب سے بھیگی ہوئی تھیں جو تیرے خوف کی وجہ سے خطا ہو گیا تھا۔

سدَّت علیہ المشرقیۃُ طُرقہٗ فَانصاعَ لاحَلَباً و لا بغداداً

ترجمہ: مشرقی تلوار نے اس کے سامنے تمام راہیں مسدود کر دیں۔ سو وہ بھاگا نہ حلب کی طرف نہ بغداد کی طرف۔

تشریح: تیری تلوار کے خوف سے اس کو کچھ سجھائی نہ دیا اس نے بھاگنا چاہا لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کس طرح بھاگے۔[228]

---

[227] شرح دیوان المتنبی (مع حل لغات اور ترجمہ تشریح اشعار) مترجم و شارح: مفتی محمد یار خان، ص 38

[228] شرح دیوان المتنبی (مع حل لغات اور ترجمہ تشریح اشعار) مترجم و شارح: مفتی محمد یار خان، ص 68

مذکورہ مثالوں میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح مترجم نے سلیس و سادہ ترجمہ نگاری سے کام لیا ہے۔ ترجمہ پر نظر کرنے سے ایسا لگتا ہے کہ ترجمہ بالکل سلیس اور سادہ کیا گیا ہے کیوں کہ ترجمہ میں سلاست لانے کے لیے کچھ الفاظ کا اضافہ کیا جو کہ عربی متن میں نہیں ہے لیکن ترجمہ کے دوران یہ طریقہ اپنایا جاتا ہے کہ بعض وہ الفاظ متن میں نہ ہو ترجمے کے تقاضے کے پیش اسے اپنایا جاتا ہے جیسا آخری شعر کے ترجمہ میں ''اس کے سامنے''، ''کی طرف'' کے لفظ کا اضافہ کرکے ترجمہ کو سلیس بنانے کی کوشش کی گئی ہے، اسی طرح باقی اوپر کے اشعار کے ترجمے میں بھی یہ اس طریقے کو برتا گیا ہے۔ ترجمہ پڑھنے کے بعد قاری کو شاعر کا مقصود ومطلوب مدعا پہنچ جاتا ہے اس کے باوجود چونکہ یہ طلباء کو سامنے رکھ کر کتاب تیاری کی گئی ہے اس لیے مزید وضاحت کے لیے اس کی تشریح بھی درج کی گئی ہے جس کی وجہ سے شعر کا مفہوم بالکل واضح طور پر ان کے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ ساتھ ہی مترجم وشارح نے حل لغات کے تحت مخصوص الفاظ کو درج کرکے طلباء کے لیے حل عبارت کے ضمن بہت آسانی پیدا کر دی ہے۔

(دیوان متنبی): محمد امین کھوکھر، محمد یٰسین قصوری

دیوان متنبی کا یہ ترجمہ دو مترجمین نے کیا ہے جیسا کہ کتاب کے سرِورق پر درج ہے۔ اس کتاب کے ابتداء میں مترجمین نے کسی کا قسم کا کوئی پیش لفظ تحریر نہیں کیا ہے کہ جس سے مترجم کی ترجمے اور اس کے متعلقات کے بارے میں کچھ معلومات ہو سکے۔ ترجمہ شدہ کتاب دیوان المتنبی کا مکمل ترجمہ نہیں ہے اس میں باقاعدہ طور پر کسی خاص قافیہ سے ترجمہ نہیں کیا گیا جیسا کہ دوسرے مترجمین قافیۃ الھمزۃ سے ترجمے کی ابتدا کرتے ہیں جو کہ خود دیوان المتنبی میں ہے۔ کتاب کے آخر میں متنبی کے متعلق بہت مختصر طور پر معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

اس کتاب کی ضخامت 163 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے مترجمین نے دوسرے مترجمین کی طرح ترجمہ، تشریح اور حل لغات پر اکتفا کیا ہے۔ کتاب پر صرف نظر کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ کافی

حد تک سلیس کرنے کی کوشش کی گئی ہے تھوڑا بہت حذف واضافہ سے بھی کام لیا گیا ہے ساتھ ہی اشعار کی تشریح درج ہے تاکہ اشعار کا مفہوم واضح طور پر قاری کے سامنے آجائے۔ذیل میں کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

اَجِرنِی اِذا انشدت شعراً فاِنَّما　　　　بشِعری اناک المادحون مروراً

ودع کل صوت بعد صوتی فانني　　　　انا الطائر المحکی والاخر القدا

ترجمہ: جب تو کوئی شعر سنے تو مجھے صلہ دے کیوں کہ مداح لوگ میرے ہی اشعار کو بار بار تیرے پاس لاتے ہیں۔

اور میری آواز کے علاوہ ہر آواز کو چھوڑ دے اسلیے کہ گانے والا پرندہ میں ہوں اور دوسری میری صدائے بازگشت ہیں۔[229]

تشریح: تیرے پاس جو بھی اشعار لائے جاتے ہیں دراصل وہ میرے ہی ہوتے ہیں اس لیے تو سنانے والے کے بجائے میری حوصلہ افزائی کر کیوں کہ وہ قصائد ان کی قوت فکریہ کا نتیجہ نہیں ہے۔میرا حق بنتا ہے تو مجھے ہی جزادے اس لیے کہ ان اشعار کا میں ہی تو تخلیق کرنے والا ہوں۔

کہتا ہے کہ تو دوسروں کی آواز کی طرف مت توجہ دے کیوں کہ وہ وہی کہتے ہیں جو میں کہتا ہوں۔آواز اصل میں قابل توجہ ہوتی ہے صدائے بازگشت کی کیا حیثیت ہے اس کی طرف کون دھیان دیتا ہے۔

ایاذی الرَّبْعُ آیّ دمٍ اَرَاقاً　　　　و ایَّ قُلوبِ هذا الرَّکْب شاقاً

لنا ولاهله ابد قلوب　　　　تلاقی فی جسوم ماتلاقی

ترجمہ: کیا معلوم ہے کہ منزل محبوب نے کس کس کا خون بہایا اور قافلہ شاہسواروں میں کس کس کے دل مشتاق تھے۔

ہمارے لیے اور اس منزل کے لیے ہمیشہ ایسے دل ہیں جو ملتے رہتے ہیں۔مگر وہ دل ایسے جسموں میں ہیں کہ جو باہم مل نہیں سکتے۔[230]

---

[229] شرح اردو دیوان متنبی، محمد امین کھوکھر، محمد یٰسین قصوری، ص67

[230] شرح اردو دیوان متنبی، محمد امین کھوکھر، محمد یٰسین قصوری، ص76-78

تشریح: استفہام انکار ہے کہ آیا محبوبہ کو یہ بات معلوم نہیں ہے۔ کیا وہ نہیں جانتی کہ جب مجھے خانہ محبوب خالی نظر آیا تو پہلے جوش شرف ہوا اور پھر رونا آیا اور آنسوؤں کے ختم ہونے کے بعد خون جاری ہوا ان تمام باتوں سے محبوبہ لاعلم ہے۔ ایسا تو ہر گز نہیں ہو سکتا۔

یعنی اس منزل کے لیے اور ہمارے لیے تو ایسے دل ہیں کہ بسبب دائمی یاد ایام وصال باہمی رہتے ہیں البتہ وہ اپنے جسموں میں ہیں کہ ملاقات نہیں کر سکتے۔ ان کا ایسا کہنا ممکن بات ہے وہ دور دور رہتے ہیں۔

مذکورہ بالا دونوں مثالوں میں اشعار کے تراجم کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم نے اشعار کے ترجمے میں سلیس و بامحاورہ کی تکنیک کو بروئے کار لاتے ہوئے اس فریضہ کو انجام دیا ہے، کیوں کہ ہر شعر کے اردو ترجمے حذف کے بجائے اضافے سے زیادہ کام لیا گیا ہے جو دراصل عبارت میں سلاست وروانی کے سبب اختیار کیا گیا ہے، پہلے شعر میں ''بعد صوتی'' کا ترجمہ 'میرے آواز کے علاوہ' بامحاورہ کر کے روانی پیدا کی ہے ،ٹھیک اسی طرح طرح دوسرے اشعار میں بھی یہی تکنیک اپنائی گئی ہے۔

اَتتھنّ المَصَائبُ غافلاتِ فَدَمعُ الحَزْنِ فِی دَمْع الدَّلدلِ

ولو کان النساء کمن فقدنا لفضلت النساء علی الرجال

ترجمہ: ان پر غفلت کی حالت میں یہ مصیبت پڑی کہ اشک غم نازو نخروں کے اشک سے مل گیے۔

اور اگر تمام عورتیں ایسی جامع صفات و کمالات ہوں تو عورتوں کو مردوں پر فضیلت دی جاتی ہے۔[231]

تشریح: مصیبتیں ان پر اس طرح بحالت غفلت نازل ہو گئیں کہ خوشی کے آنسوؤں جو ناز و نخرے کے آنسو تھے۔ غم کے آنسوؤں سے گڈمڈ ہو گئے یہ خیال بُرا نازک ہے اور مایہ فخر شاعر ہے۔

یعنی تو اپنی عظیم القدر ہے کہ تجھ جیسی خوبیاں اگر دیگر عورتوں میں پائی جائیں تو عورتیں مردوں سے سبقت حاصل کر جائیں۔ پھر النساء قوامون علی الرجال ہوتا لیکن یہ کمالات تو صرف تیرے اندر پائے گئے باقی عورتوں کو محروم رکھا گیا۔

[231] شرح اردو دیوان متنبی، محمد امین کھوکھر، محمد یٰسین قصوری، ص100

مذکورہ بالا آخری مثال میں ہم دیکھتے ہیں کہ ترجمے کے تقاضے کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بہت سے ایسے الفاظ کے اضافے کیے گئے جو ترجمے میں حسن وخوبی پیدا کرتے ہیں گرچہ وہ الفاظ نہ بھی ہوتے تو ترجمہ ہو سکتا تھا لیکن ضرورت کے پیش نظر الفاظ کے حذف واضافہ سے کام لیا گیا ہے۔ساتھ ہی مترجم نے طلباء کی مزید سہولیت اور سمجھانے کے لیے تشریح کر دی۔ترجمہ کافی شستہ اور سلیس ہے۔

دیوان المتنبی (شرح اردو): نظام الدین اسیر ادروی

یہ کتاب مشہور ومعروف عالم دین جناب نظام الدین اسیر ادروی کی تالیف کردہ ہے۔جو سہل، آسان زبان اور عام فہم انداز میں تیار کی گئی ہے۔یہ کتاب تقریباً 380 پر محیط ہے۔

مؤلف کتاب نے آغاز میں متنبی کی حیات اور شاعری، کلام پر تبصرہ، غزل میں اپنائے جانے امور اور دوسری بہت اہم چیزوں کو شامل کیا ہے جو تقریباً 50 پر مشتمل ہے، جس سے متنبی، زندگی اور اس کی شاعری کے متعلق بڑی اہم معلومات ملتی ہیں۔یہ کتاب دیوان المتنبی کے مختلف تراجم وشروحات میں سے ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہیں کیوں کہ مؤلف کتاب نے بڑی عرق ریزی و جانفشانی کے ساتھ اس اہم فریضہ کو انجام دیا۔صاحب کتاب نے دیگر مترجمین کی طرح حل لغات، ترجمہ اور تشریح کا طریقہ اپنایا ہے لیکن تشریح کی باقاعدہ طور پر کوئی ہیڈ نگ نہیں برتی ہے، ترجمہ کے بعد لفظ "یعنی" کے ساتھ تشریح درج کی گئی۔ترجمہ پر نظر کرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ مترجم نے بڑی نفاست کے ساتھ سلیس ترجمہ کی روش کو اپنایا ہے۔ذیل میں کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

وبحر ابی المسک اللخضم الذی لہ　　　علی کل بحر زخرة و عباب

تجاوز قدر المدح حتی کأنہ　　　باحسن مایثنیٰ علیہ یعاب

ترجمہ: ابوالمسک کا سمندر وہ گہرے پانی والا ہے کہ ہر سمندر پر اس کا جوش وخروش اور تموج ہے۔ یعنی یہ اتنا بڑا اور عظیم سمندر ہے کہ اسکو تمام سمندروں پر تفوق حاصل ہے اور سب اس سے فیض یاب

ہیں۔
مدح کے انداز میں آگے بڑھ گیا یہاں تک کہ اگر اس کی بہتر سے بہتر تعریف کی جائے تو وہ عیب بن جاتی ہے۔[232]

یعنی اس کے قابل ستائش کارنامے روز افزوں ہیں اس لیے جب کسی کارنامے پر اس کی مدح کی جاتی ہے تو اس وقت تک اس سے بھی بڑا اور عظیم کارنامہ اس سے وجود میں آجاتا ہے اس لیے یہ تعریف اس کی شان سے کم تر بن گئی اس طرح مسلسل یہ عمل جاری ہے جب بھی تعریف کی جاتی ہے تو وہ اس سے چند قدم اور آگے بڑھ جاتا ہے اس لیے ہر تعریف اس کا عیب بن جاتی ہے۔

واسود اما القلب منہ فضیق　　　نخیب واما بطنہ فرحیب

اعدثُ علی مخصاہ ثم ترکتہ　　　یتبع منی الشمس و ھی تغیب

ترجمہ: ایک کالا کلوٹا بزدل جس کا سینہ تنگ ہے البتہ اس کا پیٹ بڑا ہے۔
یعنی صورت کالی کلوٹی، اس پر بزدل، دل کا چھوٹا، پیٹ بھاری بھر کم۔
میں نے اس کے خصی ہونے کے مقام پر دوہرا عمل کر دیا پھر میں نے اس کا چھوڑ دیا وہ سورج کو تلاش کرتا رہا حالاں کہ وہ غروب ہو رہا تھا۔[233]

یعنی ایک تو وہ پہلے ہی خصی تھا میں نے ہجو کر کے جو کسر رہ گئی تھی وہ پوری کر دی اور دوبارہ اس کو خصی کر دیا جب میں اس کو چھوڑ کر چلا آیا تو اب وہ غروب ہوتے ہوئے سورج کو پکڑ کر واپس لانا چاہتا ہے کبھی غروب ہوتا ہوا آفتاب واپس آیا ہے کہ واپس آئے گا۔

ھبت النکاح حذار نسل مثلھا　　　حتی وفرت علی النساء بناتھا

فالیوم صرت الی الذی لو انہ　　　ملک البریۃ لاستقل ھباتھا

ترجمہ: اس طرح کے نسل سے بچنے کے لیے میں نکاح سے ڈرتا رہا یہاں تک کی میں نے عورتوں پر ان کی لڑکیوں کو بڑھا دیا۔
یعنی ناکارہ نسل پیدا کرنے سے بہتر میں نے یہی سمجھا کہ شادی ہی نہ کی جائے اور شادی نہ کرنے کی وجہ

---

[232] شرح اردو دیوان المتنبی، نظام الدین اسیر ادروی، ص 285
[233] شرح اردو دیوان المتنبی، نظام الدین اسیر ادروی، ص 301-302

سے ماؤں کے پاس ان کی بہت سی لڑکیاں بن بیاہی رہ گئیں۔

پس آج میں اس شخص کے پاس ہوں کہ اگر ساری مخلوق کا مالک ہو جائے تو اس کو بھی دینے کو کم ہی سمجھے [234]

یعنی میں آج ایسے فیاض اور سخی شخص کی خدمت میں حاضر ہوں کہ ساری دنیا بھی کسی کو بخش دے تو وہ یہی سمجھے گا کہ ابھی میں نے اس کو کم کر دیا ہے۔

مندرجہ بالا پہلے دو اشعار کے ترجمے پر جب نظر کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ مترجم نے سلیس اور سادہ ترجمہ کی تکنیک کو بروئے کار لاتے ہوئے اسے انجام دیا ہے جس میں بہت زیادہ الفاظ کے حذف و اضافہ سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ لفظ کی بہت حد تک رعایت کی گئی ہے اور ساتھ ہی تھوڑی سی وضاحت کی گئی تاکہ اشعار کا مفہوم مزید واضح ہو جائے گرچہ اس وضاحت کی ضرورت نہیں ہے لیکن طلباء کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس کو برتا گیا ہے۔

اس کے بعد دونوں اشعار میں مترجم نے شاعر کے مقصود کو سامنے رکھ کر تصرف کرتے ہوئے ترجمے میں ''القلب'' کا ترجمہ بجائے کہ صرف ''دل'' کرتے، بزدل کا لفظ استعمال کیا ہے جو کہ شاعر کا مطلوب ہے۔اسی طرح دوسرے شعر میں حذف سے کام لیا ہے کہ عربی متن ''منی'' کے ترجمہ کو حذف کر دیا ہے جس سے معنی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ مترجم کا یہی کام ہوتا ہے کہ دورانِ ترجمہ سیاق وسباق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے انجام دیا جائے جس کو بخوبی انجام دیا ہے۔اسی طرح آخری کے دو اشعار میں مترجم نے سادہ ترجمہ کی تکنیک کو اپنایا ہے اور کسی قسم کا لفظی حذف و اضافہ کیے بغیر سلیس ترجمہ کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔

---

[234] شرح اردو دیوان المتنبی، نظام الدین اسیر ادروی، ص 319

شرح دیوان المتنبی: محمد اعزاز علی

یہ کتاب دیوبند کے عربی ادب کے مایہ ناز استاد مولانا محمد اعزاز علیؒ کا ترجمہ ہے۔ کتاب کے سرورق پر ''بحواشی جدیدہ وحلِ لغات وترجمہ اردو'' درج ہے جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ مترجم نے اردو ترجمہ کے ساتھ حل لغت اور حواشی کا التزام کیا ہے جو کہ طلبائے مدارس کی درسی ضرورت ہے۔ کتاب کی ابتداء میں ایک طویل (تقریباً 30 صفحات) اور جامع انداز میں مقدمہ تحریر کیا ہے جو عربی زبان میں ہے جس میں کتاب ،صاحب کتاب سے متعلق معلومات درج ہے۔ نیز اس کتاب میں دیوبند کے پایہ درجہ کے عالم مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی تقریظ شامل ہے جو اس کی اہمیت میں اضافہ کرتی ہے۔

ترجمہ کی ابتداء قافیۃ الھمزۃ سے ہوتی ہے۔ پیشِ نظر کتاب کمپوٹر ٹائپنگ کی نہیں ہے۔ کتاب کے دائیں بائیں جانب صاحب کتاب نے عربی زبان میں اشعار کی تشریح کے ساتھ عربی میں حل لغات کو بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا ہے۔ عربی زبان سے شد بد رکھنے والا کوئی فرد اس کتاب کو دیکھنے کے بعد یہی تاثر دے گا کہ مترجم نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ طلباء کی درسی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے اسے انجام دیا۔

ترجمہ پر نظر ڈالتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم نے اشعار کے لفظی ترجمہ کے اسلوب کو اختیار کیا ہے ،کتاب میں بعض جگہ ایسا بھی کیا گیا ہے کچھ اشعار کی مختصر تشریح کی گئی ہے۔ لفظی ترجمہ ہونے کے باوجود کافی حد تک قاری کو عربی متن کا مفہوم کافی حد تک واضح ہو جاتا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

خذ من ثنای علیک ما اسطیعہ لا تلز منی فی الثناء الواجبا

فلقد دھِشتُ لما فعلت ودُونہ مایُدھشُ المَلَکَ الحفیظَ الکاتبا

اپنے بارے میں میری تعریف بقدر میری طاقت کے قبول فرما تعریف میں اس قدر مجھ پر لازم نہ کر جو مجھ کو کرنی ضروری ہے کہ وہ میرے مقدور سے باہر ہے۔

کیوں کہ بیشک میں تیرے کام میں متحیر ہوں اس کی تعریف نہیں کر سکتا اور کمتر اس کا جس کو میں دیکھ کر حیران ہوں اس قدر ہے کہ نگہبان کاتب حسنات فرشتہ کو حیران کرتا ہے کہ اس نے کوئی آدمی ایسا

نہیں دیکھا۔[235]

یعنی میں تو تیرے افعال دیکھ کر مبہوت ہو گیا ہوں اور مبہوت شخص کی استطاعت میں کماحقہ کسی کی مدح کرنا نہیں ہے اور حالت تو یہ ہے کہ تیری ادنی سے ادنی کام ایسے ہیں جنہوں نے فرشتوں کو مدہوش کر دیا پھر اگر بڑے بڑے افعال کو دیکھ کر مدہوش ہو گیا تو تعجب کی کیا بات ہے۔

وللخود منی ساعۃ ثم بیننا   فلاۃ الی غیر اللقاء تجاب

وماالعشقُ الاّ غِرّۃ وطماعۃ   یُعرِّض قلبٌ نفسہ فیُصابُ

ان نوجوان نازک اندام کے لیے میرے پاس صرف ایک ساعت ہے پھر ہم جنگل حائل ہوتا ہے جو جدائی کی طرف قطع کیا جاتا ہے بعد بڑھتا جاتا ہے یعنی میں عیش میں منہمک نہیں ہوں۔

اور عشق نہیں ہے مگر ناتجربہ کاری اور طمع وصل دل اپنے آپ کو ان بلاؤں کے روبرو پیش کرتا ہے سو وہ مصیبت پہنچایا جاتا ہے۔[236]

یا قاتلا کل ضیف غناہ ضیح وعلبہ

وَخوف کُلِّ رفیقِ اباتک اللیلُ جنبِہ

اے ہر مہمان کے قاتل جس کو ایک پیالہ لسی کافی ہو سکتی ہے یعنی تو سخت بخیل اور غدار ہے اور اس قدر خرچ بھی تجھ کو گوارا نہیں کہ اس کی جان کا دشمن ہو جان ہے۔

اور اے باعث کوب ہر ایسے دوست کے کہ رات نے تجھ کو اس کے پہلو میں سلادیا ہے کیوں کہ اس کو صرف بخوف لسی کے قتل کر دیتا ہے۔[237]

مندرجہ بالا اشعار کے ترجمے میں لفظی ترجمہ کی تکنیک کو اپنایا گیا ہے۔ مؤلف کتاب نے کافی حد تک وہی ترجمہ کیا ہے جو انہوں نے اپنے استاد سے دوران درس اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیا کرتے تھے، بعض مقامات پر حذف واضافہ سے بھی کام لیا ہے جیسا کہ ہم آخری شعر کے ترجمے میں دیکھتے ہیں کہ ''اے باعث'' کا اضافہ کیا

---

[235] شرح دیوان المتنبی، حاشیہ محمد اعزاز علی، ص 67

[236] شرح دیوان المتنبی، حاشیہ محمد اعزاز علی، ص 97

[237] شرح دیوان المتنبی، حاشیہ محمد اعزاز علی، ص 103

ہے اور ساتھ ہی ''کیوں کہ'' کے بعد کے جملے بطور وضاحت اس میں جوڑ دیا ہے تاکہ تھوڑا بہت مفہوم واضح ہو جائے۔ بہر حال مکمل کتاب پر صرف نظر کر کے یہی نتیجہ سامنے آیا ہے کہ اس کتاب کو طالب علموں کو ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ درسی ضرورت کو پورا کیا گیا ہے۔ مؤلف کتاب کی یہ کوشش وکاوش لائق تحسین ہے۔

التقدیم الادبی فی شرح دیوان المتنبی

یہ کتاب بھی دیوان متنبی کی اردو شرح یا ترجمہ ہے جسے عبدالحلیم قاسمی بستوی نے انجام دیا ہے۔ کتاب میں مؤلف کتاب نے دیوان متنبی اور متنبی کے متعلق کچھ اہم معلومات درج کرنے کے ساتھ اس ترجمہ کی اہمیت وضرورت کو بیان کیا ہے۔ جس میں مدارس کے طلباء کی درسی ضروریات کی تکمیل پیش نظر رہی ہے۔ یہ کتاب 320 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں قافیۃ الھمزۃ سے قافیۃ الیاء تک کے اشعار کے ترجمہ ومطالب بیان کیے گئے ہیں۔ ذیل میں جائزہ کے لیے کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

راعتکِ رائعۃُ البیاضِ بِمفرقی ولو انها الأولیٰ لراعَ الأسحَم

ترجمہ: میری مانگ کے سفید بالوں سے تم گھبرا گئی ہو، اگر پہلے سے ہی وہ سفید رنگ کے ہوتے، تب تو کالے بالوں سے تمہیں وحشت ہوتی۔

مطلب: شاعر اپنی محبوبہ کو پکار رہا ہے، کہ میرے سفید بال دیکھ کر تمہیں مجھ سے نفرت سے ہوگئی، ذرا عقل سے کام لو، بھلا کہیں بال بھی جوانی اور بڑھاپے کی علامت ہوتے ہیں، سوچو تو سہی کہ اگر یہ سفید بال جن سے آج تمہیں چڑھ ہے، کالے بالوں سے پہلے نکلتے، تو پھر تم کیا کرتی؟ یہی نہ کہ کالے بالوں کو دیکھ کر بھاگنے لگتی، یہ یہ تو اللہ کی مرضی ہے، وقت سے پہلے بھی تو سفید ہو سکتے ہیں، پھر تم نے سفید بالوں سے کیسے میرے بڑھاپے کا اندازہ کر لیا۔[238]

---

[238] التقدیم الادبی، ص 276

لایملک الطربُ المحزونُ مَنطِقةٌ   ودَمْعَہ و هُمافی قبضۃِ الطربِ

ترجمہ: مدہوش اور غمگیں شخص کا اپنی گفتگو اور اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں چلتا، یہ دونوں چیزیں مدہوشی کے قبضے میں ہوتی ہیں۔

مطلب: شاعر خولہ کی وفات پر مرثیہ لکھتے وقت پیش آنے والے اپنے رنج و غم کو بتا رہا ہے کہ خولہ کی وفات نے اسے بہت متاثر کیا ہے اور اس جانکاہ حادثہ کے زخم آج میرے دل میں تازہ دم ہیں، یہی وجہ ہے کہ مرثیہ لکھتے وقت نہ زبان چل رہی ہے اور نہ ہی سیلاب اشک تھم رہا ہے۔[239]

وغیرکثیرٍ أنْ یزورَکَ راجلٍ   فیرجِعُ ملْکاً للعراقین والیاً

ترجمہ: یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے، کہ کوئی پیادہ پا آپ کی زیارت کے لیے آئے، اور یہاں سے عراقین کا فرماں روا اور گورنر بن کر واپس جائے۔

مطلب: یعنی آپ کی داد و دہش کا عالم یہ ہے کہ آپ ایک معمولی گداگر اور پیدل چلنے والے سائل کو بھی اونچے سے اونچے عہدے پر فائز کر دیتے ہیں، اور لوگ آپ کا یہ کارنامہ دیکھ کر حیرت اس لیے نہیں کرتے، کہ آئے دن آپ ایسا قابل فخر کارنامہ انجام دیتے رہتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ زندگی میں صرف ایک بار آپ سے اس طرح کا کوئی کارنامہ صادر ہو۔

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں

ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں[240]

مذکورہ بالا تینوں مثالوں میں اشعار کے تراجم پر نظر کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم نے بڑی ہی عمدگی کے ساتھ اشعار کا بامحاورہ ترجمہ کی تکنیک اپناتے ہوئے اردو ترجمہ کا فریضہ انجام دیا ہے، ساتھ ہی مطلب

---

[239] التقدیم الادبی، ص 75

[240] التقدیم الادبی، ص 337

کی ہیڈ نگ کے تحت کئی سطروں میں شعر کی وضاحت طالب علموں کی درسی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے درج کی گئی ہے۔ساتھ ہی موقع کی مناسب سے اردو شعر بھی درج کرتے ہیں،جو یہاں کیا گیا ہے۔مترجم کا یہ طریقہ کار درسی ضروریات کے لیے بہت ہی موزوں اور مناسب ہے،مترجم کا یہ کام لائق تحسین ہے۔

توضیح القصائد المنتخبہ شرح اردو دیوان متنبی

یہ کتاب دیوان متنبی کے منتخب قصائد کا اردو ترجمہ اور شرح ہے، یہ بات علم میں رہے کہ القصائد المنتخبہ دیوان المتنبی کے 5494 اشعار میں سے چندہ 577 اشعار پر مشتمل ہے۔ترجمہ شدہ کتاب کے مؤلف محمد اقبال قاسمی،جو مدرسہ اسلامیہ شکرپور،دربھنگہ میں استاذ ہیں۔کتاب 350 صفحات پر مشتمل ہے۔کتاب میں مشہور و معروف ادیب، دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز استاد نور عالم خلیل امینی کی تقریظ شامل ہے،جو اس کتاب کی اہمیت میں چار چاند لگاتی ہے۔

اس کتاب میں مترجم نے ترجمہ سے متعلق جن امور کا لحاظ کرتے ہوئے ترجمہ نگاری کے فریضہ کو انجام دیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

- ترجمہ بامحاورہ اور سلیس لیکن الفاظ سے ہٹ کر نہیں
- ہر شعر کی تشریح اور بہت ہی جامع، گویا خیر الکلام ماقل ودل کا مصداق ہے نہ ایجاز مخل ہے نہ طول ممل
- ہر عنوان کا ترجمہ کیا گیا ہے

ساتھ ہی مترجم نے اس کتاب کی وجہ تالیف مدارس میں طالب علموں کی درسی ضرورت درج کیا ہے، مترجم کے مطابق یہ کتاب اساتذہ و طلباء دونوں کے لیے مدد و معاون ثابت ہو گی۔ ذیل میں پیش نظر کتاب میں سے بطور نمونہ اشعار، ان کے تراجم اور اس کا جائزہ پیش کریں گے۔

ان کان قد ملک القلوب فانہ ملکَ الزمان بأرضہ و سمائہ

ترجمہ: اگر وہ دلوں کا مالک ہو گیا (تو کوئی تعجب کی بات نہیں) کیوں کہ وہ تو زمانہ کا زمین اور آسمان سمیت مالک ہے۔

توضیح: یعنی کل کائنات اس کے زیر تصرف ہے، سعادت و شقاوت اس کے قبضہ میں ہے، وہ اپنے دوستوں کو مسعود اور دشمنوں کو منحوس بنا دیتا ہے؛ اس لیے اگر لوگوں کے قلوب پر اس کی حکومت ہے تو اس میں کیا تعجب؟[241]

ویُرھب ناب اللیث واللیثُ وحدہ فکیف اذا کان اللیوث لہ صحباً

ترجمہ: شیر کے دانت سے خوب کھایا جاتا ہے حالاں کہ شیر تنہا ہوتا ہے۔ تو اس وقت کیا کیفیت ہو گی جب کہ اس کے ساتھ بہت سے شیر ہوں گے۔

توضیح: سیف الدولہ شیر ببر ہے۔ اور اس کا لشکر بھی شیر سے کم نہیں، تو جب اتنے شیروں کی بھیڑ جمع ہو جائے گی تو لوگوں کے خوف و دہشت کا کیا عالم ہو گا؟ جب کہ لوگ ایک شیر کو دیکھ کر لرزہ براندام ہو جاتے ہیں۔[242]

عذل العواذل حولَ قلبی التائہ وھوی الأحبۃ منہ فی سودائہ

ترجمہ: ملامت کرنے والیوں کی ملامت میرے پریشان دل کے ارد گرد ہے اور محبوبوں کی محبت دل کی گہرائی میں ہے۔

توضیح: ملامت کا اثر عاشق کے دل کے باہر ہے اور محبت دل کی گہرائی میں ہے، اس لیے ملامت کا کوئی

---

[241] توضیح القصائد المنتخبہ، ص 29
[242] توضیح القصائد المنتخبہ، ص 77

اثر دل میں نہیں ہو سکتا؛لہذا اے ملامت گر! تیری ملامت بے سود ہے۔[243]

مذکورہ بالا تینوں مثالوں میں اشعار کے ترجمے پر غائر نظر کرنے کے بعد بہت ہی واضح طور یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مترجم نے بامحاورہ کی تکنیک کو بروئے کار لاتے ہوئے عربی متن کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے، لیکن ساتھ ہی اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ ترجمہ متن میں موجود الفاظ سے ہٹ کر نہ ہو، اور یہی ترجمہ کی خوبی ہے۔اس میں ہر شعر کے ترجمے کے ساتھ شعر کی مختصر تشریح درج کی گئی ہے، جس سے طالب علموں کے لیے شعر کی تفہیم میں آسانی ہو گی۔ مترجم کا یہ طریقہ ترجمہ و تشریح بہت عمدہ اور خوب ہے۔

دیوان الحماسۃ

شعری عربی ادب کے اعلیٰ شہ پاروں میں سے ایک ہے۔ جس میں مختلف شعراء عرب کے اشعار شامل ہیں۔اس کو ابو تمام حبیب بن اوس طائی (172-231ھ) نے تالیف کیا۔ یہ کتاب بھی اپنی زبان و بیان کی وجہ سے طلباء میں عربی ذوق پیدا کرنے کے لیے داخل نصاب کی گئی، جو آج بھی زیر درس ہے۔اردو میں اس کے کئی تراجم و شرح تیار کی گئی ہیں، ذیل میں ان تراجم کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

اتقان الفراسۃ فی شرح دیوان الحماسۃ

دیوان الحماسۃ عربی شعراء کے دیوان اور ان کے اشعار کا مجموعہ ہے جس کو حبیب بن اوس طائی نے تالیف کیا ہے۔ یہ کتاب عربی ادب میں زبان و بیان کے اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔درس نظامی میں داخلِ نصاب عربی ادب کی مشہور کتاب ''دیوان الحماسۃ'' کی اردو شرح یا ترجمہ ''اتقان الفراسۃ فی شرح دیوان الحماسۃ'' ہے جس کو ابوالحسن قادری بن محمد صادق نے انجام دیا ہے۔

---

[243] توضیح القصائد المنتخبہ، ص 27

صاحب کتاب نے ابتداء میں عربی زبان اور اس کی خصوصیات، ادب، شعر، طبقات شعراء، استعارہ اور اس کے اقسام وغیرہ بڑے عمدہ طریقے سے درج کیا ہے، نیز انہوں نے کتاب کی خصوصیت کے ضمن میں شعراء کا تعارف، اشعار کا پس منظر، اشعار کا سلیس اور مفہوم خیز ترجمہ، ضرورت کے مطابق اشعار کا مطلب، حل لغات، بعض مقامات پر مستند و متداول کتب سے حوالہ، موقع بموقع آیات قرآنیہ سے استشہاد، چیدہ چیدہ مقامات پر احادیث نبی سے استشہاد، جگہ بجگہ حکمت بھرے عربی مقولہ جات، اردو اشعار اور عربی متن پر اعراب وغیرہ کو بھی درج کیا گیا ہے۔ ذیل میں کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

لکن قومی وان کانوا ذوی عددٍ　　　　لیسوا من الشر فی شیءٍ وان ہانا

ترجمہ: میری قوم اگرچہ بڑی تعداد والی ہے لیکن جنگ میں کچھ بھی نہیں اگر آسان ہو۔[244]

مطلب: اس شعر سے آخری شعر تک اپنے قبیلے کے اوصاف بیان کر رہا ہے، یعنی میرا قبیلہ جنگ پر امن و صلح کو ترجیح دے دیتا ہے اور ہر کسی کو معاف کر دیتا ہے۔

مشینا　مشیت　اللیث　غدا　واللیث　غضبان

ترجمہ: ہم (ان پر حملے کے لیے) غضب ناک شیر کے صبح کے وقت چلنے کی طرح چلے۔[245]

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے

پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے

فنکب　عنہم　درء　الاعادی　　　　وداووا　بالجنون　من　الجنون

ترجمہ: شمشیر زنی نے ان سے دشمنوں کا حملہ دور کیا اور انہوں نے جنون کا علاج جنون سے کیا۔[246]

[244] اتقان الفراسۃ، ابوالحسن قادری بن محمد صادق، ص 31

[245] اتقان الفراسۃ، ابوالحسن قادری بن محمد صادق، ص 38

مذکورہ بالا تینوں اشعار کے ترجمے کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم کے بقول سلیس ترجمہ کی تکنیک کو بروئے کار لاتے ہوئے ان اشعار کے اردو تراجم کیے گئے ہیں۔ کیوں کہ ہم پہلے شعر میں دیکھتے ہیں کہ عربی کے کچھ الفاظ کے ترجمے سے گریز کیا گیا جو سلیس ترجمہ بحسب ضرورت اپنانا پڑتا ہے۔اسی طرح دوسرے شعر کے ترجمے میں بین القوسین کا استعمال کیا گیا اور بطور استشہاد اردو کا ایک شعر بھی درج کیا ہے۔ تیسرے شعر کے ترجمے میں سیاق وسباق کو ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ الفاظ کے اضافے کر کے ترجمہ کو سلیس بنایا گیا ہے ۔ مجموعی طور ترجمہ سلیس اور سادہ ہے جو طالب علموں کی ضرورتوں بہت اچھی طرح پورا کرتا ہے۔

تسہیل الدراسۃ إلی ترجمۃ الحماسۃ

یہ ترجمہ بھی مذکورہ بالا کتاب ''دیوان الحماسۃ'' کا اردو ترجمہ ہے۔ جس کو عربی ادب کے مشہور ادیب ذوالفقار دیوبندی نے انجام دیا ہے۔اس کتاب کو دیکھا جائے تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ بیک وقت عربی اور اردو دونوں میں ہے جس کا اعتراف خود مترجم نے کیا کہ حقیقت میں یہ دو شرحیں ہیں ایک عربی اور دوسری اردو میں اور اس واسطے کہ حل معانی اشعار اور ان کے حاصل کو دوسری زبان کے بیان کرنے میں زیادہ سعی کی گئی ہے۔اس میں مترجم نے حل لغت کے ساتھ تحقیق محاورات کو بھی عربی زبان میں درج کیا جس کے متعلق طلباء کی عربی زبان میں مہارت ہونا، درج کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی مزید وضاحت کے لیے اشعار کے مطلب خیز اردو ترجمہ کیا۔ ذیل کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

فان کان سحرا فاعذرینی علی الھوے وان کان داءً غیرہ فلک العذر

ترجمہ: پس اگر یہ جادو ہے تو مجھ کو محبت میں معذور سمجھ کیوں کہ یہ امر تیری طرف سے ہے اور اگر جادو نہیں ہے تو تو معذور ہے کیوں کہ یہ میرا قصور ہے۔[247]

اذالمراء لم یحل وقد جد جدہ اضاع وقاسی امرہ وہو مدبر

---

[246] اتقان الفراسۃ، ابوالحسن قادری بن محمد صادق، ص44

[247] تسہیل الدراسۃ، مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، ص10

ترجمہ: جب سختی کے وقت انسان کوئی حیلہ وتدبیر نہیں کرتا تو وہ اپنی جان ارکات کھوتا ہے اور حالت بدبختی میں تکلیف اٹھاتا ہے۔[248]

اقول لفتیانٍ ضرار ابوہم ونحن بصحراء الطعان وقوف

ترجمہ: میں ان جوانوں سے کہتا ہوں جو ضرار کی اولاد میں ہیں ایسے وقت میں کہ ہم نیزہ بازی کے جنگل میں کھڑے تھے۔[249]

ترجمے پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم واقعتاً مطلب خیز ترجمہ کیا ہے۔ کیوں کہ اردو الفاظ میں ایسے کئی ہیں جو عربی متن میں نہیں ہیں لیکن مترجم بامحاورہ ترجمہ کی تکنیک کو اپناتے ہوئے بالکل آسان بنادیا ہے۔ مترجم نے چوں کہ اشعار کی عربی میں الفاظ کی حل لغات کے ساتھ عربی میں بھی مفہوم کی وضاحت کی ہے۔ اردو میں مزید وضاحت کر کے طلباء کے لیے بڑی آسانی فراہم کر دی ہے۔ ترجمہ نہایت شفتہ و سلیس ہے۔

توضیح الدراسۃ فی شرح الحماسۃ

یہ بھی دیوان الحماسۃ کا اردو اور شرح ہے۔ جس میں مؤلف نے عربی اشعار کا اردو ترجمہ، پس منظر، مختصر تشریح، حل لغات جس میں لغوی و صرفی تحقیق اور نحوی ترکیب درج ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں قدیم ادب عربی کے دائرہ کار، ادب عربی کا ذوق اور اس کی ضرورت، ادب کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات، موضوع، غرض وغایت، وجہ تسمیہ، شعراء کے طبقات، علوم ادبیہ، حماسہ اور صاحب حماسہ کے متعلق بڑی تفصیل کے ساتھ معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

اس کتاب میں مترجم ایک خاص طریقہ اختیار کیا ہے کہ پہلے پہل شاعر کا مختصر تعارف، اشعار کا پس منظر پھر اس کے بعد اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔ ترجمہ قریب اللفظی ہونے کے ساتھ سلیس کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ موقع بموقع کچھ اشعار کی توضیح بھی کی گئی ہے، مبہم مفہوم کے لیے بین القوسین کا استعمال کیا گیا

---

[248] تسہیل الدراسۃ، مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، ص 13

[249] تسہیل الدراسۃ، مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، ص 207

ہے اور جہاں مستقل وضاحت یا توضیح کی ضرورت پیش آئی وہاں وضاحت بھی کی گئی ہے۔ ذیل کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں:

فوالله ما ادری وانی لصادق اداء عرانی من حبابک ام سحر

بخدا میں نہیں جانتا اور سچ کہہ رہا ہوں کہ تیری محبت کی وجہ سے مجھے کوئی بیماری لاحق ہوئی ہے یا جادو ہے (یعنی جس حال مقام میں میں ہوں کہ ایسی ہلاکت خیز جنگ میں بھی تجھے نہیں بھول سکتا۔ اس کیفیت میں یہ تعین میرے لیے مشکل ہے کہ اثر محبت ہے یا جادو۔[250]

وما ضرنا انا وقلیل وجارنا عزیز وجار الاکثرین ذلیل

اور یہ بات ہمارے لیے نقصان دہ نہیں کہ ہم کم ہیں، جب کہ ہمارے ہمسایہ عزت والے اور اکثر لوگوں کے ہمسایہ ذلیل ہیں۔[251]

وعلمت أنی ان اقاتل واحدا اقتل ولا یضرر عدوی مشہدی

اور میں نے یہ جان لیا کہ کہ اگر اکیلا لڑا تو مارا جاؤں گا اور لڑائی میں میری حاضری دشمن کو نقصان نہیں پہنچائے گی۔[252]

مذکورہ مثالوں کے ترجمے کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ گرچہ لفظی ہے لیکن اتنا رواں ہے کہ اندازہ نہیں ہوتا کیوں اردو ترجمہ روانی و سلاست ہے۔ جہاں ضرورت سمجھ میں آئی بین القوسین مترجم نے مختصر سی توضیح بھی درج کر دی تاکہ قاری کے سامنے کافی حد تک شعر کا مفہوم واضح ہو جائے۔

---

[250] توضیح الدراسۃ، مترجم و شارح: ابن الحسن عباسی، ص 50

[251] توضیح الدراسۃ، مترجم و شارح: ابن الحسن عباسی، ص 78

[252] توضیح الدراسۃ، مترجم و شارح: ابن الحسن عباسی، ص 114

مطر السماء شرح باب الحماسۃ

یہ بھی دیوان الحماسۃ کا اردو ترجمہ یا شرح ہے۔ جسے دو افراد (مولانا محمد حسین قاسمی اور مولانا صدیق ارکانی) نے انجام دیا ہے۔ کتاب کی تصدیق میں استاذ الفنون مولانا فضل اکبر خلجی، مولانا عبد الرشید اور مولانا شفیق احمد بستوی کے تاثرات کے ساتھ عرض شارح درج ہے۔ کتاب کے آخر میں صاحب کتاب مقدمۃ الادب والحماسۃ کے عنوان سے ایک ایسا تحقیقی بحث شامل کی ہے جو بلا مبالغہ ادب، عربی ادب، شعر، شعراء پر بہت ہی جامع ہے۔ یہ کتاب تقریبا 500 صفحات پر مشتمل ہے۔

اس میں ہر شاعر کا مختصر سا تعارف، اشعار کا پس منظر، ہر شعر کا عام فہم اور سلیس اردو ترجمہ، عربی الفاظ کی صرفی و نحوی تحقیق اور مخصوص الفاظ کی نحوی ترکیب بھی شامل ہے۔ ذیل میں کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں:

لم ار قوما مثلنا خیر قومہم　　اقل بہ منا علی قومہم فخرا

میں نے اپنی قوم کی مثل بہترین قوم نہیں دیکھی جو ہم میں سے ہونے کے باوجو اپنی قوم پر کم فخر کرتی ہے (حالانکہ بزرگی اور شرافت میں اعلی ہونے کی حیثیت سے یہ ان کا حق تھا، کوئی اور قوم ایسی نہیں ہوگی)۔[253]

وقال بعضُ بَنِی جَرْمٍ مِنْ طَیٍّ (جاہلی شاعر ہے، بنی جرم بن عمرو بن الغوث بن الطی سے تعلق ہے)

اخالک موعدی ببنی جفیف　　وہالۃ اننی انہاک ہالا

تمہارے بارے میں میرا خیال ہے کہ تم مجھے بنی جفیف اور ہالہ سے ڈرانے والا ہو، اے بنی ہالہ میں تمہیں روکتا ہوں میرے خلاف دو دشمنوں کی مدد کرنے سے۔[254]

کفانی عرفان الکری وکفیتہ　　کلوء النجوم والنعاس معانقۃ

کافی کر دیا عرفان نے مجھے سونے سے، اور میں نے بھی اسے کافی کر دیا ستاروں کی حفاظت (یعنی جاگنے

[253] مطر السماء، مولانا محمد حسین قاسمی، مولانا صدیق ارکانی، ص 123

[254] مطر السماء، مولانا محمد حسین قاسمی، مولانا صدیق ارکانی، ص 127

سونے)سے،اور اس حال میں نینداس سے معانقہ کررہی تھی۔(یعنی اس کا سر نیند سے ادھر ادھر گررہا تھا اس لیے میں نے اس کو سونے دیا)۔[255]

بقول مترجم سلیس ترجمہ کی تکنیک کو برتا گیا ہے، چنانچہ درج بالا اشعار کے اردو ترجمے پر صرف نظر کرتے ہیں تو ترجمے میں کافی حد تک دکھاتی دیتی ہے اور جہاں کہیں وضاحت مطلوب ہوئی وہاں بین القوسین کا استعمال بھی کیا گیا، لیکن ساتھ کچھ اشعار کے ترجمے پر نظر ڈالتے ہیں تو ایسا لگتا ہے لفظی ترجمہ کی تکنیک کو بہت سے مقامات پر برتا گیا ہے، لیکن مجموعی طور ترجمے میں سلاست اور روانی بہر صورت نظر آتی ہے جو ترجمے کی خوبصورتی میں اضافہ کرتی ہے۔

السبع العلقات

قدیم عربی فن ادب ایک ایسا عمدہ ذخیرہ ہے جس میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، السبع المعلقات ان میں سے بہت اہم ہے، ان کے طرزِ بیان میں وہ تشبیہات، استعارات اور کنایے وغیرہ استعمال کیے گئے جو آج بھی مروج و مستعمل ہیں۔ معلقات کو عربی ادب میں ایک استناد حاصل ہے جس کے اشعار بطور استشہاد آج بھی عربی ادیب استعمال کرتے ہیں۔

یہ معلقات ایسا ادبی شہ پارہ ہے جو بعثت نبویﷺ سے بہت پہلے کہے گئے، زمانہ جاہلی کے مایہ ناز سات عربی داں کے مختلف اشعار ہیں جو اپنی عظمت کے باعث بیت اللہ شریف کے لٹکائے گئے تھے، اسی وجہ سے معلقہ (لٹکائے ہوئے) سے موسوم ہے اور ان ساتوں کے معلقات کو السبع المعلقات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو عربی ادب کے اعلیٰ درجہ سات شاہکاروں کا مجموعہ ہے جو عرصہ دراز سے مقبول و معروف ہے۔ ساتوں معروف شعراء امرؤالقیس، طرفۃ بن العبد، زھیر بن اُبی سلمیٰ، لبید بن ربیعۃ العامری، عمرو بن

---

[255] مطر السماء، مولانا محمد حسین قاسمی، مولانا صدیق ارکانی، ص 163

کلثوم، عنترۃ بن شداد، حارث بن حلّزہ ہیں۔ اردو میں اس کے کئی تراجم کیے گئے ہیں، ذیل میں ان تراجم کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

التوشیحات علی السبع المعلقات (شرح: سبعہ معلقہ)

یہ السبع المعلقات کا اردو اور شرح ہے۔ جسے قاضی سجاد حسین صاحب نے انجام دیا ہے۔ کتاب کی ابتداء میں کچھ بہت ہی پائے کے علمائے کرام کی تقریضات شامل ہیں جس میں مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند)، مولانا اعزاز علیؒ (شیخ الادب والفقہ، دارالعلوم دیوبند)، مولانا سید فخر الدینؒ (شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ شاہی مسجد، مرادآباد) ہیں، ساتھ صاحب کتاب کی گذارش بھی درج ہے۔ کوئی مقدمہ تحریر نہیں کیا گیا ہے کہ جس میں اس ترجمہ اور شرح نیز السبع المعلقات کے متعلق کوئی معلومات درج ہے۔ اگر مذکورہ باتوں کو تحریر کیا گیا ہوتا تو اپنائے گئے ترجمہ کے اصول وغیرہ جنھیں دوران ترجمہ اپنایا گیا، تو قاری کے سامنے بہت سی چیزیں واضح ہو جاتیں۔

کتاب مذکور پر صرف نظر کرنے کے بعد یہ دیکھا گیا ہے کہ مؤلف کتاب نے کافی حد تک لفظی ترجمہ کی طرز کو اپنایا گیا ہے لیکن بین القوسین کچھ حذف واضافہ سے کام لیا گیا، نیز بعض اشعار کے تحت اس کے مطلب کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ہر شاعرِ معلقہ کے بارے میں بھی کچھ معلومات درج کی گئی ہیں۔ بالترتیب ہر صفحہ کے دائیں بائیں عربی میں حل عبارت بھی کی گئی ہے۔ ذیل میں کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں:

وظلم ذوی القربے اشد مضاضۃ   علی المرء من وقع الحسام المھند

رشتہ داروں کا ظلم آدمی پر ہندی قاطع تلوار کے وار سے بھی کاٹ ہیں زیادہ سخت ہے۔ مطلب: انسان ہندی تلوار کی ضرب برداشت کر سکتا ہے لیکن رشتہ داروں کا ظلم نہیں سہا جا سکتا۔[256]

---

[256] التوشیحات علی السبع المعلقات، مولانا قاضی سجاد حسین، ص 35

والعين ساكنة على اطلاءها عوذا تاحل بالفضاء بها مها

وحشی گائیں درآں حالیکہ وہ نوزائیدہ ہیں اپنے بچوں کے پاس کھڑی ہیں اوران کے بچے کھلے میدان میں ریوڑ،ریوڑ(پھرتے)ہیں۔[257]

مطلب: غرض کہ اب وہ دیار حبیب وحشی جانوروں کا مسکن بن گئے۔

ادعو بهن لعاقراو مطفل بذلت لجيران الجميع لحامها

میں ان تیروں کے ذریعہ بانجھ یابچہ دار اونٹنی کے لیے بلاتاہوں جس کا گوشت تمام ہمسایوں میں تقسیم کیا جاوے۔ مطلب: کم درجہ کی اونٹنی ذبح نہیں کرتابلکہ بیش قیمت ذبح کرتاہوں۔[258]

مندرجہ بالا بطور مثال پیش کیے گئے اشعار کے اردو تراجم کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ بہت زیادہ سلیس اور نہ بہت زیادہ لفظی ہے بلکہ بین بین کا طریقہ اپنایا گیاہے، جہاں کہیں کچھ وضاحت کی ضرورت آن پڑی وہاں بین القوسین کا استعمال کیا گیا۔ان سب کے ساتھ مطلب درج کے اشعار کی توضیح کر دگئی تاکہ مفہوم واضح ہو جائے۔

تسہیلات اردو شرح سبع المعلقات

یہ بھی السبع المعلقات کا اردو ترجمہ اور شرح ہے۔ جسے مولانا محمد ناصر نے انجام دیاہے۔کتاب کی ابتداء میں بہت مختصر طور پر مقدمہ تحریر کیا گیا جس میں ادب اور اس کی تعریفات کو درج ہیں۔ یہ کتاب 200 سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔

مترجم وشارح میں اس میں ترجمہ کے متعلق کوئی اصول اور طریقہ کار درج کیاہے جس کی روشنی یہ فریضہ انجام دیاہے۔ مؤلف کتاب نے ہر معلقہ کے اشعار کے ترجمے سے پہلے صاحب معلقہ یعنی ہر معلقہ کے

[257] التوشیحات علی السبع المعلقات، مولانا قاضی سجاد حسین، ص54

[258] التوشیحات علی السبع المعلقات، مولانا قاضی سجاد حسین، ص66

شاعر کے بارے میں اجمالی طور پر معلومات فراہم کی ہیں۔ بعدہ شعر کا اردو ترجمہ، حل عبارت اور شعر کی تشریح تحریر فرمائی ہے۔ ذیل میں کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں:

وان شئت سامی واسط الکورراسھا   وعامت بغضبعیھا نجاءالخفیدد

ترجمہ: اور اگر تو چاہے تو اس کا سر پالان کی اگلی لکڑی سے بلند ہو جائے گا اور اپنی دونوں بازوؤں کے ذریعہ شتر مرغ کی تیزروی کی طرح تیرے گی (تیر چلنے لگے گی)۔

تشریح: اس شعر کے ذریعے شاعر اپنی اونٹنی کی تیز رفتاری کو بیان کر رہا ہے کہ مقدم رحل سے سر کا بلند ہو جانا خاص تیز رفتاری کے وقت ہوتا ہے۔[259]

فاقطع لبانۃ من تعرض وصلہ   ولخیر واصل خلۃ صرامھا

جس کا وصل (تعلق) معرض زوال میں ہو اس سے قطع تعلق کر لے۔ دوستی کرنے والا وہی بہتر ہے جو (ضرورت کے وقت) قطع تعلق کر لے (تاکہ ہجر کے مصائب زیادہ برداشت کرنے نہ پڑیں)۔

تشریح: بعض کتابوں میں بجائے لخیر واصل کے ولشر واصل الخ ہے تو اس صورت میں اس شخص کی مذمت ہو گی جو دوستی نہ نبھائے۔ لیکن پہلی روایت اگلے شعر کے مناسب ہے۔ اس شعر میں شاعر یہ بیان کر رہا ہے کہ جو محبوبہ ایک جگہ سکونت اختیار نہیں کر سکتی اس سے استفادہ ممکن نہیں۔ اب اس کی احتیاج ہی چھوڑ دے جس کا وصل ہی ٹیڑھا ہے۔ اس سے قطع تعلق ہی کر لے۔[260]

أفتلکَ أم وحشیۃٌ مسبوعۃٌ   خذلتْ وھادیۃُ الصِّوارِ قِوامُھا

ترجمہ:۔ پس یہ گور خرنی (میری اونٹنی کے مشابہ ہے) یا وہ بقرہ وحشیہ جس کے بچہ کو درندوں نے کھالیا ہو جو کہ ریوڑ سے پیچھے رہ گئی تھی درآں حالیکہ گلے کا اگلا جانور محافظ ہوتا ہے۔

تشریح: یعنی وہ گور خرنی جسامت اور مضبوطی میں میری اونٹنی کے مشابہ ہے یا اس بقرہ وحشیہ کے جس کے ریوڑ سے بچھڑ کر اکیلا رہ جانے کی وجہ سے اس کے بچے کو درندوں نے کھالیا ہو۔[261]

---

[259] تسہیلات، مولانا محمد ناصر، ص56

[260] تسہیلات، مولانا محمد ناصر، ص109

[261] تسہیلات، مولانا محمد ناصر، ص114

مذکورہ تینوں اشعار کے تراجم پر صرف نظر کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم نے بامحاورہ ترجمہ کی تکنیک کو اپنائے ہوئے ترجمہ نگاری کے فریضہ کو انجام دیا ہے اور بحسب ضرورت وضاحت کے لیے بین القوسین کا بھی استعمال کیا ہے۔ان ترجمے کو پڑھنے کے بعد قاری کو مزید وضاحت کی ضرورت نہیں تھی لیکن پھر تشریح درج کرکے مزید وضاحت کر دی گئی ہے تاکہ کسی قسم کا کوئی نقطہ باقی نہ رہ جائے۔ترجمہ واقعتاً بڑا رواں اور سلیس ہے۔

تصریحات (مکمل اردو شرح السبع المعلقات)

سبع معلقات کا یہ ترجمہ پاکستان کے مولانا عتیق الرحمن عتیق (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) کا ہے ۔اس کتاب میں مختلف اساتذہ کی تقاریظ کے ساتھ مؤلف کتاب نے ادب، علم ادب کا موضوع، علم ادب کی اہمیت اور زبان عربی کی وسعت کے تحت درختوں اور پودوں، علاقوں اور مقامات ،راستوں وغیرہ کے بارے میں بڑی باریک چیزوں کو درج کیا ہے جس سے زبان عربی کی وسعت کا اندازہ لگتا ہے جیسے ایسی زمین جہاں کثرت سے ریت ہو،اسے عربی میں ''عقنقل'' سے تعبیر کرتے ہیں،اس سے کم ریت والی جگہ کو کثیب''اور اسی طرح بالترتیب کم ریت والی زمین کو عوکل،سقط،عداب اور لبب سے تعبیر کرتے ہیں۔یہ کتاب 300 سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔

صاحب کتاب نے سبع معلقات اور اس وجہ تسمیہ کے متعلق بھی اہم معلومات درج کی ہے۔سخنہائے گفتنی کے تحت مؤلف کتاب نے کچھ اہم باتیں اس کتاب میں برتے گئے طریقے کے بارے میں تحریر کیا،مذکور ہے کہ اس میں صرفی ونحوی تحقیق کے ساتھ مختلف مقامات پر قرآنی آیات بطور استشہاد پیش کیا گیا ہے۔مؤلف نے ہر معلقہ کے شاعر کے متعلق بہت تحقیقی بحث کا اضافہ کیا ہے جو ادب کے طالب علموں اور تشنہ علم کے لیے بہت مفید ہے۔ترجمے میں روانی اور سلاست کا اندازہ ہوتا ہے،ذیل میں کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں:

ولولا ثلاث هن من عيشة الفتى وجدک لم احفل متى قام عودى

پس اگر وہ تین چیزیں نہ ہوتیں جو ایک (شریف) نوجوان کے واسطے باعث زندگانی ہیں تو تیری عظمت کی قسم! مجھے اس کی کچھ پرواہ نہ ہوتی کہ میرے پرسان حال (میری زندگی سے مایوس ہو کر) کب اٹھ کھڑے ہوئے۔

مطلب: اگر یہ لذائذ ثلاثہ (جو آئندہ اشعار میں مذکور ہیں) نہ ہوتے تو مجھے اپنے مرنے کی کوئی پرواہ نہ ہوتی۔ محض انہی تین چیزوں کے آسرے پر زندگانی ہے۔[262]

فمدافع الریان عری رسمها خلقا کما ضمن الوحی سلامها

پھر (کوہ) ریان کی نالیاں (احباب کے چلے جانے کی وجہ سے وحشت ناک ہو گئیں) جن کے نشانات در آں حالیکہ وہ پرانے پڑ گئے تھے، اس طرح واضح کر دئے گئے جس طرح کہ چکنے وچوڑے پتھر نقوش کتابت کے ضامن ہوتے ہیں۔

مطلب: نالے اٹ جانے کے بعد بارش اور سیلاب سے پھر نمودار ہو گئے ج طرح کہ کندہ پتھر کی کتابت عرصہ کے بعد کچھ نمایاں رہ جاتی ہے۔[263]

لایطبعون ولا یبور فعالھم اذ لا یمیل مع الھوی احلامھا

وہ اپنی آبرو عیب دار نہیں کرتے اور نہ ان کے کام فاسد ہوتے ہیں (بلکہ) ان کی عقول خواہشات نفسانی کے تابع نہیں ہوتیں۔

مطلب: ہر کام عقل کی روشنی میں کرتے ہیں نہ تو ان کی آبرو پر کبھی دھبہ آتا ہے اور نہ ان کا کوئی کام خراب ہوتا ہے۔[264]

ترجمہ پر صرف نظر کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ سلیس ترجمہ کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی اور بعض مقامات پر حسب ضرورت مزید وضاحت کے لیے بین القوسین کا اضافہ کیا گیا ہے۔ بعدہ ہر شعر کے ترجمے کے نیچے اس کا مطلب بھی زیر تحریر لایا گیا ہے۔ جو طلباء کی درسی ضرورت کے مناسبت سے اپنایا گیا ہے۔

---

[262] تصریحات، مولانا عتیق الرحمن عتیق، ص119

[263] تصریحات، مولانا عتیق الرحمن عتیق، ص184

[264] تصریحات، مولانا عتیق الرحمن عتیق، ص221

عربی ادب کے سات منظوم شاہکار(السبع المعلقات مع اردو ترجمہ و شرح)

یہ السبع المعلقات کا صرف ترجمہ اور تشریح ہے جس کو مولانا قاضی سجاد حسین نے انجام دیاہے۔صاحب کتاب میں آغاز کتاب میں کوئی مقدمہ درج نہیں کیا ہے کہ ہم اس میں اپنائے گئے اصول وطریقہ ترجمہ کے متعلق ان کی ذاتی رائے جان سکیں۔کتاب تقریباً100 صفحات پر مشتمل ہے۔ذیل میں کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں:

فلما عرفت الدار قلت لربعها ألا أنعم صباحا ایها الربع واسلم

پس(تامل کے بعد)جب گھر کو پہچان لیا تو میں نے اس کے گھر کو(مخاطب کرکے)کہا کہ اے دار حبیب !تو صبح کے وقت خدا کرے خوش عیش رہے اور(لوٹ مار سے)سالم و محفوظ رہے۔[265]

فتوسطا عرض السری وصدعا مسجورة متجاوراً قلامها

پس(تامل کے بعد)جب گھر کو پہچان لیا تو میں نے اس کے گھر کو(مخاطب کرکے)کہا کہ اے دار حبیب !تو صبح کے وقت خدا کرے خوش عیش رہے اور(لوٹ مار سے)سالم و محفوظ رہے۔[266]

وهم الساعة اذا العشيرة أفظعت وهم فوارسها وهم حكامها

جب قبیلہ کسی خطرناک مصیبت میں مبتلا کر دیا جائے تو وہی لوگ کوشاں ہیں اور وہی(جنگ کے وقت)شہسوار اور(جھگڑے نمٹانے کے وقت)حاکم ہوتے ہیں۔مطلب:غرض ہر طرح سے قبیلہ کے محافظ و نگراں وہی لوگ ہیں۔[267]

ترجمے پر جب نظر ڈالتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ مترجم نے سادہ ترجمہ کی تکنیک کو اپنایا ہے اور بحسب ضرورت قوسین میں وضاحت بھی درج کی ہے اور تقریباًہر شعر میں ضمیر کے مرجع کو بھی درج کیاہے۔ترجمے

---

[265] عربی ادب کے سات منظوم شاہکار،مولانا قاضی سجاد حسین،ص38

[266] عربی ادب کے سات منظوم شاہکار،مولانا قاضی سجاد حسین،ص52)

[267] عربی ادب کے سات منظوم شاہکار،مولانا قاضی سجاد حسین،ص60)

کو پڑھنے کے بعد قاری کو مزید کسی قسم کی وضاحت یا تشریح کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ مطلب خیز ترجمہ کیا گیا ہے، مطلب درج کر کے مزید وضاحت کر دی گئی ہے۔

باب پنجم

اردو زبان وادب پر عربی ادب کے تراجم کے اثرات

ہم نے گزشتہ ابواب میں اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے کہ اردو زبان میں عربی ادب کے کیا کیا تراجم ہوئے اور فن ترجمہ کے اعتبار سے ان تراجم کا معیار اور مقام کیا ہے۔ عربی ادب کے تراجم نے جہاں اردو زبان کو مختلف النوع ادبی شہ پاروں سے مالامال کیا اور عربی کی ادبی روایت سے اسے روشناس کروایا وہیں ابتدائی زمانے سے ہونے والے ان تراجم نے اردو زبان و ادب کو مختلف حیثیتوں سے متاثر بھی کیا ہے۔ اردو زبان پر عربی کے یہ اثرات جہاں زبان سے اخذ و استفادے کے سبب پڑے ہیں وہیں ان تراجم کے ذریعے بھی بہت وسیع پیمانے پر اردو نے عربی کے اثرات کو قبول کیا ہے۔

یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ازل ہی سے مختلف زبانوں کے مابین تعلقات پائے جاتے ہیں، ایک زبان دوسری زبان سے اخذ و استفادہ کرتی ہے جس کے باعث باہم ایک دوسرے سے متاثر ہونا لازم ہے۔ ایک زبان کا واسطہ جب دوسری زبان سے پڑتا ہے تو مختلف النوع اثرات مرتب ہوتے ہیں کہیں لسانی اثرات، تو کہیں تہذیبی، اسلوبیاتی اور موضوعاتی اثرات وغیرہ واضح طور پر نظر آتے ہیں جو دراصل زبانوں کے باہم اختلاط اور ایک دوسرے سے لین دین کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس بات پر ماہرین کا اتفاق ہے کہ دنیا میں جتنی بھی زبانیں پائی جاتی

ہیں سب پر کسی نہ کسی زبان کے اثرات پائے جاتے ہیں۔زبانوں کے مابین لین دین اور تاثیر وتاثر ایک عام سی بات ہے یا یوں کہہ لیں کہ زبانوں کے مابین ایک دوسرے کا اثر قبول کرنا ایک فطری امر ہے۔زبانیں باہم اخذ واستفادہ کرتی ہیں۔اس ضمن میں مغربی ماہر لسانیات Sayce کا کہنا ہے کہ :

"یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ دنیا میں جتنی بھی زبانیں پائی جاتی ہیں ان میں کوئی ایک زبان بھی ایسی نہیں جو بالکل خالص اور دوسرے زبانوں کے اثرات سے بالکلیہ پاک ہو"۔[268]

کوئی بھی زبان دوسری زبانوں کے اثرات سے خالی نہیں ہے حتی کہ عربی زبان۔ جسے ام اللغات یعنی زبانوں کی ماں سے موسوم کیا جاتا ہے،دوسری زبان کے اثرات سے خالی نہیں کیوں کہ اس میں سریانی،عبرانی اور دوسری زبانوں کے بہت سے الفاظ پائے جاتے ہیں جسے ماہرین عربی زبان 'معرب' سے موسوم کرتے ہیں۔عربی زبان کے دوسرے زبانوں کے اثرات کی سب سے بڑی دلیل قرآن مجید ہے جس میں دوسری زبانوں کے کافی الفاظ شامل ہیں۔

"علامہ جلال الدین سیوطی نے قرآن پاک میں دوسری زبانوں کے الفاظ جو عربی میں داخل ہوئے ہیں،انہیں جمع کیا ہے جن کی تعداد 126 کے قریب ہے۔یہ الفاظ گیارہ زبانوں یعنی حبشی،فارسی،رومی،ہندوستانی،سریانی،عبرانی،نبطی،ترکی بربری اور زنجی سے منقول ہیں"۔[269]

---

[268] Sayce, Introduction to the scince of language, IInd Edition, (London,1:170)۔

[269] (الألفاظ القرآنية المعربة الواردة في النص، ص:169-187

عربی زبان وادب کی وسعت و گہرائی اور اس کا دوسری زبانوں کے ساتھ تعلق کافی پرانا ہے۔ ایچ۔ اے۔ آر گب نے اپنی کتاب "Arabic Literater-An Introduction" میں عربی زبان کی غیر معمولی وسعت کی طرف کچھ یوں اشارہ کیا ہے:

> "Arabic literature is the enduring monument of a civilization, not of a people. Its contributors were men of the most varied ethic origins".
>
> "یعنی عربی ادب محض کچھ لوگوں کی نہیں بلکہ ایک تہذیب کی عظیم یادگار ہے۔ اس میں مختلف النوع نسل کے افراد نے اپنا حصہ ادا کیا ہے"۔[270]

اس باب میں ہم نے اردو پر عربی کے مختلف اثرات پر بحث کی ہے۔ اور جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے یہ اثرات اولین زمانے سے ہونے والے تراجم کی وجہ سے بہت زیادہ مرتب ہوئے ہیں کیوں کہ ترجمہ کرنے والوں نے عربی کے مختلف عناصر کو من و عن اردو میں منتقل کر دیا تھا۔

ہم جانتے ہیں کہ اردو زبان کی تشکیل میں مختلف زبانوں کا بہت ہی اہم کردار رہا ہے، اس لیے اس کا مختلف النوع اثرات سے مبرا ہونا ناقابل قبول ہے۔ اردو زبان کا جہاں علاقائی زبانوں کے ساتھ اختلاط رہا اور جس کے باعث ان زبانوں کے اثرات اردو زبان میں جابجا نظر آتے ہیں، ٹھیک اسی طرح عربی زبان کے ساتھ ابتداء سے ہی اختلاط کے باعث اس کی نشوونما میں کافی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اردو زبان کی تشکیل و تعمیر میں عربی اور فارسی کا اہم کردار ہے، اس کے متعلق یہ بات مشہور و معروف ہے کہ اردو زبان کا عربی و فارسی سے رضاعت کا رشتہ ہے یعنی اسی سے اخذ و استفادہ کے بعد وہ وجود میں آئی۔ جب اردو زبان کا تعلق اس قدر ہے تو اس پر عربی کے مختلف النوع اثرات اور اس سے اخذ و استفادہ کا پایا جانا لازم و ملزوم ہے۔

---

[270] بحوالہ عربی ادب قبل از اسلام، ص:13

بہت سے حضرات کا یہ ماننا ہے کہ اردو کی ترویج واشاعت یاالفاظ کے اخذ واستفادہ میں فارسی پہلے مقام پر ہے،ان کا کہنا ہے کہ عربی زبان کے جو بھی اثرات اردو پر مرتب ہوئے ہیں وہ فارسی کے توسط سے ہی ہوئے ہیں،ان کی دلیل یہ ہے کہ اردو کی پیدائش کے وقت یہاں عربوں کی حکمرانی نہیں تھی، کیوں کہ ان کا دور 92ھ سے 416ھ تک ہے جبکہ اردو زبان کا ظہور تقریباً ساتویں صدی ہجری کے بعد اس دور میں ہوا جب ہندوستان پر غیر عرب یعنی افغانی، ترک اور مغل بادشاہوں کی حکمرانی تھی اور جن کی زبان فارسی رہی ہے۔اس لیے یہ کہنا کہ اردو پر عربی کے بلاواسطہ اثرات مرتب ہوئے،ان کے مطابق درست نہیں ہے۔ لیکن پروفیسر علیم اشرف جائسی اس رائے سے اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اردو پر سب سے زیادہ اثرات فارسی کے نہیں بلکہ عربی ہی کے ہیں۔ کیوں کہ جہاں تک مطلق اثرات کا تعلق ہے تو اچھی اردو بولنے اور جاننے والا عربی کے اثرات سے انکار نہیں کر سکتا۔ عربی کے اردو پر اثرات کے متعلق ڈاکٹر علیم اشرف جائسی اپنی کتاب ''اردو زبان وادب پر عربی کے اثرات'' میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''باوجود یہ کہ اردو کی نشوونما میں کئی زبانوں کا دخل رہا ہے لیکن عربی زبان اس میدان میں سب سے آگے ہے۔اردو زبان کی ترویج وترقی میں سب سے اہم کردار عربی زبان کا ہی رہا ہے۔اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اردو پر فارسی زبان کا واضح اور مضبوط اثر ہے لیکن اس میں بھی عربی کا اثر شامل ہے؛ کیوں کہ فارسی پر عربی زبان کا اثر ہے۔ بلکہ فارسی کی نشوونما عربی کے گہوارے میں ہوئی، فارسی عربی کے زیر سایہ جوان ہوئی اور اسی کے تعاون سے ترقی کے مراحل طے کیے۔''[271]

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ اردو زبان وادب پر عربی کے کافی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔اردو میں عربی سے مستعار الفاظ، تعبیرات، اصطلاحات وغیرہ جابجا طور پر ہمیں دیکھنے کو ملتی ہیں جیسے کسی

---

[271] اردو زبان اودب پر عربی کے اثرات، ص59

بھی شاعر کے اشعار، روزمرہ کی بات چیت میں دیکھا جاسکتا ہے۔ علامہ اقبال کا یہ شعر جس میں خالص عربی الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

اسی طرح اور بہت سے دوسرے اشعار ہیں جن خالص عربی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ ناسخ کا شعر ہے۔

ظلم طول شب ہجراں کے تطاول نے کہا
داد رس کوئی بجز خالق الاصباح نہیں

یہاں زیر بحث موضوع عربی زبان کے اثرات سے متعلق ہے۔ چنانچہ اردو زبان پر عربی کے لسانی، تہذیبی، اسلوبیاتی و موضوعاتی مختلف اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اس وقت ان میں سے اول الذکر صرف دو اثرات یعنی لسانی و تہذیبی اثرات پیش نظر ہوں گے اور اسی دائرے کے اندر رہتے ہوئے حتی المقدور تحقیقی بحث کی جائے گی۔

لسانی اثرات:

ترجمے نے سب سے زیادہ جو اثرات مرتب کیے ہیں انہیں ہم لسانی اثرات کہہ سکتے ہیں۔ کیوں کہ عربی کے ساتھ اردو کا ارتباط کا سب سے زیادہ موثر عمل ترجمے کے دوران ہی ہوتا رہا۔ ویسے بھی ترجمہ بنیادی طور پر ایک لسانیاتی عمل ہے جس میں دو زبانوں کے درمیان باہمی تعامل مختلف سطحوں پر ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ اردو زبان کی نشوونما اور اس کی ترقی میں دوسری علاقائی زبانوں کے ساتھ ساتھ بیرونی

زبانوں میں عربی زبان کا بہت اہم کردار رہا ہے ۔اس زبان نے اردو پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ترجمے کے دوران ہونے والے باہمی تعامل کے نتیجے میں وہ زبان بہت زیادہ اثرات مرتب کرتی ہے جو زیادہ ترقی یافتہ ہو چنانچہ اردو پر عربی کے گہرے اثرات کی سب سے بڑی وجہ عربی زبان کی لسانی ولغوی فوقیت ہے۔ کیوں کہ عربی زبان کی بے شمار لسانی خصوصیات ہیں جو شاید ہی کسی دوسری زبان میں ملتی ہیں۔ لسانیاتی نقطہ نظر سے دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ عربی زبان الفاظ ومفردات اور قواعد ،علوم بلاغت کے باعث دنیا کی دوسری زبانوں کے بالمقابل کافی ثروت مند اور مال دار ہے۔اردو زبان پر عربی زبان کے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں،اس میں عربی زبان کے تقریباً تمام لسانیاتی پہلو واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ جس کے باعث بہت سی معنوی ولفظی تبدیلیاں بھی رونما ہوئی ہیں،ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی رقم طراز ہیں:

> ”زبانوں میں تغیر و تبدیلی واقع ہونا ایک مسلمہ اصول ہے۔ لیکن تبدیلی کا یہ عمل اس وقت اور تیز ہو جاتا ہے جب دوسری زبان کے الفاظ کسی زبان میں داخل ہونے لگتے ہیں۔ایک زبان سے دوسری زبان میں الفاظ کا داخل ہونا بڑی اہمیت کا حامل ہے، کیوں زبانیں کسی بھی معاشرے کا آئینہ ہوتی ہیں جس میں تمام معاشرتی تبدیلیوں کا عکس جھلکتا ہے۔[272]

زبان کا معاملہ کچھ یوں ہے کہ جیسے جیسے وہ پروان چڑھتی ہے یا اس میں موجود علوم یا ادب ترجمے کے ذریعے کسی دوسری زبان سے منتقل ہوتا ہے تو منتقلی کے اس عمل سے اس میں نئے نئے الفاظ در آتے ہیں۔ کیوں کہ زبان اپنی نشو ونما میں دوسری زبانوں سے کافی اخذ واستفادہ کرتی ہے، لہٰذا یہی معاملہ اردو کے ساتھ ہے کہ اردو میں عربی زبان کے بہت سارے الفاظ براہ راست داخل ہوئے اور بہت سے فارسی کے توسط سے اردو زبان کا حصہ بنے۔

---

[272] اردو زبان وادب پر عربی کے اثرات، ص،127-128

اردو زبان میں عربی کے لسانی اثرات کو اردو زبان کے لغات، قواعد، مختلف علوم وغیرہ پر ہمیں غائر نظر سے دیکھنا ہو گا کہ کس حد تک اردو زبان میں مذکورہ چیزوں پر عربی کے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اجمالاً انہیں علیحدہ طور پر بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اردو لغات میں ایسے الفاظ جو عربی سے اردو میں داخل ہوئے ہیں ان کی مختلف اقسام ہیں۔

معنوی تبدیلی کے بغیر اردو میں مستعمل عربی الفاظ

اردو میں عربی کے بہت سے ایسے الفاظ دخیل ہوئے ہیں جنہوں نے بغیر کسی معنوی تبدیلی کے ساتھ اردو میں اپنی جگہ بنائی ہے۔ کچھ الفاظ بطور مثال درج کیے جاتے ہیں۔ جیسے اتباع، اثبات، بیان، تجارت، تجاوز، تکالیف، داخل، خارج وغیرہ وغیرہ۔ الغرض حروف تہجی کے ہر حرف سے شروع ہونے والے ایسے عربی الفاظ بطور مثال دیے جاسکتے ہیں جو اردو میں من و عن داخل ہوئے اور اپنے اسی معنی کے ساتھ مستعمل ہیں۔ لیکن یہاں ان سارے الفاظ کو درج کرنا باعث طوالت ہو گا۔

معنوی تبدیلی کے ساتھ اردو میں مستعمل عربی الفاظ

اردو زبان میں عربی کے دخیل یا یوں کہیں کہ مستعار الفاظ جہاں بغیر کسی معنوی تبدیلی کے واقع ہوئے تو وہیں بہت سے ایسے الفاظ ہیں جن میں لفظی و معنوی تبدیلیاں در آئیں ہیں، وہ اہلِ زبان کا مستعار الفاظ کے استعمال میں سستی، کاہلی، سننے یا سمجھنے میں کمی، دخیل الفاظ کے متعلق غلط العوام کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں۔ معنوی تبدیلی کے متعلق ماہر لسانیات عبدالواحد وافی لکھتے ہیں:

> ”اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب ایک لفظ کسی زبان سے دوسری میں یا ایک لہجے سے دوسرے میں منتقل ہوتا ہے تو انہیں معاشرتی احوال کے مطابق اس میں تبدیلی یا تحریف ہو جاتی ہے۔ جن میں یہ لفظ منتقل ہوا ہے۔ کبھی اس لفظ کا عام معنی خاص بن جاتا ہے، کبھی بعض معنوں میں محدود ہو جاتا ہے

اور کبھی اس کا خاص مدلول عام ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس معنی کے لیے لفظ وضع کیا گیا ہے اس کے علاوہ کسی اور معنی میں مستعمل ہونے لگتا ہے۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک لفظ اپنے مقام سے گر کر فحش کلام کی صورت اختیار کرلیتا ہے اور کبھی کوئی لفظ بلند ہو کر شریف اور پسندیدہ الفاظ کی منزل میں داخل ہو جاتا ہے اور اسی طرح مزید۔''[273]

معنوی تبدیلی کے ضمن بہت سارے الفاظ کی فہرست دی جاسکتی ہے لیکن یہاں مختصراً چند ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جیسے عربی لفظ 'شراب' (کسی بھی قسم کی پینے والی چیز) اردو میں نشہ آور مشروب، خمر کے معنی میں، 'مکان' (جگہ) اردو میں گھر کے معنی، 'صدر' (سینہ) اردو میں پرنسپل کے معنی میں، 'مکتب' (دفتر) اردو میں مدرسہ کے معنی میں، 'صدمہ' (ٹکراؤ) اردو میں رنج و غم کے معنی، 'محل' (جگہ) اردو میں شاندار گھر کے معنی میں، 'دفتر' (کاپی) اردو میں آفس کے معنی میں، 'بخار' (بھانپ) اردو میں جسمانی حرارت کے معنی میں، 'حکیم' (فلسفی) اردو میں طبیب کے معنی میں، 'تعویز' (پناہ دینا) اردو میں آیات، دعاء یا اسماء الٰہی کا کاغذ پر نقش جس کو گردن میں پہنتے ہیں کے معنی میں، 'دولت' (حکومت) اردو میں مال وزر کے معنی میں، 'رحل' (کجاوہ) اردو میں لکڑی سے بنی تختی جس پر قرآن رکھتے ہیں کے معنی میں، 'زحمت' (بھیڑ) اردو میں تکلیف کے معنی میں، 'شربت' (گھونٹ) اردو میں جوس کے معنی میں مستعمل و رائج ہیں۔

عربی سابقوں اور لاحقوں کے ساتھ مستعمل الفاظ

اردو میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو سابقے و لاحقے کے ساتھ استعمال میں لائے جاتے ہیں، ان سابقوں اور لاحقوں میں کچھ تو خود عربی زبان کے ہوتے ہیں لیکن زیادہ تر سابقے و لاحقے غیر عربی بالخصوص فارسی کے ہوتے ہیں۔ ذیل میں کچھ بطور مثال درج کیے جاتے ہیں۔

---

[273] بحوالہ اردو زبان و ادب پر عربی کے اثرات، ص 131

سابقے: لاابالی،لایعنی،لاجواب،لاوارث،ما بقی، باادب، باحیا،بداخلاق،بدحال،بدنصیب، بے وقت، بے حیاء، ناانصاف، نابالغ، نامعقول، نامعلوم، ناممکن، خوش قسمت، خوش طبع، خوش حال، خوش اخلاق، ہم جماعت، ہم جنس، ہم خیال، ہم کلام وغیرہ۔

لاحقے: عجائب خانہ، غسل خانہ، قید خانہ، نعمت خانہ، فرحت بخش، مسرت بخش، عشق باز، مقدمہ باز، عطر بار، ثمر بار، عظیم ترین، فاضل ترین ، خیر خواہ، قرض خواہ، تکلیف دہ، نقصان دہ، درس گاہ، عبادت گاہ، قیام گاہ وغیرہ۔

اردو میں مستعمل عربی مرکبات

مذکورہ بالا امور کی طرح اردو میں عربی زبان کے مرکب الفاظ فقروں اور جملوں کی شکل میں داخل ہوئے ہیں۔ جس کا اردو زبان وادب میں استعمال تحریر وتقریر میں خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔ایسے فقروں اور جملوں کی تعداد بہت زیادہ تو نہیں لیکن کافی تعداد میں ہیں ، یہاں مختصر طور پر کچھ مرکب الفاظ کو درج کیا جاتا ہے۔ جیسے

آخر الذکر، آخر الامر ، اہل نظر، اہل وطن، بادی النظر، بعون اللہ تعالیٰ، بفضلہ تعالیٰ، بارک اللہ، توکلت علی اللہ، تکلیف مالایطاق، جزءلاینفک، جزءلایتجزی، جزاک اللہ، دامت برکاتہم، مدظلہ، عالم الغیب، عدیم المثال، عنداللہ، عوام الناس، غریب الوطن، غیر مستعمل، غیر ممکن، فی الحال، فی الحقیقت، فی سبیل اللہ، لاادری، لاتعد ولا تحصی، لاحول ولا قوۃ الا باللہ، لاشریک لہ، لعنۃ اللہ علی الکاذبین، ناقص العقل، نفس الامر، وحدہ لاشریک لہ وغیرہ۔

تہذیبی اثرات:

ترجمہ کے متعلق یہ خیال بھی اب نیا نہیں ہے کہ یہ محض ایک لسانی عمل نہیں بلکہ ایک تہذیبی و ثقافتی عمل بھی ہے۔ کیوں کہ ترجمے کے دوران محض ایک زبان کے الفاظ ہی دوسری زبان میں منتقل نہیں ہوتے بلکہ ایک زبان کی تہذیب و ثقافت بھی ہدفی زبان میں منتقل ہوتی ہے۔ ترقی پذیر زبانوں میں تو تہذیب و ثقافت کی منتقلی کا یہ عمل اور بھی زیادہ تیز ہوتا ہے۔

زبان وادب کے ماہرین کے نزدیک یہ بات متفق الیہ رہی ہے کہ زبانوں کے مابین تہذیب وثقافت کا لین دین ہمیشہ سے رہا ہے۔ زبان ہی سماج و معاشرے کی ذہنی وفکری ترقی کا آئینہ ہوتی ہے۔ جس سے سماج و معاشرہ کا ابلاغی رابطہ قائم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زبانوں کے مابین تعلقات کے باعث ایک زبان کی تہذیب کا اثر دوسری زبان پر ہونا ایک طرح سے ناگزیر ہو جاتا ہے۔ انہیں اثرات کو قاری تہذیبی اثرات سے موسوم کرتا ہے۔ زیر نظر بحث یعنی تہذیبی اثرات میں زبان کے جو تہذیبی عناصر ہیں انہیں پر گفتگو کی جائے گی کہ کس حد تک عربی زبان کے تہذیبی عناصر نے اردو زبان پر اپنے اثرات مرتب کیے۔

ایک زبان کا ادب جب دوسری زبان کے قالب میں ڈھلتا ہے تو ساتھ تہذیب کی بھی منتقلی انجام پاتی ہے۔ چنانچہ اردو زبان نے بہت سے دوسری زبانوں سے اخذ واستفادہ کیا اور ان کے مختلف اثرات قبول کیے۔ زبانوں کے اثرات کی جہاں تک بات کی جائے تو سر فہرست عربی اور فارسی زبان ہے گرچہ موجودہ دور میں اردو ادباء کے مابین بڑے اختلاف پائے جاتے ہیں، یہ بحث بڑی طویل ہے اور پیش نظر بحث سے الگ بھی، اس لیے اس سے احتراز کرتے ہیں۔ اچھا اردو جاننے والا اس بات سے ہزار بار اتفاق کرے گا کہ اردو زبان نے عربی کے مختلف اثرات قبول کیے کیوں کہ اردو زبان میں عربی ادب پاروں کی منتقلی کے ساتھ تہذیب کی منتقلی بھی عمل میں آئی۔ گذشتہ صدی میں اردو زبان وادب کے ادباء وشعراء عربی ثقافت و طور طریق سے اچھی

واقفیت رکھتے تھے۔ان ادباء نے عربی ادب سے بالراست یا فارسی کے توسط سے اردو زبان کو خوب ترقی دی اور عربی زبان کے اثرات اردو پر ثبت کیے۔ چنانچہ جب اردو کے صف اول کے ادباء کے ادبی شہ پاروں کو دیکھتے ہیں تو عربی زبان کے تہذیبی و تمدنی اثرات ضرب الامثال، کہاوتوں، روزمرہ، تلمیحات،استعارات، تشبیہات وغیرہ کی شکل میں جابجا نظر آتے ہیں۔پروفیسر سید علیم اشرف جائسی رقم طراز ہیں:

> "جب ہم اس پہلو سے اردو ادب کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر بے شمار عربی تلمیحات، تشبیہات،استعارات، الفاظ و اصطلاحیں موجود ہیں۔اردو ادب کے طالب علم کو کوئی ایسا نثری فقرہ یا شعری ٹکڑا نہیں ملتا جس میں یہ عناصر شامل نہ ہوں۔اردو کے ہندآریائی زبان ہونے کے باوجود ان عناصر کی کثرت اردو طالب علم کو ٹھہرنے پر مجبور کرتی ہے۔یہ امور محققین کو بھی ہمیشہ سے حیرت زدہ کرتے رہے ہیں چنانچہ اردو ادباء نے مختلف انداز سے اس کی توجیہہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلے میں کئی رائیں پائی جاتی ہیں، بعض نے اسے اردو ادب کے ایک شدید متعصبانہ رجحان سے تعبیر کیا ہے۔"[274]

مذکورہ بالا اقتباس میں جن ماہرین وادباء کی توجیہات اور ان کی مختلف آراء کی طرف اشارۃً بات کہی گئی ہے اسے یہاں طوالت کے باعث صرف نظر کرتے ہوئے مختصر طور پر تہذیبی تاثیر وتاثر کو پیش کیا جائے گا۔اردو زبان و ادب میں عربی کے تہذیبی تاثیر وتاثر کااندازہ محاوروں ،کہاوتوں،ضرب الامثال(جسے عربی میں کچھ اختلاف کے ساتھ تقریباً ایک ہی تسلیم کیا جاتا ہے،[275] یہاں انہیں ایک ہی ساتھ درج کیا جائے گا) تلمیحات،استعارات، تشبیہات وغیرہ میں واضح ونمایاں طور پر دیکھنے کو ملتا ہے۔عربی ضرب الامثال وکہاوتیں اور محاورات جو تہذیبی تاثیر وتاثر کے باعث اردو زبان میں من وعن ترجمے کے ساتھ منتقل ہوئیں،اردو زبان میں ان کے مابین کچھ باریک سافرق بتایا جاتا ہے لیکن عربی زبان میں باہم مشترک ہیں۔

---

[274] اردو زبان پر عربی کے اثرات،ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی، ص379

[275] مزید معلومات کے لیے اسید قادری کی "عربی محاورات مع ترجمہ وتعبیرات کو دیکھا جاسکتا ہے۔

ضرب الامثال، کہاوتیں اور محاورے: کوئی فقرہ، جملہ، شعر جو انسان کے بارے میں کسی خاص اصول، حقیقت کو جامع انداز میں بیان کرے اور عوام وخواص اسے اپنی زبان وبیان میں برتنے لگیں اسے اردو میں کہاوت اور عربی میں ضرب المثل سے موسوم کرتے ہیں۔اردو زبان میں محاورہ، ضرب الامثال اور روزمرہ کی الگ الگ تعریفیں کی جاتی ہیں جبکہ عربی زبان میں باہم مشترک ہیں جسے التعبیر الاصطلاحی سے تعبیر کرتے ہیں۔ذیل میں ایجازاً مذکورہ اصطلاحات کی تعریف کی جائے گی بالخصوص جو اردو زبان وادب میں معروف ہے۔رسالہ گنجینہ امثال میں راجہ راجیور راؤاصغر نے ضرب المثل کی کچھ یوں تعریف کی ہے:

"ہر ایک ضرب المثل کسی نہ کسی وارداتِ گذشتہ کا خلاصہ اور سوانحات قدیم کا نتیجہ ہے جس سے نصیحت یا عبرت ضرور حاصل ہوتی ہے۔"[276]

ڈاکٹر یونس اگاسکر ضرب الامثال یا کہاوت کی تعریف میں رقم طراز ہیں:

"کہاوت، قدماء کے طویل تجربات ومشاہدات کا نچوڑ وہ دانش مندانہ قول ہے جس میں کسی کی ذہانیت نے زور بیان پیدا کیا ہو اور جسے قبول عام نے روزمرہ کی زندگی کا کلیہ بنادیا ہو"۔[277]

محمد منیر صدیقی لکھنوی ضرب المثل کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"وہ چند جملے جو کسی خاص موقع پر بولے گئے ہوں اور لوگوں کے زبان زد ہو کر ضرب المثل بن گئے ہوں۔"[278]

ڈاکٹر یونس اگاسکر نے محاورے کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

"صوری اعتبار سے محاورہ الفاظ کے ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جس سے لغوی معنی کے بجائے ایک قرار یافتہ معنی نکلتے ہوں، محاورے میں عموماً علامت مصدر 'نا' لگتی ہے جیسے آپ آپ ہونا، دل ٹوٹنا، خوشی سے پھولے سے نہ سمانا، محاورہ جب جملے میں استعمال ہوتا ہے تو علامت مصدر 'نا' کے بجائے فعل کی وہ

---

[276] راجیشیور راؤاصغر، رسالہ گنجینہ امثال، مطبع شمسی حیدرآباد دکن، ص02

[277] یونس اگاسکر، ڈاکٹر، اردو کہاوت اور ان کے سماجی ولسانی پہلو، موڈرن پبلشنگ ہاؤس دہلی، ص13-23

[278] محمد منیر صدیقی لکھنوی، گنجینہ اقوال وامثال، مطبع مجیدی کانپور بار اول ص2، 1933

صورت آتی ہے جو گرامر کے اعتبار سے موزوں ہوتی ہے جیسے دل ٹوٹ گیا، دل ٹوٹ جاتے ہیں، دل ٹوٹ جائے گا وغیرہ"۔[279]

مذکورہ تعریف کی طرح پروفیسر نعمان ناصر اعوان صاحب نے محاورے کی کچھ یوں تعریف کی ہے:

"دو یا دو سے زیادہ لفظوں کا وہ مجموعہ ہے جو مصدر سے مل کر اور اپنے حقیقی معنی سے ہٹ کر مجازی معنی میں بولا جائے۔ مثلاً دھوکہ کھانا، غم کھانا وغیرہ یہاں کھانا کے معنی نہیں بلکہ مجازی معنی ہیں"۔[280]

ضرب الامثال، کہاوتیں اور روزمرہ دراصل زبان کے لیے ایک قیمتی اثاثے کی ضامن ہوتی ہیں۔ ان سے نثری و شعری کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے، طویل گفتگو یا مباحثے کی جگہ کوئی ایک مثال یا محاورہ پوری طرح تفہیم کے لیے کافی ہوتا ہے۔ یہ معاشرے اور سماج کے تہذیب و تمدن کی عکاسی کرتی ہیں جو نہایت ہی بلیغ نکات پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں گوپی چند نارنگ رقم طراز ہیں:

"کہاوتیں دراصل سماجی سچائیاں ہوتی ہیں۔ جن کی بنیاد اکثر و بیشتر کسی حادثے یا واقعے یا حوالے پر ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ ایسی تلمیحیں ہیں جنہیں انسانی تجربے یا عقل کا نچوڑ بھی کہا جاتا ہے۔ پہلے یہ واقعاتی طور پر ہر ایک انسان کی زبان میں ظاہر ہوئی ہوں گی پھر اس سے ملتا جلتا واقعہ کئی افراد کے سامنے آیا اور نتیجے کے طور پر کوئی مثل یا کہاوت بن سنور اور ترش ترشا کر زبان میں داخل ہو گئی۔ کہاوتوں کے پیچھے جو حادثہ یا واقعہ ہوتا ہے کئی بار وہ کہانی کی شکل میں بھی مشہور ہو جاتا ہے جس سے وہ کہاوت دور دور تک پہنچ جاتی ہے۔ کئی بار یوں بھی ہوتا ہے کہ اصل واقعہ تو لوگ بھول جاتے ہیں لیکن اس سے کوئی ملتا جلتا یا فرضی واقعہ گھڑ کر اسے کہاوت سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔"[281]

ضرب الامثال، کہاوتیں اور محارے جو عربی میں بلا تفریق مستعمل ہیں، اردو زبان میں گرچہ تھوڑا بہت فرق برتا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اسید قادری کی عربی محاورات مع اردو ترجمہ و تعبیرات اور مقبول الٰہی کی

---

[279] اردو کہاوتیں اور ان کے سماجی و لسانی پہلو، ص 45

[280] پروفیسر نعمان ناصر اعوان، ہمارے محاورے، ص 6

[281] ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، اردو زبان اور لسانیات، ص 65

'اردو میں مستعمل عربی و فارسی ضرب الامثال' کو اس بحث کے لیے دیکھا جا سکتا ہے۔ذیل میں بطور مثال کچھ کہاوتیں، ضرب الامثال اور محاورے عربی مع اردو درج کیے جاتے ہیں:

المرء يقيس على نفسه	انسان دوسرے کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے یعنی اپنے جیسا دوسروں کو سمجھنا
العاقل تكفيه الإشارة	عقل مند کے لیے اشارہ کافی ہے
الإنتظار أشد من الموت	انتظار موت سے سخت ہوتا ہے
خدماصفا و دع ماكدر	جو اچھا ہو لے لو اور جو خراب ہو اسے چھوڑ دو
واشتعل الرأس شيبا	سر کے بال سفید ہو گئے یعنی وہ شخص بوڑھا ہو گیا
ذهبتْ ريحه	اس کی ہوا چلی گئی جس کو اردو میں اس کا اثر و رسوخ ختم ہو گیا یا اس طاقت کم ہو گئی
قلّبَ كفيه	اس نے اپنی دونوں ہتھیلیاں پلٹ لیں جو کہ اردو میں کف افسوس ملنا سے تعبیر کرتے ہیں
و أتُوا البُيو تَ من ابوابها	تم اپنے گھروں میں ان کے دروازے سے داخل ہو یعنی کام کو صحیح طریقے سے انجام دینا جیسا انگریزی میں اسی کو "to come through the proper channels" سے تعبیر کرتے ہیں۔
آخر الدواء الكى	داغنا آخری علاج ہے
أول طعام بعده كلام	پہلے طعام پھر کلام
خير الكلام ماقل ودل	بہترین کلام وہ ہے جو مختصر اور جامع ہو
اتخذه وَراءَه ظِهرِ يّاً	پس پشت ڈال دیا، اہمیت نہیں دی، کچھ نہ سمجھا
أ ثْقَلَ كاهِلَه	طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا، زیر بار کرنا
أثْلَجَ صَدْرَه	دل خوش کر دیا، کلیجہ ٹھنڈا کر دیا، مردہ جسم میں جان ڈال دی
أخذَ بِتَلا بِيبِ	گریبان پکڑ لیا، ناطقہ بند کر دیا، جینا دوبھر کر دیا، ناک میں دم کر دیا
أخَذَ بِخِنا قِه	پریشان کر دیا، ناطقہ کر دیا(یہ محاورہ بحران وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا ہے)

حتّٰی یَلِجَ الجَمَلُ فی سَمِّ الْخِیاطِ	یہ بات ناممکن ہے، محال ہے
حَدیثُ النَّفْسِ	بانگ درا، دل کی بات، دل کا وہم
دُمُوعُ التَّما سِیح	مگرمچھ کے آنسو، کھاوے کے آنسو
سَحَبَ البِساطَ مِنْ تَحْتِ أقْدامہ	ٹانگ کھینچنا، کسی کے راستہ میں روڑے اٹکانا، کسی کی ترقی میں رکاوٹ پیدا کرنا
سَحَبَ فی خَیَالہ	خیالی پلاؤ پکانا
زَرَعَ الأشواکَ فی طَرِیقِہ	راہ میں کانٹے بچھانا، بونا، ایذاء رسانی کی کوشش کرنا
زَاغَتِ الأبْصارُ	(خوف ودہشت سے) آنکھیں پتھرا گئیں، ٹھٹک کر رہ گئیں، پیلا پڑ گیا
رَکِبَ رأسَہ	ہٹ دھرمی پر آمادہ ہو گیا، اپنی ضد پر اڑ گیا
رَفَعَ یَدَہ	دست بردار ہو گیا، دست بردار ہونا
ذَهَبَ وَرَاءَ الشَّمْسِ	لاپتہ ہو گیا، غائب ہو گیا
ذَهَبَ مَعَ الرِّیحِ	اچانک غائب ہو گیا، دیکھتے دیکھتے غائب ہو گیا، ختم ہو گیا
دَخَلَ التَّاریْخَ مِنْ أوْسَعِ أبوابِہ	زندہ جاوید ہو گیا
حَفَرَ قَبْرَہ بِیَدِہ	اپنے پیر پر کلہاڑی مار لی، اپنے ہاتھ سے اپنی بربادی کا سامان کیا
حَذَا حَذْوَہ	قدم بہ قدم چلا، نقش قدم پر چلا، مکمل پیروی کی
جَعَلَہ سِلْعَۃً تُبَاعُ و تُشْتَرَی	بازیچہ اطفال بنالیا، کھلونا بنادیا
جَعَلَ کلامَہ دَبْرَ أُذُنَیہ	سنی ان سنی کر دی، ایک کان سے سنی دوسرے سے نکال دی، اس کان سے سنی اس کان سے نکال دی
جَعَلَ الْحَبَّۃَ مِنَ الْحَبَّۃِ قُبَّۃً	رائی کا پہاڑ بنادیا، ذرا سی بات افسانہ کر دیا

تلمیح: زبان وادب میں کسی مشہور واقعے، قصے، تاریخی واقعات، داستانوی یا مذہبی امور وغیرہ سے متعلق مشہور بات کی طرف اشارہ کرنا تلمیح کہلاتا ہے۔ ساحر لکھنوی نے اپنی کتاب 'مختصر فرہنگ تلمیحات و مصطلحات' میں اس کے متعلق کچھ یوں تحریر کیا ہے:

"شعر یا نثر میں کسی واقعے کی جانب اشارہ کرنے کو تلمیح کہتے ہیں بشرطیکہ وہ واقعہ کافی مشہور ہو چکا ہو خواہ خلافِ عقل ہو، توہماتی ہو، طلسماتی ہو یا فرضی ہی کیوں نہ ہو"۔ [282]

اسی طرح محمود نیازی 'تلمیحات غالب' کے دیباچہ میں رقم طراز ہیں:

"ہماری قدیم تاریخ، رسم و رواج، اوہام و عقائد، مشاغل اور جنگ و جدل کے واقعات سے ہزاروں قصے کہانیاں اور داستانیں وابستہ ہیں۔ ان کو جاننے سے ہم کو اپنی معاشرتی، تمدنی، سماجی اور مذہبی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں جو تبدیلیاں اور اصلاحات ہوئی ہیں ان کا علم حاصل ہوتا ہے اور پچھلے لوگوں کے تجربات سے فائدہ پہنچتا ہے۔ ان طول طویل واقعات کو دہرانے سے چونکہ وقت ضائع ہوتا ہے اس لیے ایسے مختصر اشارے ایجاد کر لیے گئے ہیں جو اِن قصے کہانیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ان اشاروں کو علم بدیع کی اصطلاح میں تلمیح کہا جاتا ہے"۔ [283]

لہذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نثر و نظم یا بول چال میں معروف و مشہور قصوں، واقعات، حقیقی یا فرضی کردار، ضرب الامثال محاورات، تراکیب، کسی علم یا فن کی اصطلاح یا داستان، اساطیری، مذہبی، ادبی امور سے متعلق مشہور بات کی طرف اشارہ کرنا تلمیح کہلاتا ہے۔

یہ دراصل کلام میں ایجاز واختصار پیدا کرنے کا اہم ترین وسیلہ ہوتی ہے کیوں کہ ماضی میں پیش آئے واقعات جن کا بیان کرنا کئی صفحات کا متقاضی ہوتا ہے، ایک لفظ یا جملہ میں بیان کر دیا جاتا ہے، نیز بیان و کلام میں خوبصورتی بھی پیدا ہوتی ہے اور اِن کے استعمال کرنے کا مقصد ہی گفتگو میں فصاحت اور بلاغت پیدا کرنا ہوتا ہے

---

282 مختصر فرہنگ تلمیحات و مصطلحات: ساحر لکھنوی، ص 7

283 تلمیحات غالب: محمود نیازی، ص 9

اور سننے والا بھی اس سے محظوظ ہوتا ہے۔ یہ مختصر ہونے کے باوجود وسیع معانی و مطالب اپنے اندر پنہاں رکھتے ہیں اور اسی لیے زبان وادب سے دلچسپی رکھنے والے افراد زبان وبیان میں تلمیحاتی اشارے کو بہت پسند کرتے ہیں۔ اردو زبان میں بہت سی ایسی تلمیحات مستعمل ہیں جو عربی زبان میں درج واقعات وحادثات کی بڑے ہی بلیغ انداز میں اشارہ کرتی ہیں۔ عربی زبان کی کچھ تلمیحات جن کی تفصیل کے ساتھ قرآن وحدیث یا دوسرے ادب پاروں میں مذکور ہیں، انہیں اردو زبان میں بطور تلمیح استعمال کیا گیا ہے۔ اردو زبان وادب میں مستعمل تلمیحات کے مطالعے کے لیے کئی کتب دستیاب ہیں جن میں محمود نیازی کی 'تلمیحاتِ غالب'، فضل الٰہی عارف کی 'تملیحات اقبال'، ظہیر علی 'تلمیحات فیض'، محمد بدیع الزماں کی 'اقبال کے کلام میں قرآنی تلمیحات'، سید عابد علی عابد کی 'تلمیحاتِ اقبال'، مصاحب علی صدیقی کی 'اردو ادب میں تلمیحات'، سید حامد حسین کی 'اردو شاعری میں مستعمل تلمیحات' عائشہ سلطانہ کی 'کلامِ غالب میں تلمیحات کا استعمال' اور ثوبان سعید کی 'فرہنگ تلمیحات' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ مذکورہ کتبِ تلمیحات میں عربی زبان سے ماخوذ اردو میں استعمال ہونے والی کثیر تعداد میں تلمیحات موجود ہیں، جنہیں یہاں ذکر کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ یہاں مختصراً ذیل میں کچھ تلمیحات کا ذکر کرتے ہیں، بعدہ مع امثلہ انہیں زیر بحث لانے کی کوشش کریں گے۔

اردو میں مستعمل ایسی تلمیحات جو براہ راست عربی سے ماخوذ ہیں	
آدم	طوفانِ نوح
یوسف مصر	صدائے کن فیکون
اصحاب فیل	فرعون
آب کوثر	غارِ حرا
ابن مریم	موسیٰ وفرعون
عہد الست	ہابیل اور کابیل

حاتم طائی	قوم لوط
لیلیٰ اور مجنوں	ارنی
مہ کنعاں	آزر
عزیز مصر	الف لیلہ
آتشِ نمرود	اصحاب کہف
جبرئیل	الست، عہد الست
حیدرِ کرار	برادران یوسف
اسد اللہ	پیر کنعاں
ید اللہ	حسن یوسف
قیصر و کسریٰ	دست موسیٰ
بُوتراب	حجر الاسود

اس کے علاوہ بھی بہت ساری تلمیحات ہیں جو راست عربی زبان سے ماخوذ ہیں جسے اردو زبان و ادب میں کلام میں حسن اور مفصل کو مجمل میں بیان کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ ذیل میں مذکورہ عربی زبان سے ماخوذ اردو میں مستعمل تلمیحات بطور مثال پیش کی جاتی ہیں، جن کو پڑھ یا سن کر بیک وقت ان تمام مشہور و معروف واقعات و حادثات کا منظر سامنے آجاتا ہے۔ تلمیحات کو اردو شعراء نے اپنے اشعار میں بڑی عمدگی کے ساتھ برتا ہے، جیسے:

'آدم' کو بطور تلمیح ذوقؔ نے کچھ یوں استعمال کیا ہے:

نہ ہو بے وقر ترک سجدہ ابلیس سے آدم

عدو کی سرکشی سے رتبہ کب ہوتا ہے کم میرا

'ابن مریم'، کو بطور تلمیح مرزا غالبؔ نے اپنے شعر میں کچھ یوں برتا ہے:

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی

میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

حضرت یوسف علیہ السلام کے والد ماجد حضرت یعقوب کے بارے میں مرزا غالبؔ کا شعر:

نسیم مصر کو کیا پیر کنعاں کی ہواخواہی

اسے یوسف کے بوئے پیرہن کی آزمائش ہے

مذکورہ شعر میں 'پیر کنعاں'، بطور تلمیح مستعمل ہے جس سے مراد یوسفؑ کے والد محترم حضرت یعقوب ہیں۔ مذکورہ تلمیح سے قاری کے سامنے حضرت یعقوبؑ کی پوری داستان اور پورا منظر نامہ بیک وقت سامنے آجاتا ہے۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں اردو زبان میں ایسے اشعار ہیں جن میں بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ تلمیحی عناصر کو برتا گیا ہے جیسے:

قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر

لیکن آنکھیں روزنِ دیوار زنداں ہو گئیں

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنان مصر سے

ہے زلیخا خوش کہ محوماہ کنعاں ہو گئیں

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ، جس کو علامہ اقبالؔ نے شعر کی شکل میں یوں کہا ہے کہ:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرو د میں عشق

عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے

کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

مٹا یا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے وہ کیا تھا

زورِ حیدرؓ ، فقرِ بوذرؓ ،صدقِ سلمانیؓ

نہ ایراں میں رہے باقی نہ توراں میں رہے باقی

وہ بندے فقر تھا جن کا ہلا کِ قیصروکسریٰ

محبت خویشتن بینی محبت خویشتن داری

محبت آستاں قیصروکسریٰ سے بے پروا

صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے

جو عقل کا غلام ہو،وہ دل نہ کر قبول

باطل دُوئی پسند ہے حق لاشریک ہے

بُوتراب کو بطورِ تلمیح مرزاغالبؔ نے کچھ یوں برتا ہے:

غالبؔ ندیمِ دوست سے آتی ہے بوئے دوست

مشغول حق ہوں، بندگیِ بوتراب میں

الغرض اردو زبان وادب میں عربی سے ماخوذ مستعمل تلمیحات کی مثالیں کافی کثرت سے پیش کی جاسکتی ہیں، یہاں مذکورہ مثالوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

استعارے اور تشبیہات: استعارہ دراصل عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی مانگ لینا، عاریۃً مانگنا، ادھار لینا وغیرہ کے ہیں۔ اصطلاح میں کسی چیز کا بعینہ کسی دوسری چیز کے معنی میں استعمال کرنا یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ بعینہ منسوب کر دینا۔ عربی لغت میں الرائد میں استعارہ کی تعریف ہے:

في علم البيان : هي استعمال اللفظ في غير ما وضع له في الأساس لشبه بين المعنى الأصلي والمعنى المجازي، نحو : «رأيت أسدا يحارب»، فكلمة «أسد» لم تستعمل هنا بمعناها الأصلي، بل استعملت بمعناها المجازي الدال على الرجل الشجاع.

یعنی علم البیان میں استعارہ وہ لفظ ہے جو مشابہت کی بنیاد پر اصلی معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال ہوا ہو۔ جیسے میں نے ایک شیر کو لڑتے ہوئے دیکھا، چنانچہ اس میں لفظ شیر اصلی معنی کے بجائے اپنے مجازی معنی میں مستعمل ہے جو بہادر آدمی پر دلالت کرتا ہے"۔

اخلاق دہلوی نے اپنی کتاب 'روح بلاغت' میں استعارہ کی یوں تعریف کی ہے:

"لفظ کو مجازی معنی میں اس خوبی سے استعمال کرنا کہ اصلی (وضعی) اور مجازی معنی میں تشبیہ کا تعلق ہو مثلاً بہادر آدمی کو شیر کہنا"۔[284]

مقدمہ شعر وشاعری میں خواجہ الطاف حسین حالی نے استعارہ کے متعلق یہ درج کیا ہے کہ:

"استعارہ بلاغت کا ایک رکن عظیم ہے اور شاعری کو اس کے ساتھ وہی نسبت ہے جو قالب کو روح کے ساتھ۔۔ کنایہ اور تمثیل کا حال بھی استعارہ کے قریب قریب ہے۔ یہ سب چیزیں شعر میں جان ڈالنے والی ہیں۔ جہاں اصل زبان کا قافیہ تنگ ہو جاتا ہے وہاں شاعر انہی کی مدد سے اپنے دل کے جذبات اور دقیق خیالات عمدگی کے ساتھ ادا کر جاتا ہے اور جہاں اس کا اپنا منتر کارگر ہوتا نظر نہیں وہاں انہی کے

---

[284] اخلاق دہلوی، روح بلاغت، ص 57

زور سے وہ لوگوں کے دلوں کو تسخیر کرلیتا ہے"۔[285]

اسی کتاب میں بطور مثال مرزا غالب کا یہ شعر درج کیا ہے:

گیا تھا کہہ کے اب آتا ہوں قاصد کو تو موت آئی
دل بیتاب واں جاکر کہیں تو قاصد نہ مر رہنا

مذکورہ شعر میں بطور استعارہ کے "موت" استعمال کیا گیا ہے جس سے مراد دیر لگانے سے ہے۔اس استعارے سے شعر میں وزن اور زور پیدا ہوتا ہے کیوں کہ اگر موت کی جگہ یہ کہیں کہ قاصد نے تو بہت دیر لگائی،اے دل تو بھی دیر نہ لگائیو۔اس سے شعر میں وہ وزن اور زور باقی نہیں رہتا۔

استعارے کو سمجھنے کے لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجازاً کسی شے کے لوازمات یا اس کی خصوصیات کو کسی دوسری شے سے منسوب کر دینا یعنی جب کوئی لفظ اپنے حقیقی معنی سے نکل کے مجازی معنی میں اس طور سے مستعمل ہو کہ حقیقی اور مجازی معنوں کے مابین تشبیہ کا تعلق ہو تو اسے استعارہ سے تعبیر کرتے ہیں۔جیسے:

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رستم کا جگر زیر کفن کانپ رہا ہے

مذکورہ شعر میں "شیر" بطور استعارہ بہادر اور جری شخص کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔اور یہ بہادری کا استعارہ 'شیر' عربی سے ماخوذ ہے جو عربی میں 'اسد' مستعمل ہے۔

پیش نظر بحث کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تلمیحات کی طرح عربی استعارات و تشبیہات کو اردو زبان وادب میں بڑی کثرت سے استعمال کیا گیا ہے،جو براہ راست عربی تہذیبی تاثیر و تاثر کی بدولت اردو

---

[285] الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر و شاعری، ص 279

میں داخل ہوئی ہیں۔ جیسے کسی بہادر کو شیر ،خوبصورت مرد کو یوسف، سخی کے لیے حاتم،آنکھ کو نرگس،دانتوں کو موتی، خوبصورت چہرے کو چاند یا قمر بطور استعارہ یا تشبیہ اردو زبان میں استعمال کیے گئے ہیں۔استعارات وتشبیہات کو شعراءنے اپنے اشعار میں برتنے کی بھرپور کوشش کی ہے، جیسے ناسخ کا شعر:

جی میں آتا ہے کریں موزوں ترے دانتوں کا وصف
موتیوں کہ ہو جو سمرن استخارہ کیجیے

اسی طرح اردو کا ایک اور شعر:

نرگس ہے چشم،سرو ہے قد،غنچہ ہے دہن
رخ رشک گل ہے، غیرت ابر بہار زلف

پلکوں سے گر نہ جائیں یہ موتی سنبھال لو
دنیا کے پاس دیکھنے والی نظر کہاں

مذکورہ شعر میں آنسوؤں کی جگہ 'موتی' بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔یہی استعارہ عربی زبان میں ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے جہاں آنسوؤں کی لڑی کو بطور استعارہ 'موتی' کے استعمال کرتے ہیں۔

تشبیہ: یہ عربی الاصل ہے جس کے لغوی معنی مشابہت، تمثیل اور کسی چیز کو دوسری چیز کے مانند قرار دینا ہے۔اصطلاحاً کسی شے کو کسی خاص صفت کے اعتبار سے یا مشترک خصوصیت کی بنا پر دوسری شے کے مانند قرار دیا جائے تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔

سید کلیم اللہ حسینی نے اپنی کتاب 'بلاغت' میں تشبیہ کو کچھ یوں بیان کیا ہے:

''دو چیزوں کا ایک معنی میں ہونا۔ جیسے 'خالد بہادری میں شیر کے مانند ہے' اس میں خالد مشبہ، شیر مشبہ

بہ، مانند حرفِ تشبیہ، بہادری وجہ شبہ، تشبیہ کی غرض بہادری کا اظہار کرنا ہے۔"[286]

مرزا محمد عسکری نے 'آئینہ بلاغت' میں یوں رقمطراز ہیں:

"تشبیہ سے یہ مطلب ہے کہ دو ایسی چیزیں بیان کی جائیں جن میں کسی ایک یا زیادہ معنی میں مشارکت ہو۔ مثلاً لفظ رخسار اور پھول یا پسینہ اور گلاب وغیرہ۔ رخسار اور پھول میں رنگ کی مشارکت ہے اور پسینہ اور گلاب میں بُو کی۔ لہٰذا رخسار کی تشبیہ گل سے اور پسینہ کی تشبیہ گلاب سے دے سکتے ہیں۔ ان دو چیزوں میں سے ایک کو مشبہ اور دوسرے مشبہ بہ، اور معنی مشترک یعنی جو صفت ان دونوں میں عام ہو اس کو 'وجہ شبہ' کہتے ہیں"۔[287]

مذکورہ بالا تعریفات کے تقریباً مشابہ ہی قزوینی نے ایجازاً تشبیہ کی کچھ یوں تعریف کی ہے:

"الدلالۃ علی مشارکۃ أمر لأمرٍ فی معنی"۔[288]

تشبیہ سے مراد دو چیزوں کا مفہوماً ایک معنی میں مشارکت پر دلالت کرنا ہے۔

زیر بحث تشبیہ کی مذکورہ بالا تعریفات اور تشریحات کے بعد جب ہم اردو زبان وادب کی جانب صرف نظر کرتے ہیں تو یہاں بعینہ تشبیہ کے تمام ارکان اور ان کی تعریفات بھی عربی سے مستعار نظر آتی ہیں چنانچہ جس طرح عربی میں تشبیہ کے چار ارکان یعنی مشبہ، مشبہ بہ، وجہ شبہ اور اداۃ تشبیہ ہیں بالکل وہی اردو زبان میں موجود و مستعمل ہیں۔

تشبیہ کو سمجھنے کے لیے ہم عربی زبان کی کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں جیسے عربی زبان کا ایک شعر ہے:

كأنما الماءُ فِی صفاء

وقد جَرَىٰ ذائبُ اللُّجَینِ

ترجمہ: پانی صاف ہونے میں جب کہ بہے ایسا ہے گویا کہ پگھلی ہوئی چاندی ہو۔

---

[286] حسینی، سید کلیم اللہ، بلاغت: ص 33

[287] مرزا محمد عسکری، آئینہ بلاغت: 157

[288] تلخیص از قزوینی، ص 67

أنتَ كَالليثِ فِی الشُّجاعۃِ و الإقَ
دامِ والسیف فِی قِراع الخطوبِ

ترجمہ: آپ بہادری اور جرأت میں شیر کی طرح ہیں، اور حوادث سے مقابلہ کرنے میں تلوار کی طرح ہیں۔

مذکورہ بالا پہلے شعر میں شاعر نے صاف شفاف پانی کے لیے نظیر لانے کی کوشش کی، جس میں صاف شفاف ہونے صفت قوی ہو، تو اس نے پگھلی ہوئی چاندی میں یہ صفت نمایاں اور قوی دیکھی تو صاف شفاف پانی اور پگھلی ہوئی چاندی کے درمیان مماثلت قائم کر دی، اور اس مشابہت کو حرف تشبیہ "کأنّ" (یعنی گویا) سے بیان کیا۔

اسی طرح دوسرے شعر میں شاعر نے اپنے ممدوح میں شجاعت اور حوادث سے ٹکرانا یہ دو صفتیں دیکھیں تو اس نے ممدوح کے لیے دو نظیر تلاش کیں جن میں یہ دونوں صفتیں مضبوط ہوں، تو اس نے پہلی شجاعت میں شیر کے ساتھ تشبیہ دی اور دوسری صفت حوادث سے ٹکرانا، میں تلوار سے تشبیہ دی اور اس مشابہت کو "ک" (یعنی کی طرح، جیسا) سے بیان کیا۔

بطور مثال اردو زبان میں مستعمل کچھ تشبیہات کو درج کرتے ہیں جو بلاواسطہ عربی زبان وادب سے ماخوذ و مستعار ہیں۔ جیسے

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف، چرخِ کہن کانپ رہا ہے

مذکورہ بالا اشعار میں لفظ ''شیر''(یعنی بہادر، نڈر) کا استعمال کیا گیا ہے جو دراصل عربی زبان وادب کا اثر ہے کیوں کہ عربی زبان میں بہادر، بہادری یا شجاعت کے لیے بطور تشبیہ یہ استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ اوپر ہم نے عربی شعر میں ملاحظہ کیا۔

الغرض اردو زبان وادب پر عربی زبان کے تہذیبی تاثیر و تاثر بڑے نمایاں طور پر رہے ہیں جو دراصل باہم معاشرے وماحول کے تکراؤ یا تعلقات کے مرہون منت ہیں۔انسان اپنے ارد گرد جو کچھ دیکھتا ہے اسی کی روشنی میں مذکورہ بالا امور کی تشکیل ہوتی ہے مذکورہ بالا امور سے تہذیبی اثرات بجا طور پر نظر آتے ہیں۔ جیسے عربوں کے لیے اونٹ جیسا جانور بڑی اہمیت رکھتا ہے،وہ اونٹ کی چال ڈھال اور اس کی اداؤں کو مختلف طریقے سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے اونٹ پر سفر کرنے سے پہلے عرب حضرات اونٹ پر ایک فریم کستے ہیں جس کو عربی میں ہودج یا محمل کہا جاتا ہے اور اردو میں کجاوہ۔اگر اونٹ پر کجاوہ باندھا جارہا ہو تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ کہیں کے سفر کی تیاری ہے لہذا وہ اس کو ''شدُّ رحال''یعنی کجاوہ کسنا اور سفر کا قصد کرنا سے تعبیر کرتے ہیں۔اب اگر کوئی ریل یا ہوائی جہاز سے سفر کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ ''شددتُ رحلتی إلی مکان فلان''یعنی میں فلاں جگہ کے لیے کجاوہ کس لیا ہے جس کو اردو میں فلاں جگہ کے سفر کا قصد کرلیا ہے، سے تعبیر کریں گے۔اسی طرح''طارَ النومُ من عینہ''(آنکھ سے نیند اڑ گئی یعنی نیند نہیں آئی، جاگتا رہا، بے چین رہا)،''قلّمَ أظافِرَہ''(اس کے ناخون کاٹ دیے یعنی اس کی بڑھتی ہوئی شرارت یا طاقت پر روک لگادی) وغیرہ۔ان سب کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اردو زبان وادب میں عربی زبان کی لسانی و تہذیبی تاثیر و تاثر یا اثرات بڑے ہی نمایاں طور پر ملتے ہیں جن کی منتقلی ترجمے کے توسط سے ہوئی ہے جس کی اردو زبان مرہون منت ہے۔

اختتامیہ

بنی نوعِ انساں کی زندگی ادب کے ساتھ تقریباًزندگی کے ہر شعبہ سے منسلک رہی ہے۔ادب بالعموم طرزِ زندگی اور طرزِ رہائش سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن اگر اسے زبان سے جوڑا جائے تو اس کا رشتہ بنی نوعِ انساں کی زبان میں شائستگی، سلیقہ مندی سے ہے۔بول چال میں لفظوں کے ذریعہ نکھار اور اچھے و مؤثر انداز میں دوسروں تک اپنی بات پہونچانا ہی "ادب" ہے۔ادب بنی نوع انسان کے اخلاقی چہرہ کے حسن اور انسانی زبان کی زینت کا نام ہے کسی بھی زبان کا ادب اس کی تہذیب و ثقافت کا بہترین آئینہ دار ہوتا ہے اور ادب ہی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں کسی قوم کی ثقافت تہذیب و تمدن، اسکے اخلاق، ماحول کا معیار اور اسکے معاشرہ کی سطح کی بلندی یا پستی دیکھی جا سکتی ہے۔

جناب خالد حامدی صاحب ادب کے حوالے سے احمد حسن زیات کی تحریر کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی کتاب "عربی زبان وادب: ایک تاریخی مطالعہ" میں کچھ یوں رقم طراز ہیں:

> "ظہور اسلام سے قبل عربی زبان میں یہ لفظ ضیافت، اور مہمان نوازی کے معنی میں استعمال ہوتا تھا بعد ازاں ایک اور مفہوم اس میں شامل ہوا جسے ہم مجموعی اعتبار سے "شائستگی" کا نام دے سکتے ہیں۔عربوں کے نزدیک مہمان نوازی لازمہ شرافت سمجھی جاتی ہے چنانچہ شائستگی، سلیقہ اور حسن سلوک یہ سب ادب کے معنی میں داخل ہوگئے۔ادب کے لفظ میں عاش شائستگی بھی آگئی، اس میں خوش بیانی بھی شامل ہے، اسلام سے قبل خوش بیانی کو "اعلیٰ ادب" کہا جاتا تھا، چنانچہ گھلاوٹ، گداز، شیریں بیانی، نرمی اور شائستگی یہ سب ادب کا جزو بن گئیں"۔[289]

عربی لغت المنجد کے مطابق ادب کی تعریف یہ ملتی ہے کہ:

هو علم يحترز بہ من الخلل فی كلام العرب لفظاً وكتابةً

[289] عربی زبان وادب: ایک تاریخی مطالعہ، خالد حامدی، صفحہ نمبر 14

(علم ادب وہ علم ہے جس کے ذریعہ انسان کلام عرب میں لفظی اور تحریری غلطی سے بچ سکے)۔[290]

استاذ احمد حسن زیات نے تاریخ ادبِ عربی میں علمائے عرب کے ادب کے متعلق خیالات یوں لکھا ہے:

"یہ ان تمام علوم و معارف اور جملہ معلومات پر حاوی ہے جو انسان تعلیم و تدریس کے ذریعہ حاصل کرتا ہے اور اس میں صرف و نحو، علوم و بلاغت، شعر و نثر، امثال و حکم، تاریخ و فلسفہ، سیاسیات و اجتماعیات سب ہی شامل ہیں"۔[291]

مولانا محمد بدر عالم قاسمی نے دیوان حماسہ کی اردو شرح مفتاح الفراسۃ کے مقدمہ میں اس پر بحث کرتے ہوئے کچھ یوں لکھا ہے:

علم ادب وہ علم ہے جس کی نگہ داشت، حدود اور رعایت کرنے سے آدمی اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے میں لفظی، معنوی اور تحریری غلطیوں سے بچ سکے۔[292]

مختصراً کہا جائے تو انسان کے تخیل، فکر و خیال، جذبات و احساسات کے ذریعہ شستہ اور شائستہ طور پر شائستگی و درستگی، جدت طرازی اور حسنِ ادا کے ساتھ اندرونی آواز کا لفظی اظہار کیا جائے تو "ادب" وجود میں آتا ہے۔ ادب میں الفاظ کی ترتیب، افکار اور احساسات کا اظہار اس طرح کیا جاتا ہے کہ پڑھنے اور سننے والے میں مسرت کا احساس پیدا ہو۔

ادب کی ضرورت و اہمیت سے کسی قدر بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ ایسے شفتہ و شائستہ انداز میں بولے اور بات کرے تاکہ اس کی بات دوسروں تک صحیح اور مؤثر طریقے سے پہنچ سکے اور سامعین و قارئین تک تحریر و تقریر کی بخوبی رسائی ہو سکے۔ اقوام عالم کی حیات میں ادب کی اہمیت و ضرورت ہمیشہ سے مسلم رہی ہے کیوں کہ زبان اور اس میں موجود سرمایہ علوم کی پاسبانی عقل انسانی و فکر بنی

---

[290] المنجد، ص5

[291] تاریخ ادبِ عربی، استاذ احمد حسن زیات، مترجم: عبدالرحمٰن طاہر سورتی، ص19

[292] مفتاح الفراسۃ ص15

نوعِ انساں کی کاوشوں سے حاصل ہوتی ہے،اس میں کسی قوم کی وحدت، سربلندی اورافتخار کا انحصار ہوتاہے۔اگر کوئی قوم اپنے موروثی ادبی وعلمی سرمایہ سے محروم کردی جائے تواس کی وحدت باقی نہیں رہتی اوراس سے وہ قوم روحانی غلامی کا شکار ہو جاتی ہے جس کا علاج بہت نایاب اور مشکل ہوتاہے۔اس لیے کسی بھی قوم کے علمی وادبی سرمایہ کی حفاظت خوداس قوم کے باشعور افراد کے ہاتھوں ہوتی ہے،ان کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے اس موروثی سرمایے کواپنی زبان میں مستقل طورپر محفوظ رکھے۔

عربی ادب کی ضرورت واہمیت کااندازہ امام شافعیؒ کے قول سے لگایاجاسکتاہے،وہ یہ کہ:

"میں نے صرف فقہ سے مدد حاصل کرنے کے لیے بیس سال تک عربی لغت وادب کا علم حاصل کیا"۔[293]

جس تیز رفتاری کے ساتھ زمانہ اپنی تابناکیوں کے ساتھ آگے بڑھ رہاہے تو وہیں علوم وفنون کی آمد آمد ہے، موجودہ انٹرنیٹ کی دنیانے جہاں اس دنیا کو گلوبل ویلیج بنادیاہے تو وہیں اس تیز رفتاری کے ساتھ زبان اور اس کی تہذیبیں بھی بڑی تیزی کے ساتھ سفر کررہی ہیں۔اس وقت ہر طرف زبانوں کے ماہرین اور مختلف زبانوں پر عبور رکھنے والے افراد کی طلب ہے۔جس میں کہیں معاشی ضرورت کی پیش نظر تو کہیں علوم کے فروغ گرچہ اس میں بھی طلب معاش شامل ہے،افراد کی تلاش ہے،جو باہم ایک دوسری زبان کے تراجم کے فریضہ منصبی کو ادا کرسکیں۔پیشِ نظر موضوع "عربی ادب کی کتابوں کے اردو تراجم: ایک جائزہ" پر جب صرف نظر کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اردو زبان وادب میں عربی ادب کی بہت ساری کتابوں کے اردو تراجم کیے گئے ہیں،ان کا احاطہ کرنا ایک دقت اور دشوار طلب امر ہے، لیکن حتی المقدور کتبِ عربی ادب کے دستیاب اردو تراجم کا جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ اردو قارئین کو اردوادب کے ساتھ ساتھ کچھ عربی ادب اور اس کی تاریخ کے متعلق معلومات فراہم کی جاسکے۔چونکہ یہ کام تحقیقی مقالہ کی شکل میں پیش کیاجائے گااس لیے اس میں تحقیقی امور کالحاظ کرتے ہوئے عربی ادب کی کتابوں کے اردو تراجم کا جائزہ لیاگیا۔

[293] ایضا

باب اول کے تحت اولاً ''ادب'' پر مختصر بحث کی گئی ہے، جس میں لفظ ادب کی لغوی واصطلاحی اور ماہرین کے ادب کے متعلق اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ادب کی ضرورت واہمیت پر جامع گفتگو کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور بالخصوص عربی ادب کو زیر بحث لایا گیا ہے جس میں عربی ادب کا آغاز وارتقاء کو بیان کیا گیا ہے۔اس کے تحت عربی ادب کی تاریخ کو بہ اعتبارِ زمانی (جاہلی زمانہ،عہد ما قبل اسلام،اسلامی زمانہ یا عہد اسلامی، عہد اموی، عہد عباسی، عہد عثمانی یا عہد ترکی اور عہد تنزل وانحطاط اور موجودہ زمانہ (جو نپولین کے مصر پر 1798 کے حملے کے بعد شروع ہوتا ہے) بہت مختصر طور پر پیش کیا گیا۔

قدیم عربی ادب کے بہ اعتبار زمانی ادوار کی تقسیم میں پہلا دور پانچویں صدی عیسوی کے وسط سے شروع ہو کر 610ء میں اس کا اختتام ہوتا ہے۔اس دور کی سب سے مشہور تخلیقات سات طویل نظمیں ہیں۔جاہلی دور کے مقبول شعرا میں امراؤ القیس، طرفہ، زہیر ابن ابی سلمی، لبید، عمرو بن کلثوم، حارث بن حلّزہ، عنترہ بن شدّاد اور دیگر کے نام شامل تھے۔اس دور کا تذکرہ ظہور اسلام سے صرف ڈیڑھ سو برس قبل ملتا ہے۔اس سے پہلے کوئی آثار نہیں ملتے۔

عربی ادب کے ضمن میں قدیم ادب اور جدید ادب پر گفتگو کی گئی ہے۔قدیم عربی ادب کی احاطہ بندی ظہورِ اسلام اور ما قبل ہجرت نبوی سے نپولین کے مصر پر حملے اور محمد علی پاشا کے عہد حکومت سے پہلے تک کی گئی ہے۔جس میں اس دور کے سات معروف ومشہور عظیم شعراء کے معلقات جنہیں سبعہ معلقات سے کیا جاتا ہے، انہیں ذکر کیا گیا ہے۔قدیم عربی ادب میں ممتاز و ممیز ترین کون سا شاعر ہے تو کسی ایک کا نام کہ یہ سب سے ممتاز اور اعلی شاعر ہے، ماہرین ادب اور ناقدین ادب کی مختلف النوع آراء پائی جاتی ہیں، خالد حامد نے اپنی ''عربی زبان وادب: ایک تاریخی مطالعہ'' میں کچھ یوں رقمطراز ہیں:

> اشعر الشعراء خمسة:زهيراذا رغِب والنابغة اذا رهِبَ و الاعشى اذا طرِبَ و عنترة اذا غضِبَ وامرؤا القيس اذا ركِبَ او عشِقَ.
>
> (بہترین شعراء پانچ ہیں: زھیرؔ جب وہ کسی سے خوش ہو، نابغہؔ جب وہ کسی سے خائف ہو، اعشیٰؔ جب داد ودہش وغیرہ کی بدولت خوشی ومسرت سے ہمکنار ہو، عنترہؔ جب کہ وہ غضبناک ہو اور امرؤالقیسؔ

جبکہ وہ شہسوار ہو یا مر مستئ عشق ہو)۔[294]

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں دی گئی بلکہ ہر شعراء کے مخصوص میدان کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں وہ قارئین کو اپنی زبان دانی اور عربیت پر مہمیز کرتے ہیں۔ہم بخوبی یہ جانتے ہیں کہ ہر بنی نوع انسان کے پسندیدگی اور ناپسندگی کے معیار مختلف ہوتے ہیں اس لیے ادب کے قارئین اپنے ذوق کے مطابق شعراء وادباء کے کلام اور ادب پارے پڑھتے ہیں اور اپنے ذوق کے بناء پر پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں، مجموعی پر اگر دیکھا جائے تو مجموعی طور پر قدیم عربی ادب میں امرؤالقیس کو بہت زیادہ پسند کیا جاتاہے۔ محمد کاظم نے اپنی کتاب ''عربی ادب میں مطالعے ''میں یوں نقل کیاہے کہ:

''امرؤالقیس کا تعلق دور جاہلیت سے ہے، وہ نہ صرف اس دور کا سب سے بڑا اور صاحب اسلوب شاعر ہے بلکہ عربی زبان کی پوری شعری روایت میں اسے ابوالشعراء کا مرتبہ حاصل ہے''۔[295]

جدید عربی ادب کی ابتداء ایک طرح سے فکری، معاشرتی، ثقافتی تحریک کے طور پر ہوئی۔شدیاق، طٰہ حسین، عباس محمود العقاد، المازنی اور نجیب محفوظ وغیرہ جیسے معروف ومشہور ادباء نے اس کی ڈور باگ سنبھالی اور اسے خوب سے خوب تر پروان چڑھایا۔ان کے علاوہ شام کے ابوریشہ، مغرب کے شاعر علال الفاسی، المعداوی، الشابی اور دوسروں نے اپنی گراں قدر خدمات انجام دیں۔مذکورہ شعراء کی ادبی تحریکات سے ثقافتی ڈھانچے کا وجود ہوا، نیز اس تحریک سے ترجمہ، طباعت، صحافت وغیرہ جیسی تحریک کو بھی جلا ملی۔جدید عربی ادب کا وجود یا اس کی تخلیق قدیم تہذیبی ورثے کے احیاء اور مغربی ادب کے عربی زبان میں تراجم سے ہوا، جس کا آغاز 19ویں سے یوں ہوا کہ عربی زبان کے ماہرین نے عربی ادب کے قدیم نمونوں سے دنیا کو روشناس کرانے کی کوشش کی اور ان کی یہی کوشش جدید عربی ادب کی بنیاد بنی۔

---

[294] عربی زبان وادب: ایک تاریخی مطالعہ، خالد حامدی، ص159-160

[295] عربی ادب میں مطالعے، مقدمہ

دیکھا جائے تو جدید عربی ادب کا وجود ایک معجزہ سے کم نہیں ہے کیوں کہ عصر عباسی کے بعد صدیوں تک عربی زبان بے جان سی ہو گئی تھی اور صنائع وبدائع کی کثرت نے اس سے زندگی کا رنگ وروغن سب پھیکا کر دیا تھا۔ لیکن دور جدید نے اس کے اوراق کو پلٹا اور اسے توانائی بخشی۔ فرانسیسی اور انگریزی ادب سے اس کے جسم میں تازہ خون داخل ہوا جس سے جدید عربی ادب وشاعری کو نئی کشش ورعنائی حاصل ہوئی۔

سید احتشام احمد ندوی نے جدید عربی ادب کی تاریخ کے مقدمہ میں لکھا ہے:

> "جدید اصناف ادب نہ صرف عربی زبان میں داخل ہوئیں بلکہ ان کا ارتقاء اتنی تیزی کے ساتھ اوجِ کمال پر پہنچا کہ عربی ادب پھر ایک اہمیت وعظمت کا حامل بن گیا اور جدید ڈرامہ نگاروں اور قصہ نویسوں کے بہت سے ڈرامے اور قصے اکثر یورپ کی زبانوں میں ترجمہ کیے گئے"۔[296]

جدید عربی ادب کا یہ دور بھی اب تک دو سو سال کا ہو چکا ہے۔ اس عرصے میں شعراء اور ادباء کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ یہاں بیان کرنا ممکن نہیں ہے تاہم چند ایک نام ایسے ہیں، جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان شاعروں میں، احمد شوقی، حافظ ابراہیم، خلیل مطران جب کہ ادیبوں میں، طٰہٰ حسین، احمد امین، احمد حسن الزیات، عباس محمود العقاد، محمد حسین ہیکل، توفیق الحکیم، نجیب محفوظ اور طیب صالح کے نمایاں نام ہیں۔ حالیہ شعری منظر نامے پر محمود درویش، القاسم اور نزار قبانی کے نام بہت مقبول ہیں۔

اس باب کے تحت معروف ومشہور شعراء وادباء کے متعلق بھی ایجازاً اہم معلومات پیش کی گئی ہیں تاکہ اردو کا قاری بھی ان سے باخبر ہو سکے۔ جن ادباء وشعراء کے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں وہ کسی خاص مناسبت یا مخصوص زاویے کو سامنے رکھ کر نہیں کی گئی ہے، اس انتخاب میں عین ممکن ہے کہ کچھ خاص اور اہم شاعر یا ادیب کا نام ذکر میں نہ آیا ہو، لہٰذا اگر ممکن ہو تو اس کی طرف توجہ دلائیں یا آئندہ تحقیق کے لیے ایک راہ سمجھیں۔

---

[296] جدید عربی ادب کی تاریخ، سید احتشام احمد ندوی

ادباء و شعراء کے تعارف میں مختصراً ان کی حالت زندگی اور ان کے کچھ علمی کارنامے، ساتھ ہی کچھ مثالوں کو بھی درج کیا گیا ہے جیسے امرؤالقیس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ غیر معمولی شاعرانہ قوت کا حامل تھا، اس کو رئیس الشعراء جیسے لقب سے بھی نوازا گیا۔ اس نے قصیدے، غزل گوئی وغیرہ بہت عمدہ اشعار کہے ہیں جن کو پڑھنے کے بعد اشعار میں متنوع مضامین، حسن بیان، دقت معانی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اپنی محبوبہ عنیزہ پر کہے اشعار ملاحظہ ہوں:

مهفهفة بيضاء غُر مفاضة ترائبها مقصولة كالسجنجل

وجيد كجيد الرئم ليس بفاحش اذا هى نصته ولا بمعطل

یعنی وہ گوری چٹی ہے، اس کی کمر پتلی ہے، اس کا پیٹ ڈھیلا ڈھالا باہر کو نکلا ہوا نہیں ہے اور ہار پہننے کی جگہ (حلق اور سینہ کے درمیان کا حصہ) آئینہ کی طرح چمک دار اور چکنا ہے۔

اور اس کی گردن (خوبصورتی میں) ہرنی کی گردن کی طرح ہے۔ جب وہ گردن اٹھا کر دیکھتی ہے تو نہ بری لگتی ہے اور نہ زیور سے خالی معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح اس میں تقریباً بیس شعراء وادباء کے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

باب دوم میں اردو میں عربی ادب کے ترجمے کے آغاز کے متعلق گفتگو کی گئی، جس میں ابتداءً اردو میں ترجمے کی روایت، اردو میں ادبی ترجمے کی کی روایت، اردو میں عربی ادب کے ترجمے کی روایت اور اخیر میں ادبی ترجمہ: اصول و نظریات کو پیش کیا گیا۔

اس باب میں یہ بات سامنے آئی کہ اردو میں ترجمہ کی روایت اور اس میدان میں فورٹ ولیم کالج، جامعہ عثمانیہ، انجمن ترقی اردو روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی وغیرہ نے بہت اہم کردار ادا کیے۔ ماہرین مترجمین نے فن ترجمہ نگاری میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے فن ترجمہ نگاری زبان کے لا متناہی سلسلے کو کوزے میں سمو دیا ہے۔ میخائیل نعیمہ مترجم کے متعلق رقمطراز ہیں:

"مترجم ہمارے اور اس عظیم انسانی خاندان کے درمیان رابطے کا ایک ذریعہ ہے، وہ زبان کے پردوں میں چھپے ہوئے عظیم اذہان اور قلوب کے رازوں کو ہم پر وا کرتا ہے، ایک محدود اور تنگ دنیا سے نکال کر وسیع عالم تک لے آتا ہے اور پھر اسی عالم کے افکار، آرزوئیں، غم اور خوشیاں ہماری اپنی بن جاتی ہیں"۔[297]

عربی ادب کے اردو تراجم کے ضمن میں دیکھا جائے تو ہندوستانی مدارس میں داخل نصاب عربی ادب کی کتابوں کے متعدد اردو تراجم کر کے اردو زبان کے قارئین کو عربی ادب سے واقف کروایا تو وہیں خود عربی ادباء، شعراء، ناول نگاروں اور افسانہ نگاروں کی کتابوں کے بھی اردو تراجم کر کے اردو زبان کو ثروت مند بنایا۔ عربی ادباء و شعراء میں سے احمد امین، طہ حسین، مصطفی المنفلوطی وغیرہ کے ادبی شاہکار اور ناولوں کے اردو تراجم کا فریضہ انجام دے کر جہاں اردو زبان کو مالا مال کیا تو وہیں دوسری طرف عربی ادب کو فروغ بھی حاصل ہوا۔

باب سوم میں عربی ادب کی نثری کتب کے اردو تراجم کا جائزہ لینے کی بھرپور کوشش کی گئی۔اس باب میں نثری ادب کی ایک کتاب کے کئی تراجم کے ساتھ تقریباً 80 کتابوں کی فہرست تیار کی گئی ہے۔زیر نظر بحث باب میں درس نظامی شامل عربی ادب کے مختلف کتابیں جیسے مقامات حریری، حیاتی، الأیام، کلیلۃ ودمنۃ، نفحۃ العرب، مختارات کے مختلف تراجم بلکہ یوں کہا جائے کہ شروحات کا جائزہ لیا گیا ہے، جسے مترجم و شارحین نے طلباء مدارس کی درسی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا ہے، اس لیے ان بعض دفعہ قوسین، یا وضاحت سے کام لیا گیا ہے۔ باقاعدہ طور ان کتابوں کا کوئی ایسا ترجمہ نہیں ہے جنہیں بالکلیہ طور صرف ترجمے کے زمرے ہی رکھا جائے۔

مقامات کی تقریباً 10 تراجم کی فہرست درج ہے، ان تمام تراجم کا بخوبی جائزہ لیا گیا ہے، ساتھ عربی متن مع اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔چونکہ اس مقالہ میں اردو تراجم کا صرف جائزہ لیا گیا ہے نہ کہ تقابلی جائزہ۔اس لیے راقم نے دوران جائزہ ان تراجم کے مابین تقابل سے احتراز برتا گیا ہے لہذا ان تراجم کے مابین تقابل نہ تلاش کیا جائے۔مقامات کے اردو تراجم میں سے چند مثالیں مع عربی متن اور اردو ترجمہ درج

---

[297] عربی ادبیات کے اردو تراجم، مقدمہ

کیا جاتا ہے۔ابن الحسن عباسی کا ترجمہ ''درس مقامات'' مقامات حریری کے ابتدائی دس مقاموں کی جدید شرح ہے، جو سلیس ترجمہ، الفاظ کی لغوی تحقیق، ان کے جدید اصطلاحی معانی، اشعار کی ترکیب اور ہر مقامہ کے خلاصہ کے ساتھ ساتھ لغوی نودرات، امثال و حکایات اور ادبی لطائف پر مشتمل ہے۔ مترجم نے لفظی کے دوران اگر کسی قسم کی ضرورت محسوس کی تو وہاں قوسین کے اندر تھوڑی بہت وضاحت بھی کر دی ہے۔

ساتھ ہی دوسری کتبِ عربی ادب جیسے طٰہٰ حسین کی کتاب ''الوعد الحق'' جس کا اردو ترجمہ عبدالمجید حریری وعدہ بر حق، معراج محمد بارق ''خدائی وعدہ'' کے نام سے اردو میں ترجمے کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس کتاب کی ابتداء میں ہی مترجم نے دوران ترجمہ اپنائے گئے امور کا مختصر تذکرہ کیا ہے:

ممکنہ حد تک اردو ترجمہ کو اصل کے قریب تر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مختلف مقامات پر مترادفات کے ضمن میں قدرے تصرف سے کام لیا گیا ہے۔

ضرب الامثال و محاورات کو بعض مقامات پر مقامی رنگ دینے کی سعی کی گئی ہے۔

اردو میں مستعمل تشبیہات سے کام لیا گیا ہے، اور بعض کو حذف کیا گیا ہے تا کہ جھول نہ پیدا ہو سکے۔

معزز شخصیات کے واحد غائب کا ہی صیغہ استعمال کیا گیا اور بعض جگہ اس کے بر خلاف۔

باب چہارم میں عربی ادب کی شعری کتب کے اردو تراجم کا جائزہ لینے کی حتی المقدور سعی کی گئی۔اس میں بالخصوص دیوان المتنبی، دیوان الحماسۃ اور سبعہ معلقہ کے مجموعی طور پر تقریباً 20 اردو تراجم و شروحات کی فہرست تیار کی گئی، جن میں دستیاب تراجم کا جائزہ لیا گیا۔ غیر دستیاب کتب کے متعلق کوئی جائزہ نہیں لیا گیا، انہیں صرف فہرست میں شامل درج کر دیا گیا ہے تا کہ ترجمہ شدہ کتابوں کے متعلق معلومات ہو جائے۔

جیسا کہ ہم جاتے ہیں کہ عربی ادب کی پہلی شکل عربی شاعری ہے۔ماہرین عربی ادب نے اس کی مختلف تعریفات کی ہیں، مشہور و معروف محقق و ادیب قدامہ کا کہنا ہے کہ ''إنہ قول موزون مقفى يدل على معنى''(یعنی شعر ایسا باوزن و قافیہ قول ہے جس کسی معنی پر دلالت کرے)۔

عربی زبان وادب کی شعری کتب کے اردو تراجم کے ضمن میں یہ دیکھا گیا ہے کہ بہت حد تک نصابی کتابوں کو طالب علموں کی درسی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے انجام دیئے گئے ہیں۔ جیسے دیوان المتنبی، دیوان الحماسۃ، سبعہ معلقات وغیرہ کے مختلف اردو تراجم کو دیکھا جاسکتا ہے۔ دیوان المتنبی درس نظامی کے عربی ادب کے نصاب میں داخل ہے، جو کافی عرصے سے پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ اس کتاب میں تقریباً پانچ ہزار سے اشعار درج ہیں۔ متنبی کا دیوان عربی ادب کا ایک ایسا ادبی شہ پارہ ہے جس میں محاورات، تشبیہات، استعارے، کنایے وغیرہ ارکان بڑی عمدگی سے برتے گئے ہیں۔ دیوان المتنبی ضخیم ہونے کے باعث بعد کے اساتذہ، مترجم و شارحین نے عمدہ منتخب قصیدوں کی ایک علیحدہ کتاب تیار کی ہے تاکہ طالب علموں صحیح تربیت کے ساتھ ان پر زیادہ بھاری اور گراں نہ گذرے۔ دیوان المتنبی اور منتخب قصائد کی مختلف شروحات اور تراجم کیے گئے ہیں۔

اسیر ادروی کی دیوان المتنبی کی اردو شرح بہت ہی عمدہ اور لائق فائق کتاب ہے۔ جو نہایت آسان اور سہل زبان میں تیار کی گئی ہے۔ ان کے کچھ تراجم پر نظر کرتے ہیں۔ جس میں مترجم و شارح کے طریقہ کار اندازہ لگایا جاسکے۔

هبت النكاح حذار نسل مثلها   حتى وفرت على النساء بناتها

فاليوم صرت الى الذى لو انه   ملك البرية لاستقل هباتها

ترجمہ: اس طرح کے نسل سے بچنے کے لیے میں نکاح سے ڈرتا رہا یہاں تک کی میں نے عورتوں پر ان کی لڑکیوں کو بڑھادیا۔

یعنی ناکارہ نسل پیدا کرنے سے بہتر میں نے یہی سمجھا کہ شادی ہی نہ کی جائے اور شادی نہ کرنے کی وجہ سے ماؤں کے پاس ان کی بہت سی لڑکیاں بن بیاہی رہ گئیں۔

پس آج میں اس شخص کے پاس ہوں کہ اگر ساری مخلوق کا مالک ہو جائے تو اس کو بھی دینے کو کم ہی سمجھے [298]

یعنی میں آج ایسے فیاض اور سخی شخص کی خدمت میں حاضر ہوں کہ ساری دنیا بھی کسی کو بخش دے تو وہ

---

[298] شرح اردو دیوان المتنبی، نظام الدین اسیر ادروی، ص319

یہی سمجھے گا کہ ابھی میں نے اس کو کم کر دیا ہے۔

مندرجہ بالا پہلے دو اشعار کے ترجمے پر جب نظر کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ مترجم نے سلیس اور سادہ ترجمہ کی تکنیک کو بروئے کار لاتے ہوئے اسے انجام دیا ہے۔ رعایت لفظی کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ بہت زیادہ الفاظ کے حذف و اضافہ سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ طالب علموں کو ذہن میں رکھتے ہوئے موقع کی مناسبت سے تھوڑی بہت وضاحت بھی درج کی گئی ہے۔

باب پنجم میں اردو زبان و ادب پر عربی تراجم کے اثرات کو زیر بحث لایا گیا۔ اس باب میں موضوع بحث عربی کے اردو پر مختلف اثرات ہیں چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ اردو زبان مختلف زبانوں سے مل کر وجود میں آئی ہے، اس لیے اس کا مختلف النوع اثرات سے مبرا ہونا ناقابل قبول ہے۔ اردو زبان پر جہاں علاقائی زبانوں کا اختلاط رہا اور جس کے باعث ان زبانوں کے اثرات اردو زبان میں جابجا نظر آتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح عربی زبان کے ساتھ ابتداء سے ہی اختلاط کے باعث اس کی نشو و نما میں کافی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

کوئی بھی زبان دوسری زبانوں کے اثرات سے خالی نہیں ہے حتی کہ عربی زبان جسے ام اللغات یعنی زبانوں کی ماں سے موسوم کیا جاتا ہے، دوسری زبان کے اثرات سے خالی نہیں کیوں کہ اس میں سریانی، عبرانی اور دوسری زبانوں کے بہت سے الفاظ پائے جاتے ہیں جسے ماہرین عربی زبان 'معرب' سے موسوم کرتے ہیں۔ عربی زبان کے دوسرے زبانوں کے اثرات کی سب سے بڑی دلیل قرآن مجید ہے جس میں دوسری زبانوں کے کافی الفاظ شامل ہیں۔

> "علامہ جلال الدین سیوطی نے قرآن پاک میں دوسری زبانوں کے الفاظ جو عربی میں داخل ہوئے ہیں، انہیں جمع کیا ہے جن کی تعداد 126 کے قریب ہے۔ یہ الفاظ گیارہ زبانوں یعنی حبشی، فارسی، رومی، ہندوستانی، سریانی، عبرانی، نبطی، ترکی بربری اور زنجی سے منقول ہیں"۔ [299]

اردو زبان کے وجود میں عربی اور فارسی کا اہم کردار ہے، اس کے متعلق یہ بات مشہور و معروف ہے کہ اردو زبان کا عربی و فارسی سے رضاعت کا رشتہ ہے یعنی اسی سے اخذ و استفادہ کے بعد اردو وجود میں آئی، جس کے

---

[299] الالفاظ القرآنیہ المعربۃ الواردۃ فی النص، ص: 169-187

اثرات ہمیں جابجا نظر آتے ہیں۔ جب اردو زبان کا تعلق اس قدر ہے تو اس پر عربی کے مختلف النوع اثرات اور اس سے اخذ و استفادہ کا پایا جانا لازم و ملزوم ہے۔ عربی کے اردو پر اثرات کے متعلق ڈاکٹر علیم اشرف جائسی اپنی کتاب "اردو زبان و ادب پر عربی کے اثرات" میں یوں رقمطراز ہیں:

> "باوجود یہ کہ اردو کی نشو و نما میں کئی زبانوں کا دخل رہا ہے لیکن عربی زبان اس میدان میں سب سے آگے ہے۔ اردو زبان کی ترویج و ترقی میں سب سے اہم کردار عربی زبان کا ہی رہا ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اردو پر فارسی زبان کا واضح اور مضبوط اثر ہے لیکن اس میں بھی عربی کا اثر شامل ہے؛ کیوں کہ فارسی پر عربی زبان کا اثر ہے۔ بلکہ فارسی کی نشو و نما عربی کے گہوارے میں ہوئی، فارسی عربی کے زیر سایہ جوان ہوئی اور اسی کے تعاون سے ترقی کے مراحل طے کیے۔"[300]

اس باب میں زیر بحث موضوع اردو زبان و ادب پر عربی تراجم کے اثرات ہے۔ چنانچہ یہاں اردو زبان پر عربی کے لسانی، تہذیبی، اسلوبیاتی و موضوعاتی اثرات پیش نظر رکھا گیا اور اسی دائرے کے اندر رہتے ہوئے حتی المقدور تحقیقی بحث کی گئی ہے۔

اس باب میں لسانی اثرات، تہذیبی اثرات اور موضوعاتی اثرات پر حتی المقدور بحث گئی ہے۔ لسانی اثرات کے تحت اردو لغات پر گفتگو کی گئی ہے جس میں اردو میں معنوی تبدیلی اور بغیر معنوی تبدیلی کے مستعمل عربی الفاظ، عربی سابقے لاحقے والے الفاظ مع امثلہ بیان کیے گیے ہیں۔

تہذیبی اثرات کے تحت ضرب الامثال، کہاوتیں، محاورے، تلمیحات، استعارے اور تشبیہات کو مع مثال بیان کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ نیز تہذیب اثر کے باعث لباس اور کھانے پر مختصر سی تحریر درج کی گئی ہے۔

---

[300] اردو زبان اودب پر عربی کے اثرات، ص 59

نتائج

مذکورہ بالا ابواب کے ماحصل ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

- تحقیقی مقالہ چونکہ ادب، عربی ادب (ترجمے کے حوالے سے) سے متعلق ہے اس لیے ابتدائی ابواب میں ادب، عربی ادب اور عربی ادباء پر تحقیقی بحث کی گئی ہے تاکہ ابتداء ہی میں ادب اور عربی ادب کے متعلق کچھ ضروری معلومات فراہم کی جاسکیں۔ نیز مقالہ ترجمے سے متعلق ہونے کی باعث مختصر طور پر مبادیات ترجمہ سے بھی بحث کی گئی ہے۔
- اس تحقیقی مقالے میں ایک باب اردو زبان وادب پر عربی کے اثرات سے متعلق ہے، یہ باب اپنے آپ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے کیوں کہ تاریخی شواہد اور دلائل کی روشنی میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ خود اردو کی نشوونما اور ساخت وپرداخت میں فارسی زبان کے ساتھ ساتھ عربی نے بڑا اہم کردار ہے چنانچہ ان وجوہات کے باعث اردو زبان وادب پر عربی زبان وادب کے بہت سے اثرات مرتب ہوئے ہیں، اس لیے مقالہ میں ان اثرات کو لسانی اور تہذیبی سطح پر تحقیقی انداز میں زیر بحث لانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔
- اصل ابواب کے ضمن میں پہلے پہل عربی ادب کی کتابوں کے اردو تراجم کی فہرست تیار کی گئی ہے تاکہ ان کی حصولیابی میں آسانی ہو۔اس ذیل میں 100 سے زائد اردو تراجم کی فہرست تیار کی گئی ہے۔ فہرست کی تیاری عربی ادب کے بعض ماہرین سے مشاورت کی گئی ہے۔ فہرست مذکورہ میں بعض عربی ادب کی ایک ہی کتاب کے کئی اردو تراجم سامنے آئے، بعدہ ان تراجم کے دستیابی کی طرف توجہ دی گئی اور مقالے میں حصول یافتہ تراجم کا حتی الوسع جائزہ لینے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔
- دورانِ تحقیق محقق نے حتی المقدور عربی ادب کے اردو تراجم شہر حیدرآباد کے مختلف مدارس،لائبریوں بالخصوص جامعہ عثمانیہ حیدرآباد،حیدرآباد آصفیہ لائبریری میں تلاش کرنے کی کوشش کی، لیکن سوائے چند کتابوں کے وہاں سے اردو تراجم دستیاب نہیں ہوسکے،اس کی بڑی وجہ لائبریری میں اردو کتابوں سے بے اعتنائی اور ان کے رکھنے کی جگہ سے لائبریری میں موجود فرد کی

عدم واقفیت بھی شامل رہی۔ چنانچہ راقم نے مدارس کے اساتذہ، طلباء، مطبع کتاب گھر، دیوبند کے مختلف کتب خانوں سے رابطہ کر کے جتنی بھی کتابیں مل سکتی تھیں انہیں حاصل کیا۔

- پیشِ نظر تحقیقی مقالہ میں بہت سی ایسی کتابیں بھی سامنے آئیں، بالخصوص جدید عربی ادب کی کتب جو دور حاضر کے لائق فائق عربی ادیبوں کے اعلیٰ شہ پارے ہیں، جو عربی کے بجائے زیادہ تر انگریزی سے اردو میں ترجمہ کے ذریعہ منتقل ہوئے۔ اس لیے محقق نے ان کا جائزہ لینا مناسب نہیں سمجھا، اس کی ایک وجہ یہ ہوئی کہ وہ ترجمے عربی کے بجائے انگریزی سے ہوئے تھے اور دوسری سب سے بڑی وجہ یہ کہ وہ تراجم دستیاب بھی نہیں ہو سکے۔
- حصول یافتہ تراجم پر صرف نظر کرنے کے بعد اس بات کا شدید احساس ہوتا ہے کہ عربی ادب کے اردو تراجم کے لیے باقاعدہ طور سرکاری یا غیر سرکاری ادبی اداروں یا اکادمیوں کی طرف سے ایسے افراد کو مالی معاونت بہم پہونچانا چاہیے جو ان عربی کے ادبی شہ پاروں کو اردو میں منتقلی کا فریضہ انجام دیں سکیں۔ گرچہ کچھ اداروں نے اس ضمن میں تھوڑا بہت پہل کی ہے جو کہ نہ کے برابر ہے۔
- مذکورہ اردو تراجم زیادہ تر درسی ضروریات کے پیش نظر دینی مدارس کے فضلاء نے ذاتی طور پر محدود وسائل کے رہتے ہوئے انجام دئے ہیں، اگر یونیورسٹیوں کے عربی شعبہ جات کے ماہرین اس جانب توجہ دیتے تو عین ممکن تھا کہ خود یونیورسٹی کی معاونت اور دستیاب وسائل کے سبب اچھے تراجم سامنے آتے نیز شروحات کے بجائے خالص ترجمے سامنے آتے اور ان کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا۔
- عربی ادب کی کتابوں کے اردو تراجم جو دستیاب ہوئے ہیں ان میں زیادہ تر عربی ادب کی وہ کتابیں ہیں مدارس میں داخل نصاب ہیں جیسے مقامات، کلیلۃ ودمنۃ، قصائد المتنبی وغیرہ۔ چنانچہ ان تراجم پر جب نظر کرتے ہیں تو مترجمین یا شارحین نے خود کتاب کے مقدمے یا ابتداء میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ یہ تراجم طلباء کی درسی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے انجام دیے گئے ہیں۔ ساتھ ہی انہوں مقدمۃ الکتاب میں ترجمے کے متعلق کچھ ابتدائی باتیں بھی ذکر کر دی ہیں جنہیں دوران ترجمہ یا تشریح ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔

- ان تراجم کا جائزہ لینے کے بعد اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اردو مترجمین کس قدر ترجمہ اور ترجمہ نگاری سے بہر صورت اچھی واقفیت رکھتے تھے، چونکہ زیادہ تراجم داخل نصاب کتابوں کے ہیں اور درسی ضروریات کے پیش نظر انہیں انجام دیا گیا تو ان میں زیادہ تر تراجم لفظی رعایت کے سبب بہت زیادہ رواں اور بامحاورہ نہیں ہیں؛ جب کہ ان میں کچھ ایسے تراجم ہیں جو رعایت لفظی کے باوجود بامحاورہ اور سلیس معلوم ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بات عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عربی ادب کی کتابوں کے کچھ تراجم ایسے بھی ہیں کہ جن میں بہت زیادہ حذف واضافہ سے بھی کام لیا گیا ہے جیسے کہ کلیلۃ ودمنۃ کا ایک ترجمہ جسے مترجم نے بیان نو سے موسوم کیا ہے جس میں عربی متن کے کئی کئی پیرا گراف ہی کو حذف کر دیا گیا ہے۔
- عربی ادب کے اردو تراجم کا جائزہ لینے کے بعد اس بات کا احساس ہوا کہ موجودہ زمانہ میں جدید عربی ادب کے تراجم اردو کے بجائے دنیا کی دیگر زبانوں بالخصوص انگریزی میں کیے جا رہے ہیں پھر اس کے بعد انہیں انگریزی تراجم کو انگریزی کے ماہرین جو اردو ادب سے بھی اچھی خاصی واقفیت رکھتے ہیں، اردو میں منتقلی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اور ان میں چند ہندوستانی مترجمین کے علاوہ زیادہ تر تعداد پڑوسی ملک پاکستان سے تعلق رکھتی ہے۔ اس تحقیق کے نتیجے میں عربی ادب کے قدیم وجدید ادبی شہ پاروں کے اردو تراجم کا ایک تحقیقی مواد سامنے آگیا ہے، مزید تحقیقی امور کی انجام دہی میں عین ممکن ہے کہ یہ تحقیقی مقالہ مدد ومعاون ثابت ہو اور تحقیق کے لیے ایک مزید باب وا کرے۔

سفارشات

دوران تحقیق محقق بہت سے ایسے امور سے گذرتا ہے جن کی نشاندہی کرنامقالے کے اخیر میں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ سفارشات کے طور پر چند امور قلمبند کیے جاتے ہیں تاکہ مزید اس ضمن میں تحقیق کرنے والے افراد انہیں برتیں تو ان کی تحقیق علمی پایہ کے اعلیٰ معیار پر فائز ہو اور عمدہ تحقیق سامنے آئے، چند سفارشات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

- ❖ عربی ادب کی کتابوں کے اردو تراجم درسی ضرورت سے الگ خالصتاً ایک زبان کے ادب کو دوسری زبان میں منتقلی کے طور پر انجام دیے جائیں تاکہ ایک خالص ترجمہ سامنے آئے۔
- ❖ حکومتی سطح پر ایسے اداروں کے قیام کو یقینی بنایا جائے جہاں اردو زبان کے مترجمین کی تربیت کے ساتھ ساتھ اصطلاحات اور اصول تراجم وضع کیے جائیں تاکہ عمدہ اور بہترین تراجم سامنے آسکیں۔
- ❖ وہ مترجمین جو ذاتی طور پر عربی ادب کے اردو تراجم کے فریضہ کو انجام دیں، ان کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ مالی معاونت بھی کی جائے تاکہ مزید اردو تراجم کا سلسلہ جاری رہے اور عربی ادب کے زیادہ سے زیادہ ترجمے اردو قارئین کے لیے دستیاب ہو سکیں۔
- ❖ اردو زبان وادب کی ترقی و ترویج کے میدان میں کام کرنے والی تنظیموں کو چاہیے کہ جدید عربی ادب کی مشہور و معروف کتابوں کو منتخب کریں اور ان کے تراجم کے لیے فنڈس پاس کرائیں تاکہ اچھے مترجمین خوش اسلوبی کے ساتھ بغیر کسی مالی پریشانی کے اس عظیم کو انجام دے سکیں۔
- ❖ دینی مدارس اور جامعات کے مابین ایسے تعلقات استوار کیے جائیں جس سے وہاں کے ذہین، لائق وفائق طلباء کی ہائر ایجوکیشن کے ساتھ ساتھ اردو تراجم میں مزید اضافہ ہو اور ساتھ ہی علمی تعلقات بھی وابستہ ہوں۔
- ❖ گلوبلائزیشن کے اس دور میں ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ ادب کے ترجموں کے ضمن میں مترجمین کو ٹکنیکل امور سے آگاہ کیا جائے تاکہ زمانہ حال میں مشینی ترجمہ کے ضمن میں بھی وہ اپنی خدمات انجام دے سکیں۔

- ہندوستان میں قائم اردو جامعات کو ایسے مراکز بنانے پر زور دینا چاہئے جہاں مختلف زبان کے ادبی شہ پاروں کو اردو میں منتقلی کا فریضہ انجام دیا جاسکے۔ کچھ ادارے اس ضمن میں کام کر رہے ہیں مزید انہیں فعال بنانے کی ضرورت ہے۔
- مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشن کو چاہیے کہ خود یونیورسٹی کے شعبہ عربی کے اساتذہ کی معاونت سے عربی ادب کے شہ پاروں کو اردو میں منتقل کرانے اہم کام انجام دے، نیز دوسری جامعات و مدارس کے اساتذہ سے اس ضمن میں تعاون حاصل کرے تاکہ عربی کے اعلیٰ شہ پارے اردو زبان وادب میں منتقل ہو سکیں جو اردو میں ادبی اضافے کے ساتھ اردو قارئین کے مطالعے کے لیے دلچسپی کا باعث ہوں۔
- یونیورسٹی کی لائبریری کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ مختلف شعبہ جات سے مطلوب کتابوں کی فہرست تیار کر کے لائبریری میں ان کی دستیابی کو یقینی بنائیں کیوں کہ اپنی لائبریری سے بھی استفادہ کا موقع ملا لیکن بڑے افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑ رہی ہے کہ عربی ادب کے اردو تراجم سے متعلق کتابیں دستیاب نہ ہو سکیں۔

کتابیات

اردو، عربی کتب ورسائل

1. ابرار احمد اجراوی، عربی ادبیات کے اردو تراجم: تحقیق و تنقید، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، 2018
2. ابن الحسن عباسی، توضیح الدراسۃ، مکتبہ عمر فاروق کراچی، 2008
3. ابن الحسن عباسی، درس مقامات حریری، فیصل پبلیشرز دیوبند، 2004
4. ابن قتیبہ (مؤلف: احمد محمد شاکر)، الشعر والشعراء، دار الحدیث قاھرہ، 2007
5. ابن منظور انصاری افریقی، لسان العرب، دار صادر بیروت، 2010
6. ابوالحسن علی ندوی، مختارات من ادب العربی، مجلس نشریات اسلام کراچی، 1991
7. ابوالحسن قادری، إتقان الفراسۃ، مکتبہ المدینہ کراچی، 2012
8. ابوالحسن منصور احمد، الف لیلہ و لیلہ، تخلیقات لاہور،
9. ابوالفرج اصبہانی، کتاب الاغانی
10. احتشام حسین، ہندوستانی لسانیات کا خاکہ، دانش محل امین الدولہ پارک، لکھنؤ، 1971
11. اخلاق دہلوی، روح بلاغت، کتب خانہ انجمن ترقی اردو، اردو بازار دہلی، 1963
12. ارشد رازی، کلیلۃ ودمنۃ، روشاں پرنٹرس دہلی، 2018
13. اسامہ عبدالرحمن، مبشرات، مکتبہ امدادیہ ملتان، 2006
14. اسید الحق قادری، عربی محاورات، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں شریف
15. اسیر ادروی، دیوان المتنبی (اردو شرح)، قدیمی کتب خانہ کراچی
16. اشعر نجمی (مدیر)، عالمی نثری ادب: ایک انتخاب، اثبات پبلی کیشنز ممبئی، 2021
17. افتخار علی، الافاضات، زکریا بک ڈپو دیوبند سہارنپور
18. افتخار علی، الافاضات، کتب خانہ مجیدیہ ملتان، 2004
19. اقبال احمد کفایت اللہ، ہندو پاک میں عربی ادب، تاج آفسٹ پریس الہ آباد، 1982
20. پروفیسر احسان الرحمن، میری زندگی، نئی دہلی

21. پروفیسر شبیر احمد ندوی، ہندوستان میں عربی زبان وادب کا فروغ: مختصر تعارف وتجزیہ، بہ تعاون فخر الدین علی میموریل کمیٹی، 2012

22. پروفیسر قلب بشیر خاور بٹ، عالم بالا کے سایے میں، الفیصل لاہور، 2010

23. پروفیسر نعمان ناصر اعوان، ہمارے محاورے، ندیم یونس پرنٹرز لاہور

24. جمشید احمد قاسمی، الکمالات الوحیدۃ، مکتبہ خدیجۃ الکبریٰ کراچی

25. حاجی خلیفہ، کشف الظنون، دار الفکر بیروت، لبنان، 2007

26. حافظ بلال اشرف، بیان المختارات، دار الکتب السلفیہ لاہور، 2010

27. حافظ شبیر حسین، افادات شبیری، مکتبہ اعلیٰ حضرت، دربار مارکیٹ لاہور، 2015

28. حبیب اشعر دہلوی، ٹوٹے ہوئے پر، کتب خانہ علم وادب دہلی

29. حسن الدین احمد، انگریزی شاعری کے منظوم اردو ترجموں کا تحقیق وتنقیدی مطالعہ، نیشنل پریس چار کمان حیدر آباد، 1984

30. حکیم عبد الباقی شطاری، الایام، انجمن ترقی اردو علی گڑھ،

31. حنا الفاخوری، تاریخ الأدب العربی، دار الجیل، بیروت لبنان 1986

32. خالد حامدی، عربی زبان وادب: ایک تاریخی مطالعہ، ادارۂ شہادت حق نئی دہلی، 1986

33. خلیق انجم، فن ترجمہ نگاری، ثمر آفسٹ پرنٹرز نئی دہلی، 1996

34. خلیل حامدی، زنداں کے شب وروز، ہندوستان پبلی کیشنز

35. خورشید انور ندوی مدنی، دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں، مکتبہ خورشید مدنی بجنور، 2016

36. خورشید رضوی، عربی ادب قبل از اسلام، ادارہ اسلامیات پبلیشرز پاکستان، 2010

37. ڈاکٹر اشفاق احمد ندوی، جدید عربی ادب کے ارتقاء میں مہجری ادباء کی خدمات، نظامی پریس لکھنؤ، 1984

38. ڈاکٹر شوقی ضیف (مترجم: شمس کمال انجم) جدید عربی ادب، الکتاب انٹرنیشنل نئی دہلی، 2005

39. ڈاکٹر فوزان احمد، جدید عربی شاعری، ایجوکیشنل بک ہاؤس نئی دہلی، 2013

40. ڈاکٹر میمونہ حمزہ، صرف پانچ منٹ، منشورات، نئی دہلی، 2014

41. ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی (مترجم: محمد طارق)، اردو زبان وادب پر عربی کے اثرات، این سی پی یو ایل نئی دہلی، 2019

42. ڈاکٹر فہیم الدین احمد، علم ترجمہ: نظری و عملی مباحث، اردو ٹرانسلیشن اکیڈمی حیدرآباد، 2015

43. ڈاکٹر قمر رئیس، ترجمہ کا فن اور روایت، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، 2004

44. ڈاکٹر مسکین حجازی، فن ادارت، مرکزی اردو بورڈ، لاہور

45. ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، مختصر تاریخ ادب عربی، مکتبہ الفہیم مئوناتھ بھنجن یو۔پی، 2017

46. ذوالفقار علی دیوبندی، تسہیل الدراسۃ، میر محمد کتب خانہ کراچی

47. راجیشور راؤ اصغر، رسالہ گنجینہ امثال، مطبع شمسی حیدرآباد دکن 1892

48. ساحر لکھنوی، مختصر فرہنگ تلمیحات و مصطلحات، ارتقا پبلیشرز لکھنؤ، 1986

49. سر سید احمد خان، تاریخ عرب، پرویز بک ڈپو دلی، 1973

50. سید احتشام احمد ندوی، جدید عربی ادب کا ارتقاء، (طبع اول) حیدرآباد، 1979

51. سید باقر حسین، ترجمے کے اصول

52. سید زوار حسین زیدی، بیاض مبارک

53. سید کلیم اللہ حسینی، بلاغت، اعظم اسٹیم پریس، حیدرآباد، 1942

54. سید مشتاق احمد، تحفۃ المشتاق لمن یقرأ المقامات، ادارۃ التصنیف، خانیوال پاکستان، 2005

55. شیخ نذیر حسین، سرگذشت حیات، مجلس ترقی ادب لاہور

56. صادق الامین، دروس مقامات، مکتبۃ الاسلام، کراچی

57. طارق سعید، اسلوب اور اسلوبیات، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، 1996

58. الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر و شاعری، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی، 2013

59. طفیل احمد مدنی، تاریخ ادب عربی، ایوان کمپنی الہ آباد، 1985

60. عابد علی عابد، اصول انتقاد ادبیات، مجلس ترقی ادب لاہور، 1960

61. عبدالجبار قاسمی، ابوالعتاہیہ کی زہدیہ شاعری: ایک تنقیدی مطالعہ، شعبہ عربی اے ایم یو علی گڑھ، 1998

62. عبدالحفیظ، اشرف الادب، قدیمی کتب خانہ کراچی

63. عبدالحلیم ندوی، عربی ادب کی تاریخ (تین جلدیں)، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، 2014

64. عبدالرحمٰن سورتی (مترجم)، (مؤلف: احمد حسن زیات)، تاریخ ادب عربی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، پرنٹرز و پبلیشرز لاہور، 1961

65. عبدالغفور، تیسیر مقامات، مکتبہ دارالقلم، کراچی، 2008

66. عبداللہ ابن المقفع، کلیلۃ ودمنۃ، دارالمیسرۃ بیروت، 1980

67. عبدالمجید حریری، وعدہ برحق، حامعہ سلفیہ بنارس

68. عتیق الرحمن سیف، لمعات الذھب، کراچی، 1426ھ

69. عتیق الرحمن عتیق، تصریحات، دارالکتب الدینیۃ، 1432ھ

70. عصمت ابو سلیم (مترجم)، المنجد اردو، مکتبہ دانیال، لاہور

71. علامہ ابن خلدون (مترجم: راغب رحمانی) مقدمہ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، 2001

72. علامہ زبیدی، تاج العروس، طبعۃ الکویت، 2006

73. غلام رسول کوکب، مقامات خمسۃ حریری، گنج شکر پرنٹر لاہور

74. قاضی سجاد حسین، التوشیحات علی السبع المعلقات، میر محمد کتب خانہ کراچی، 1357ھ

75. قاضی سجاد حسین، التوشیحات، میر محمد کتب خانہ کراچی

76. قاضی سجاد حسین، عربی ادب کے سات منظوم شاہکار، قدیمی کتب خانہ کراچی

77. قزوینی، تلخیص، المکتبہ العصریہ، بیروت

78. گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، 2004

79. گیان چند، اردو کی نثری داستانیں، اردو اکاڈمی لکھنؤ اترپردیش، 1987

80. لوئس مالوف (مترجم: ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی، المنجد اردو، خزینۃ العلم اردو بازار لاہور

81. المجلة العلمية لكلية التربية النوعية العدد الثامن عشر - أبريل ٢٠١٩ ج٢

82. محمد ابوبکر فاروقی، تراجم کے مباحث، سٹی بک پوائنٹ کراچی، 2016

83. محمد اعزاز علی، نفحۃ العرب، مکتبہ البشریٰ کراچی، 2008

84. محمد امین کھوکھر و محمد یٰسین قصوری، دیوان متنبی (مترجَم)، صدیقی پبلی کیشنز لاہور

85. محمد حامد ابوالنصر (مترجم: حافظ محمد ادریس)، وادی نیل کا قافلہ سخت جان، ہندوستان پبلی کیشنز، دہلی، 1990

86. محمد حسن یوسف، کیف تترجم، 2006

87. محمد حنیف گنگوہی، تحفۃ الادب، دارالاشاعت پاکستان، 1997

88. محمد خالد محمود، انوارات، دارالقلم لاہور

89. محمد سلماوی (مترجم: ڈاکٹر محمد قطب الدین)، تتلی کے پر، جے ایم سی انڈیا پبلیشر پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی، 2016

90. محمد عارف الدین فاروقی، زندگی میری، البلاغ پبلی کیشنز نئی دہلی، 2015

91. محمد عبدالاحد، عربی ادب کی تاریخ، در مطبع مجتبائی دہلی، 1909

92. محمد کاظم، عربی ادب کی تاریخ: دور جاہلیت سے موجودہ دور تک، سنگ میل لاہور

93. محمد کاظم، عربی ادب میں مطالعے، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 1990

94. محمد ناصر، تسہیلات، مکتبہ رحمانیہ کراچی

95. محمد نور حسین قاسمی، تشریحات، دارالاشاعت، کراچی، 2011

96. محمد نور حسین قاسمی، محمد صدیق ارکانی، مطرالسماء، دارالاشاعت کراچی، 2009

97. محمد قاسم اوجھاری، علامہ حریری اور ان کی کتاب مقامات حریری: تعارف اور تجزیہ،

98. محمد منیر صدیقی لکھنوی، گنجینہ اقوال امثال، مطبع مجیدی کانپور، باراول، 1933

99. محمد نعیم صدیقی، تاریخ ادب عربی،

100. محمود نیازی، تلمیحات غالب، غالب اکیڈمی دہلی، 1972

101. مرزا حامد بیگ، اردو ترجمے کی روایت 1786 سے تا حال، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، 2016

102. مرزا حامد بیگ، ترجمہ کا فن، کتابی دنیا دہلی، 2005

103. مرزا محمد عسکری، آئینہ بلاغت، صدیقی بک ڈپو لکھنؤ، 1937

104. مسعود انور علوی کاکوری، ابونواس اور متنبی، نظامی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ، 1984

105. مسکین حجازی، صحافتی زبان، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 2007

106. مصطفی قصاص، المعلقات السبعۃ، مکتبۃ البشری، 2011

107. مصلح الدین قاسمی، تکمیل الادب، مکتبہ رحمانیہ پاکستان، دار الکتاب دیوبند

108. معراج محمد بارق، خدائی وعدہ، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، 1956

109. مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی، کلیلۃ ودمنۃ، گرافکس حیدرآباد، 2014

110. مفتی محمد یار خان قادری، شرح دیوان متنبی، مکتبہ اشرفیہ پاکستان، 2012

111. منشی حامد علی خان، طوطارام، ہزار داستان، مکتبہ نول کشور کانپور،

112. مولانا بدر الدین الحافظ قاسمی، آسان تاریخ ادب عربی، کتب خانہ حسینیہ دیوبند، 2017

113. مولانا محمد اعزاز علی، دیوان المتنبی (بحواشی جدیدہ حل لغات و ترجمہ اردو)، مکتبہ حقانیہ پاکستان

114. مولانا محمد بدر عالم قاسمی، مفتاح الفراسۃ، ثاقب بک ڈپو دیوبند

115. مولانا مفتی اقبال قاسمی، شرح اردو دیوان متنبی، دار الاشاعت دیوبند، 2007

116. میاں حکمت شاہ کاکاخیل، المرآۃ لکشف المعانی المقامات، مکتبہ شاہ ولی اللہ پاکستان، 1999

117. نازک الملائکہ وبدر شاکر، الشعر وبناء القصیدہ عند

118. یونس اگاسکر، اردو کہاوت، اور اس کے سماجی و لسانی پہلو، موڈرن پبلشنگ ہاؤس دہلی 2004

انگریزی کتابیں

119. Hatim B, J. Munday, Translation: An advanced resource book, London Routledge, 2004

120. Jermy Munday, Intrducing Translation Studies, London and New York, 2008

121. Jermy Munday, Translation as Intervention, Continum International Publishing Group, London, 2007

122. L.Vennuti, The Translation Studies Reader, Routledge London,2000

123. Mona Baker & Gabriela Saldanha, Routledge Encyclopedia of Translation Studies, IInd Edition, New ork, 2009

124. P.K Kalyani, Translation Studies, Creative Books, New Delhi,2001

125. Robinson D, What is Translation?: Centrifugal theories critical interventions Kent Chio, Kent State University Press, 1997

126. Sayce, Introduction to the scince of language, IInd Edition, London

127. Wills, W, Knowledge and skills in Translation Behavior, Amsterdam: John Benjamins, 1996

ویب سائٹس

128. https://www.rekhta.org/ebooks/hindustan-mein-arabi-zaban-o-adab-ka-farogh-volume-001-shabbir-ahmad-nadvi ebooks? Lang =ur
129. https://www.rekhta.org/ebooks/jadeed-arabi-adab-ka-irtiqa-syed-ehtisham-ahmad-nadvi-ebooks?lang=ur
130. ویکی شعیہ۔آن لائن
131. https://en.wikipedia.org/wiki/Translation_studies
132. https://www.cambridge.org/core/books/abs/arabic-literature-to-the-end-of-the-umayyad-period/umayyad-poetry/EC7DAA3CE168312E717C6A071060B0E2
133. https://en.wikipedia.org/wiki/History_of_the_Arabic_Written_Tradition
134. https://www.jstor.org/stable/602109
135. https://www.express.pk/story/158678/
136. http://ncpulblog.blogspot.com/2020/05/blog-post_37.html
137. http://usvah.org/archives/2015/item/728-arbi-adab-histry
138. https://archive.org/details/TarekhEAdabEArabiByHassanZiyaat
139. https://urdupub.com
140. https://ur.wikipedia.org/wiki
141. https://mazameen.com/muslim-
142. https://storiesoffaizan.blogspot.com/2020/06/blog-post_34.html
143. https://ur.wikipedia.org/wiki
144. https://www.mukaalma.com/121499/
145. https://ur.wikipedia.org/wiki
146. https://www.bbc.com/urdu/miscellaneous/story/2006/08/060830_najeeb_mahfooz_sen

147. https://darululoom-deoband. com/arabicarticles /archives/ 1085
148. https://www.aljazeera.net/culture/2019/7/2

"Arabi Adab ki kitabon ke Urdu Trajim: Ek jayeza"

DISSERTATION

Submitted in Partial Fulfillment of the Requirements for the Award of the Degree of

Doctor of Philosophy (Translation Studies)

2022

By

Mohd Adnan

Enrollment No.(A161119)

Under the Supervision of

Dr. Faheemuddin Ahmed

Asst. Professor, Department of Translation Studies

Department of Translation

School of Languages, Linguistic & Indology

Maulana Azad National Urdu University Hyderabad
500032